بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلاصۃ التفسیر القرآن

جلد ۷

اسلامی معیشت

استاذ التفسیر مفتی حمید الرحمن عباسی مدظلہ

مدرسہ قاسم العلوم

شیرانوالہ دروازہ لاہور

مکتبۃ الحسن

33- حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ
القرآن الحکیم

خلاصۃ تفسیر القرآن

اسلامی معیشت

جلد سابع

تالیف

استاذ تفسیر مولانا حمید الرحمان عباسی
انجمن خدام الدین، شیرانوالہ روڈ، لاہور

پبلشرز، بک سیلرز
مکتبۃ الحسن
33 - حق سٹریٹ
اردو بازار لاہور

297.16
خ 75 ح
92115

جملہ حقوق محفوظ

جلد ے
نام کتاب ـــــــــ خلاصہ تفسیر القرآن جلد سابع
اشاعت ـــــــــ دوم
مؤلف ـــــــــ حمید الرحمان عباسی
تعداد ـــــــــ گیارہ صد (۱۱۰۰)
طباعت ـــــــــ کاروان پریس دربار مارکیٹ لاہور
کتابت ـــــــــ جی آر طاہر
قیمت ـــــــــ

مکتبۃ الحسن

پبلشرز، بک سیلرز
33 - حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور
042-7241355,042-7018002,0300-4339699

مؤلف کی چند دیگر مفید تالیفات

خلاصۃ القرآن

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کے تمام متفرق مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ شروع میں ایک باب قائم کیا ہے اور پھر اس کے متعلقہ جو آیات ہیں وہ نقل کی ہیں اور تحت اللفظ ترجمہ بھی دیا ہے اور آخر میں ایک خلاصہ سا دے دیا ہے۔ اسکی کتابت سادہ ہے، مگر علماء اور خطباء کے لیے بہت مفید ہے۔

خلاصہ تفسیر القرآن جلد خامس

یہ تفسیر بھی اسی خلاصۃ القرآن کی ہے اور اس کی ترتیب و تبویب بھی وہی ہے۔ اور اس سے پہلے کی چار جلدیں جو توحید و رسالت، قیامت اور عبادات پر مشتمل ہیں ابھی تک طاقِ النواء میں ہیں۔ تفسیر لکھنے کی ابتداء جلد خامس سے ہی کی ہے۔ یہ حقوقِ نسواں پر مشتمل ہے۔ عام فہم ہے۔ اس میں عورتوں کے وہ تمام حقوق بیان کر دیئے گئے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیئے ہیں۔

اسلامی معیشت
جلد سادس

اس کی طرزِ تحریر بھی خلاصۃ القرآن کی طرح ہے۔ اسلامی معیشت کے تمام اصول اس میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلزم کا دندان شکن جواب ہے۔

خلاصۃ الاحادیث

اس کتاب میں مشکوٰۃ کی کتاب الایمان سے لے کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تک ہر باب کی دو تین جامع احادیث نقل کی گئی ہیں۔ یہ کتاب کالجیٹ طبقہ کے لیے بہت مفید ہے اور یہ انہی کی خاطر لکھی گئی ہے۔

اسلامی معیشت
جلد سابع

اس کتاب کی تبویب جلد سادس کی طرح ہے۔ اس میں مال غنیمت اور مال فے کی تعریف اور ان کی تقسیم کے اصول بیان ہوئے ہیں۔ حلال و حرام جانوروں اور پرندوں کی تفصیل اور انہیں ذبح کرنے کے طریقے مذکور ہیں۔ بہت ہی مفید تفسیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نظام عدل

اس کتاب کی تبویب بھی پہلی جلدوں جیسی ہے۔ اس میں عدل و انصاف کی تعریف اور عنداللہ اس کا تعین مذکور ہے۔ عادلانہ فیصلوں کے طریقے قانونِ شہادت اور حکّام کو عادل بنانے کے اصول بیان کیے گئے ہیں اور عادلانہ فیصلوں کی برکات مذکور ہیں۔

حکّام اور وکلاء کے لیے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

ملنے کے پتے

انجمن خدّام الدّین شیرانوالہ دروازہ، لاہور

مکی دارالکتب سرور مارکیٹ اردو بازار لاہور

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	ملاوٹ اور ماپ تول میں کمی کرنے سے دُنیا میں خدا کا عذاب آتا ہے۔	۱۳
۲	ملاوٹ اور ماپ تول میں کمی کرنے سے آخرت کا عذاب ہوگا	۱۷
۳	حق شفعہ کا بیان اور شریک کا حق مقدم ہے۔	۲۰
۴	دوسرا نمبر پانی اور راستے کے شریک کا ہے۔	۲۵
۵	تیسرا نمبر ہمسایہ کا ہے۔	۲۵
۶	سود حرام ہے۔	۲۷
۷	معارف و مسائل متعلقہ سُود	۵۷
۸	اس تفصیل سے چند چیزیں واضح ہوگئیں۔	۶۵
۹	سود و ربا کی معاشی خرابیاں	۷۲
۱۰	خویش پروری اور مِلّت کشی کی ایک اور چال	۷۷
۱۱	فریضہ زکوٰۃ ایک حیثیت سے تجارت کی ترقی کا ضامن ہے	۸۰
۱۲	سود کی رُوحانی بیماریاں	۸۱
۱۳	سود کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات	۸۶
۱۴	ادھار کے اصول و ضوابط	۹۰
۱۵	ادھار دینے کی برکات و فوائد	۹۳
۱۶	دعا برائے ادائیگی قرض	۹۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
١٧	قرض کی واپسی میں بلا عذر تاخیر کرنا ظلم ہے	٩٩
١٨	قرض واپس کرتے وقت مالک کو کچھ زیادہ دینا چاہیئے۔	١٠٠
١٩	قرض واپس کرتے وقت مالک کے لیے دعا اور اس کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہیئے۔	١٠٢
٢٠	قرض دار کو مہلت دینے یا اس کو معاف کرنے کی فضیلتیں	١٠٣
٢١	اگر مبیعہ موجود ہو تو بائع مفلس سے بیع توڑ کر اپنا مبیعہ واپس لے سکتا ہے۔	١٠٥
٢٢	قرض میں جانور دینا ہو تو عمدہ دینا چاہیئے۔	١٠٧
٢٣	مالک کو چاہیئے کہ مفلس کو قرض کا کچھ حصّہ چھوڑ دے	١٠٩
٢٤	مقروض مر جائے تو قرض تقسیم وراثت سے پہلے ادا کیا جائے۔	١١١
٢٥	قرض معاف نہیں ہوتا۔	١١٣
٢٦	مفلس کا قرض ادا کرنے کے لیے دوسرے مسلمانوں کو تعاون کرنا چاہیئے۔	١١٩
٢٧	مقروض کا مال قرض ادا کرنے کے لیے بیچا جا سکتا ہے۔	١٢٠
٢٨	مقروض ٹال مٹول کرے تو اسے گرفتار کرکے سزا بھی دی جا سکتی ہے	١٢١
٢٩	ڈکیتی اور چوری کے ذریعہ کسی کا مال ہتھیانے کی سزا۔	١٢٦
٣٠	شرعی سزاؤں کی تین قسمیں	١٢٧
٣١	ضروری مصارف اور مصرفِ اوّل	١٥٤
٣٢	مصرف دوم بیوی کے اخراجات خاوند کے سپرد ہیں۔	١٥٨
٣٣	مصرف سوم اولاد کے اخراجات والد پر ہیں	١٦٤
٣٤	مصرف چہارم لباس	١٦٦

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۳۵	اچھا اور خوبصورت لباس تقویٰ کے منافی نہیں۔	۱۷۳
۳۶	تکبّرانہ لباس تقویٰ کے منافی اور حرام ہے اور اس کی اخروی سزا	۱۷۶
۳۷	سونا چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس کے احکامات	۱۷۹
۳۸	مصرف پنجم، مکان	۱۸۲
۳۹	مصرف ششم، سواری اور اس کا خرچ	۱۸۶
۴۰	مصرف ہفتم، غریب والدین کا خرچ اولاد پر ہے	۱۸۹
۴۱	مصرف ہشتم، کلمہ، زکوٰۃ اس کے مستحقین اور برکات	۱۹۲
۴۲	زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی اخروی سزا کا بیان	۱۹۵
۴۳	ادائیگی زکوٰۃ سال گزرنے کے بعد واجب ہوتی ہے اور اگر پہلے ادا کرے تو بھی جائز ہے۔	۲۰۱
۴۴	مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد بھی کیا جا سکتا ہے	۲۰۲
۴۵	ہر علاقے کی زکوٰۃ اسی علاقے میں ہی خرچ ہونی چاہیئے	۲۰۵
۴۶	چاندی اور سونے کا نصاب	۲۰۸
۴۷	زیور کی زکوٰۃ	۲۱۲
۴۸	سونے اور چاندی کے کسور میں زکوٰۃ نہیں ہے	۲۱۵
۴۹	سامانِ تجارت کی زکوٰۃ	۲۱۹
۵۰	موتی اگر تجارت کے لیے ہوں تو ان میں زکوٰۃ ہے، ورنہ نہیں ہے۔	۲۲۰
۵۱	اونٹوں کی زکوٰۃ	۲۲۲
۵۲	بکریوں کی زکوٰۃ	۲۲۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۵۳	گائیوں کی زکوٰۃ کا نصاب	۲۳۲
۵۴	گھوڑوں اور گدھوں کی زکوٰۃ کا نصاب	۲۳۴
۵۵	قرض اور ادھار پر زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے	۲۴۱
۵۶	پوشیدہ مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔	۲۴۴
۵۷	نابالغ اور مجنوں کے مال میں زکوٰۃ کی حیثیت	۲۴۷
۵۸	قرض پر اس کی مقدار میں زکوٰۃ نہیں ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت رمضان ہے۔	۲۵۳
۵۹	زمین کی پیداوار میں عشر وغیر کا بیان	۲۵۴
۶۰	کان سے پیدا ہونے والی جامد پگھلائی جانے والی چیزوں میں پانچواں حصہ ہے۔	۲۵۷
۶۱	پھل اور غلے میں سے دسواں حصہ دینا ہے	۲۶۵
۶۲	صدقہ فطر کا بیان اور اس کا وقت	۲۷۰
۶۳	حکومت نظام زکوٰۃ قائم کرسکتی ہے اور رعایا انہیں زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کرسکتی	۲۷۴
۶۴	مصرف نہم۔ طاعات اور بھلائی کے کاموں میں حصہ لینا	۲۸۲
۶۵	غریب اقربا کو صدقہ دینے سے دوھرا ثواب ملتا ہے	۲۸۷
۶۶	یتامیٰ کا حق	۲۹۱
۶۷	مساکین کا حق	۲۹۱
۶۸	غنی مسافر کا حق	۲۹۳
۶۹	اگر آدمی کے پاس ایک دن کا کھانا نہ ہو تو اسے سوال کرنا جائز ہے	۲۹۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۷۰	ضامن، آفت زدہ اور فاقہ زدہ سوال کر سکتا ہے۔	۲۹۶
۷۱	غنی اور صحت مند کے لیے سوال کرنا جائز نہیں۔ اور بھاری قرض والے کے لیے جائز ہے۔	۲۹۸
۷۲	غلام کی آزادی کے لیے صدقہ دینا جائز ہے	۳۰۱
۷۳	انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل	۳۰۳
۷۴	انفاق فی سبیل اللہ کے ثواب کے لیے پانچ شرائط ہیں	۳۰۸
۷۵	اسراف کرنے والے اللہ تعالیٰ کو اچھے نہیں لگتے اور انہیں ہدایت بھی نصیب نہیں ہوتی	۳۱۳
۷۶	مسرف دنیا میں بدحال اور آخرت میں اندھا ہوگا۔	۳۱۷
۷۷	خرچ کرنے کے سلسلہ میں اعتدال اختیار کرنا چاہیئے	۳۱۹
۷۸	منشیات اسراف میں شامل ہیں	۳۲۱
۷۹	علاج، دفع سردی اور تقویت بدن کے لیے شراب پینا حرام ہے	۳۲۸
۸۰	شراب پینے کا دنیاوی نقصان	۳۲۹
۸۱	حرمتِ شراب کے تدریجی احکام	۳۳۳
۸۲	اسلامی سیاست اور عام ملکی سیاستوں کا فرقِ عظیم	۳۳۸
۸۳	شراب کے مفاسد اور فوائد میں موازنہ	۳۴۰
۸۴	حرمتِ قمار و جوا۔	۳۴۸
۸۵	شراب نوشی کا اخروی نقصان	۳۵۷
۸۶	شراب نوشی کی دنیاوی سزا	۳۶۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۸۷	شراب نوش کے چہرے پر نہیں مارنا چاہیئے اور اس کو زبانی عار بھی دلانا چاہیئے۔	۳۶۲
۸۸	کون سے گانے اور کھیل خلافِ شرع اور اسراف میں شامل ہیں اور ان کی سزا	۳۶۵
۸۹	تفسیر از احادیث	۳۷۶
۹۰	موسیقی کی ابتداء حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور اس کا موجد شیطان ہے	۳۸۶
۹۱	خلافِ شرع گانوں اور کھیل کود سے بچنے والوں کے فضائل اور کامیابی کا بیان	۳۸۸
۹۲	عید کے موقع پر نابالغ بچیاں اپنی قوم کے شجاعانہ کارنامے گانے کی صورت میں پیش کر سکتی ہیں۔	۳۹۱
۹۳	شادی کے موقعہ پر نابالغ بچیوں کا گانا اور دف بجانا جائز ہے	۳۹۶
۹۴	جنگ میں فتح کی خوشی پر گانا اور دف بجانا جائز ہے۔	۳۹۹
۹۵	مالِ غنیمت کا مالک اللہ ہے اور رسول اللہ بحیثیت نائب ہیں۔	۴۰۵
۹۶	لوگوں کے باہمی اتفاق و اتحاد کی بنیاد تقویٰ اور خوفِ خدا ہے	۴۱۲
۹۷	مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا طریقہ	۴۱۳
۹۸	معارف و مسائل	۴۱۴
۹۹	تقسیم خمس بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۴۲۲
۱۰۰	خمس ذوی القربیٰ	۴۲۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱۰۱	غزوۂ بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا گیا	۴۲۴
۱۰۲	مال فیئے کا باعث اور اس کی تقسیم کا طریقہ	۴۲۵
۱۰۳	ربط سورت اور شان نزول	۴۲۶
۱۰۴	معارف و مسائل سورت حشر کی خصوصیات اور قبیلہ بنو نضیر کی تاریخ	۴۲۸
۱۰۵	عمرو بن اُمیّہ ضمری کا واقعہ	۴۳۱
۱۰۶	بنو نضیر کو جلا وطن کرنے کے وقت اسلام اور مسلمانوں کی رواداری	۴۳۲
۱۰۷	رسول اللہؐ کا حکم درحقیقت اللہ کا حکم ہوتا ہے۔	۴۳۶
۱۰۸	اجتہادی اختلاف کی دونوں جانبوں میں کسی کو گناہ نہیں کہہ سکتے	//
۱۰۹	اکتناز دولت پر اسلامی قوانین کی ضرب کاری	۴۴۴
۱۱۰	حکم رسول مثل حکم قرآن کے واجب التعمیل ہے	۴۴۷
۱۱۱	اموال صدقات میں صلحاء اور دینی خدمات انجام دینے والے حاجت مندوں کو مقدم کیا جائے۔	۴۴۹
۱۱۲	گھروں میں رہنے والے حلال جانوروں کا بیان اور انہیں کھانے کی اجازت	۴۵۰
۱۱۳	گھروں میں رہنے والے حرام جانوروں کا بیان	۴۵۵
۱۱۴	شکار کرنے اور کھانے کی اجازت اور وہ جنگی شکار جن کا کھانا جائز ہے۔	۴۶۱
۱۱۵	وہ جنگی جانور اور پرندے جنہیں شکار کر کے کھانا حرام ہے	۴۶۴
۱۱۶	بحری شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال ہے۔	۴۷۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱۱۷	سدھائے ہوئے شکاری جانور کا کیا ہوا شکار حلال ہے۔	۴۷۷
۱۱۸	شکار، مویشی اور کھیت کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز ہے	۴۸۲
۱۱۹	تیر سے مارا ہوا شکار کھانا حلال ہے۔	۴۸۵
۱۲۰	حلال جانور کو بغیر ذبح کے کھانا حرام ہے	۴۹۰
۱۲۱	غیراللہ کے نام پر ذبح کرنے والا ملعون ہے	۴۹۵
۱۲۲	نومسلم کی ذبح جائز ہے۔	۴۹۷
۱۲۳	تیز چیز سے جانور کو ذبح کرنا چاہیئے۔	۴۹۸
۱۲۴	کھانے کی غرض کے سوا کسی جانور کو قتل کرنا جائز نہیں ہے	۵۰۱
۱۲۵	مقام ذبح سینے اور حلق کے درمیان ہے، مگر بوقت ضرورت جیسے ممکن ہو	۵۰۳
۱۲۶	ذبح میں چار رگیں کاٹنا چاہیئں۔ حلقوم، مری، ودجان	۵۰۵
۱۲۷	مذبوح مادہ کے پیٹ میں بچہ بھی مذبوح متصور ہوگا۔	۵۰۷
۱۲۸	بغیر ذبح کیے جانور کا کوئی حصہ کاٹ کر کھانا حرام ہے۔	۵۰۸
۱۲۹	اہل کتاب کا کھانا اور ذبیحہ جائز ہے۔	۵۱۱

ملاوٹ اور ماپ تول میں کمی کرنے سے دنیا میں خدا کا عذاب آتا ہے

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ	اور مدین کی طرف ان کے بھائی
شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ	شعیب کو بھیجا کہا اے
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ	میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس
مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا	کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں
تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ	اور ماپ اور تول کو نہ گھٹاؤ
اِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّ	میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا
اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ	ہوں اور تم پر ایک گھیر لینے
یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ۝ وَیٰقَوْمِ	والے دن کے عذاب سے
اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ	ڈرتا ہوں اور اے میری قوم
بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا	انصاف سے ماپ اور تول
النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا	کو پورا کرو اور لوگوں کو انکی چیزیں
تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ	گھٹا کر نہ دو اور زمین میں
مُفْسِدِیْنَ ۝ بَقِیَّتُ	فساد نہ مچاؤ اللہ کا دیا
اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ	جو باقی بچ رہے وہ تمہارے
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَآ	لیے بہتر ہے اگر تم ایماندار
اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ	ہو اور میں تمہارا نگہبان نہیں
۝ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ	ہوں۔ انہوں نے کہا اے
اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ	شعیب کیا تیری نماز تجھے

تَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ

یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادے پوجتے تھے یا اپنے مالوں میں اپنی خواہش کے مطابق معاملہ نہ کریں بے شک تو البتہ بردبار نیک چلن ہے کہا اے میری قوم دیکھو تو سہی اگر مجھے اپنے رب کی طرف سے سمجھ آگئی ہے اور اس نے مجھے عمدہ روزی دی ہے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے تمہیں منع کروں میں اس کے خلاف کروں میں تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح ہی چاہتا ہوں اور مجھے تو صرف اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اے میری قوم کہیں میری ضد سے ایسا جرم نہ کر بیٹھنا کہ جس سے

وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ
مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝
وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ
ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ ۭ
اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ
قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا
نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا
تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ
فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْ
لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ
وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا
بِعَزِيْزٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ
اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ
وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ
اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
مُحِيْطٌ ۝ وَيٰقَوْمِ
اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ
اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ
عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ

وہی مصیبت نہ آپڑے جیسی قوم نوح یا قوم ہود اور یا قوم صالح پر پڑی تھی اور لوط کی قوم بھی تم سے دور نہیں ہے اور اپنے اللہ سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو بے شک میرا رب مہربان محبت کرنے والا ہے اور انہوں نے کہا اے شعیب ہم بہت سی باتیں نہیں سمجھتے جو تم کہتے ہو اور بیشک ہم البتہ تمہیں اپنے میں کمزور پاتے ہیں اور اگر تیری برادری نہ ہوتی تو تجھے ہم سنگسار کر دیتے اور ہماری نظر میں تیری کوئی عزت نہیں ہے اس نے کہا اے میری قوم کیا میری برادری کا دباؤ تم پر اللہ سے زیادہ ہے اس کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے بے شک میرا رب تمہارے سب اعمال پر احاطہ کرنے والا ہے اور میری قوم تم اپنی

هُوَ كَاذِبٌ ط وَارْتَقِبُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ط اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝

(سورہ ہود آیت ۸۴ تا ۹۵)

جگہ پر کام کئے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں آئندہ معلوم کر لو گے کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور جھوٹا کون ہے اور انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ اور جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے شعیب اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچالیا اور ان ظالموں کو کڑک نے آپکڑا پھر وہ صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے خبردار مدین پر پھٹکار ہے جیسے ثمود پر پھٹکار ہوئی تھی۔

تفسیر

ان آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر جن اسباب کے باعث عذاب آیا ان کا بیان ہے حضرت شعیب علیہ السلام حضرت ابراہیم کے بیٹے مدین کی اولاد میں سے تھے اور مدین میں آپ کی بیوی

قطورہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور مدین شہر ان ہی کے نام سے موسوم ہے ۔ حضرت شعیب کی قوم میں دو قسم کے جرائم تھے ایک حقوق اللہ کا ضیاع اور دوسرا حقوق العباد کا ضیاع ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ۔ آپ نے ان لوگوں کو اسلامی اصولوں پر عمل کرنے کی برکات اور ان کی خلاف ورزی کرنے کے نقصان سے آگاہ فرمایا ۔ خصوصی طور پر شرک سے اور ماپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا مگر ان لوگوں نے آپ کی دعوت قبول نہ کی تو آخر کار ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب دنیا میں نازل ہوا اور یہ تین قسم کا عذاب تھا ۔ زلزلہ ہیبت ناک آواز اور آسمان سے آگ برسی جس کی وجہ سے یہ سب لوگ ہلاک ہو گئے ۔

پس معلوم ہوا کہ جو لوگ شرک کرتے ہیں یا ملاوٹ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں یا جس بھی طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کا حق ضائع کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر دنیا میں طرح طرح کا عذاب نازل کرتے ہیں

ملاوٹ اور ماپ تول میں کمی کرنے سے آخرت کا عذاب ہوگا

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝	کم تولنے والوں کے لیے تباہی
الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى	ہے وہ لوگ کہ جب لوگوں سے
النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝	ماپ کر لیں تو پورا لیں اور
وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ	جب ان کو ماپ کر یا تول کر

يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ	دیں تو گھٹا کر دیں کیا وہ خیال
اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝	نہیں کرتے کہ وہ اٹھائے جائینگے
لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ	اس بڑے دن کے لیے جس دن
يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ	سب لوگ رب العلمین کے
الْعٰلَمِيْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّ	سامنے کھڑے ہونگے۔ ہرگز ایسا
كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ	نہیں چاہیئے بیشک نافرمانوں
سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ	کے لیے اعمال نامے سجین میں
اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝	ہیں اور آپ کو کیا خبر کہ سجین کیا
كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ وَيْلٌ	ہے ایک دفتر ہے جس میں لکھا
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ	جاتا ہے اس دن جھٹلانے
۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ	والوں کے لیے تباہی ہے وہ
بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا	جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے
يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ	ہیں اور اس کو وہی جھٹلاتا ہے
مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا	جو حد سے بڑھا ہوا گناہگار
تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا	ہے جب اس پر ہماری آیتیں
قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝	پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے پہلوں
كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى	کی کہانیاں ہیں ہرگز نہیں بلکہ
قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا	ان کے (برے) کاموں سے
يَكْسِبُوْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّهُمْ	ان کے دلوں پہ زنگ لگ گیا
عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ	ہے ہرگز نہیں بے شک وہ
لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ثُمَّ	اپنے رب سے اس دن روک

اِنَّهُمْ لَصَالُوا	دیئے جائیں گے پھر بیشک
الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ	وہ دوزخ میں گرنے والے
يُقَالُ هٰذَا الَّذِیْ	ہیں پھر کہا جائے گا کہ یہی ہے
كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۔	وہ جسے تم جھٹلاتے تھے ۔

تفسیر

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ سے پہلے وہ لوگ ماپ تول میں کمی کرتے تھے یعنی کسی کو کوئی چیز ماپ کر یا تول کر دیتے تھے تو کم دیتے تھے اور جب ان سے لیتے تھے تو پوری ان کی مذمت میں یہ آیات اتری ہیں ۔ ان آیتوں میں سب سے پہلے ویل کا لفظ آیا ہے اس کے معنے تباہی اور بربادی کے ہیں اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ ویل جہنم میں ایک وادی کا نام ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ جمع ہو گی اور شروع میں یہ لفظ لگا کر بتا دیا کہ جو لوگ ایسا کاروبار کرتے ہیں ان کے لیے دوزخ کی یہ وادی ہو گی اور آگے مُطَفِّفِیْن لگایا ہے یہ لفظ تطفیف سے بنا ہے اس کے معنی ہیں کہ اپنا حق دوسرے سے پورا لینا اور اسے اس کا حق دیتے وقت کم دینا یہ عام ہے خواہ اللہ کا حق ہو یا مخلوق کا حق ہو اور آگے الذین سے لے کر یخسرون تک اس تطفیف کی تشریح بیان فرما دی ہے کہ اپنا حق تو مثلاً ماپ کر یا تول کر لیتے ہیں تو پورا اور جب ان کو دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں اور اس سے آگے آخر تک ان کے لیے قیامت

میں جو ٹھکانا ہوگا اس کا بیان ہے۔

یہ آیات جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے لوگوں کو سنائیں تو ان لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا ہوا اور آخرت کی فکر لاحق ہوئی تو انہوں نے بد دیانتی کا یہ کاروبار ترک کیا اور اس زمانہ سے لے کر آج تک وہ لوگ اس دیانت دارانہ کاروبار میں مشہور ہیں پس خلاصہ یہ نکلا کہ جو لوگ ایسا بددیانتی کا کاروبار کرتے ہیں انکے لیے آخرت میں بھی عذاب ہوگا مدینہ کے ہی ایک شخص کا واقعہ ہے کہ جب وہ مرگیا تو لوگوں نے اس کے لیے قبر کھودی تو اس سے سانپ نکلا وہ چھوڑ کر دوسری کھودی تو اس سے بھی سانپ نکلا اور اسی طرح تیسری کھودی تو اس سے بھی سانپ نکلا تو ان لوگوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اس کے اعمال ہیں جو سانپ کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں کسی ایک قبر میں دفنا دو چنانچہ وہ سانپ والی قبر میں دفنا دیا گیا پھر لوگوں نے اس کی بیوی سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ غلہ میں مٹی ملا کر بیچتا تھا۔

حق شفعہ کا بیان

عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ حُرَيْثٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	سعید بن حریث نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ
مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ
دَارًا اَوْ عِقَارًا فَمِنْ
اَنْ لَا يُبَارَكَ لَهُ
اِلَّا اَنْ يَجْعَلَهُ فِيْ
مِثْلِهِ (رواہ ابن ماجہ)

فرماتے تھے جو تم میں سے
گھر یا زمین بیچے لائق تر ہے
کہ اس کو برکت نہ دی جائے
(یعنی مول ہیں) مگر کہ لگائے
اس مول کو اس کی مثل ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
اَلشَّرِيْكُ شَفِيْعٌ
وَالشُّفْعَةُ فِيْ كُلِّ
شَيْءٍ (ترمذی)

اور ابن عباس سے مروی ہے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا شریک شفیع ہے
اور شفعہ ہر چیز میں ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضٰى
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ
فِيْ شِرْكَةٍ لَمْ
تُقْسَمْ رَبْعَةٍ اَوْ
حَائِطٍ لَا يَحِلُّ لَهُ
اَنْ يَبِيْعَ حَتّٰى يُؤْذِنَ
شَرِيْكَهُ فَاِنْ
شَاءَ اَخَذَ وَاِنْ شَاءَ

اور جابر نے فرمایا کہ جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے شفعہ کا فیصلہ ایسی مشترکہ
زمین کے بارے میں کیا جو
تقسیم نہیں کی گئی تھی گھر ہو یا
باغ ہو حلال نہیں ہے اسکے
لیے بیچنا یہاں تک کہ اپنے
شریک سے اجازت حاصل
نہ کرے اگر وہ چاہے تو لے

تَرَكَ فَإِذَا بَاعَ	یا چھوڑے اگر اس نے بیچ
وَلَمْ يُؤْذِنْهُ فَهُوَ	دی اور اس سے اجازت
أَحَقُّ بِهِ (مسلم)	نہ لی تو وہ اس کا زیادہ حق دار
	ہے۔
وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ	اور جابر نے فرمایا کہ نبی
قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى	صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	شفعہ کے بارے میں فیصلہ
بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ	کیا جو چیز تقسیم نہیں کی گئی تھی
مَا لَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا	اور جب حدیں مقرر ہو جائیں
وَقَعَتِ الْحُدُودُ وَ	اور راستے تبدیل کر دیئے
صُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا	جائیں پھر شفع نہیں ہے۔
شُفْعَةَ (البخاری)	

تشریح احادیث

شفعہ کے معنی ملانے کے آتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں شفعہ یہ ہے کہ انسان کسی کی فروخت شدہ جائداد کو عدالت کے ذریعہ اپنے ساتھ ملالے اور اس سلسلہ میں اصل میراث ہے لیکن چونکہ اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اس لیے اسے دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہاں صرف اتنا کافی ہے کہ جب کہ مشترکہ جائداد ورثاء کی مرضی کے سوا بیچنا جائز نہیں ہے اسی طرح اس جائداد کے ساتھ کوئی شخص کسی کے پانی میں شریک ہے یا راستہ

میں شریک ہوا ہے تو بھی اس کی مرضی کے سوا اس کا بیچنا جائز نہیں ہے۔

یہاں چار احادیث درج کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث سعید بن حریث والی ہے اس میں جناب نبی کریم علیہ السلام نے غیر منقولہ جائداد کو فروخت کرنا پسند نہیں فرمایا ہے کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اگر یہ ویسے پڑی رہے تو بھی اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ جب انسان چاہے اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگر انسان کسی مجبوری سے فروخت کرے تو آپ نے فرمایا لائق تر ہے کہ اس کو اس کے معاوضے میں برکت نہ ہو ہاں اگر اسے فروخت کر کے کوئی دوسری جائداد خریدنا چاہے تو ٹھیک ہے۔

یہاں دوسری حدیث حضرت ابن عباس والی ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ شریک شفیع ہے اور شفعہ ہر چیز میں ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنی غیر منقولہ جائداد بیچ ہی دے تو پھر اس جائداد میں پہلا حق دار شریک جائداد ہے اس کے ساتھ جو دوسرا شریک ہے اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ عدالت کی طرف رجوع کرے اور شفعہ کر کے اپنا حق حاصل کرے اور اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ شفعہ ہر چیز میں ہے اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو تقسیم ہو سکے جیسا کہ آنے والی جابر کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اس حدیث سے تین چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک حضرت جابر نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر تقسیم شدہ مشترکہ مکان یا زمین میں شفعہ کا فیصلہ کیا اور دوسری یہ چیز بیان فرمائی کہ یہ مشترکہ جائداد شریک کی اجازت کے سوا بیچنا حلال نہیں اور اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ معاوضہ اور قیمت لینا اس کے

لیے حلال نہیں ہے حرام ہے کیونکہ اگرچہ اس مشترکہ میں سے اپنا حصّہ ہی تو بیچے گا لیکن ہو سکتا ہے کہ اپنے حصّہ سے زیادہ بیچ دے اور شریک کے لیے تھوڑا رہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عمدہ حصّہ بیچ دے اور شریک پسند نہ کرے۔ ان وجوہات کی بناء پر آقائے نامدار نے فرمایا کہ ایسی جائداد فروخت کرنا جائز نہیں جب تک کہ اپنے شریک سے اجازت حاصل نہ کرے اگر وہ خود خریدے تو ٹھیک ہے اگر وہ نہ خریدے تو پھر یہ بیچ سکتا ہے۔ اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ اگر یہ اپنے شریک کی اجازت کے سوا بیچ دے تو پھر وہ شفعہ کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

چوتھی حدیث بھی جابرؓ ہی سے مروی ہے اس کے اندر بھی مضمون سابق کی تائید ہے مگر دو چیزوں کا اضافہ ہے کہ اگر اس مشترکہ جائداد کی تقسیم ہو جاتے راستے بھی طے اور حدیں بھی مقرر ہو جائیں تو پھر شرکت کے شفعہ کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ بہرحال ان احادیث کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ شرکت کا شفیع سب سے زیادہ حق دار ہے اور نیز ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شفعہ اس چیز میں ہو سکتا ہے جو تقسیم ہو سکے اور اس میں مسلم اور غیر مسلم کا بھی کوئی فرق نہیں۔

دوسرا نمبر پانی اور راستے کے شریک کا ہے

لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ	بوجہ فرمان نبی علیہ السلام کے
اَلشَّرِيْكُ اَحَقُّ مِنَ	کہ شریک زیادہ حق دار ہے
الْخَلِيْطِ وَالْخَلِيْطُ	خلیط سے اور خلیط زیادہ حقدار
اَحَقُّ مِنَ الشَّفِيْعِ	ہے شفیع سے۔

(ہدایہ)

تشریح حدیث

یہاں شریک سے مراد نفس مبیعہ میں شریک ہونا ہے اور خلیط سے مراد حقوق مبیعہ میں شریک ہونا ہے یعنی راستہ اور پانی دے اور شفیع سے مراد پڑوسی ہے یعنی شفعہ کے سلسلہ میں سب سے پہلا حق شریک کا ہے جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے اور دوسرے نمبر پر وہ شفعہ کا حق دار ہے جو اس جائداد میں راستے کا شریک ہو یا پانی کا شریک ہو ان دونوں کے ہوتے ہوئے پڑوسی کو یا کسی اور کو شفعہ کا حق نہیں ہے اگر یہ شفعہ نہ کریں تو پھر پڑوسی شفع کر سکتا ہے اور پڑوسی کی تفصیل آنے والی احادیث سے معلوم ہوتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

تیسرا نمبر ہمسایہ کا ہے

وَعَنْ اَبِىْ رَافِعٍ	ابی رافع سے روایت ہے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَتِهٖ
(بخاری)

علیہ وسلم نے فرمایا ہمسایہ اپنے شفعہ کا زیادہ حق دار ہے ۔

وعن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجار احق بِشُفْعَتِهٖ يُنْتَظَرُ بِهَا وَاِنْ كَانَ غَائِبًا اِذَا كَانَ طَرِيْقُهُمَا وَاحِدًا ۔
(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

اور جابر سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمسایہ شفعہ کا زیادہ حق دار ہے شفعہ کی خاطر اس کا انتظار کیا جائے اگرچہ وہ غائب کیوں نہ ہو جب کہ ان کا راستہ ایک ہو ۔

تشریح

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شفعہ کے بارے میں سب سے پہلا حق مبیعہ میں شریک کا ہے ۔ دوسرے نمبر پر راستے اور پانی میں شریک ہے اور تیسرے نمبر پر ہمسایہ ہے اور ان احادیث میں ہمسایہ کی تفصیل آئی ہے اور ان احادیث میں جو ہمسایہ کو زیادہ حق دار فرمایا ہے اس سے مراد خریدار ہے کہ خریدار کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہے اور دوسرا یہ شرط عائد کی ہے کہ جب راستہ ایک ہو اور اگر راستہ جُدا ہو تو پھر وہ زیادہ حق دار نہیں ہے اور شفعہ کے بقیہ مسائل کتب فقہ

میں مذکور ہیں یہاں تفصیل لکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

سود حرام ہے

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا	جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت
لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا	کے دن وہ نہیں اٹھیں گے
يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ	مگر جس طرح کہ وہ شخص اٹھتا
الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ	ہے جس کے حواس جن نے
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا	لپٹ کر کھو دیئے ہیں یہ
اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ	حالت ان کی اس لیے ہو گی
الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ	کہ انہوں نے کہا تھا کہ سوداگری
الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ	بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود
فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ	لینا۔ حالانکہ اللہ نے سوداگری
مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى	کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام
فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ	کیا ہے پھر جسے اپنے رب
وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ	کی طرف سے نصیحت پہنچی
وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ	اور وہ باز آگیا تو جو پہلے لے
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ	چکا ہے وہ اسی کا رہا اور
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝	اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے
	اور جو کوئی پھر سود لے
	وہی لوگ دوزخ والے ہیں

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا	اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات
وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ	کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی
وَاللّٰہُ لَا يُحِبُّ كُلَّ	ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں
كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ	کرتا ہے جو لوگ ایمان
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	لائے اور نیک کام کیے
الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا	اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ
الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا	دیتے رہے تو ان کے
الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ	رب کے ہاں ان کا اجر ہے
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا	اور ان پر کوئی خوف نہ
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ	ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں
يَحْزَنُوْنَ ۝ يٰاَيُّهَا	گے ۔ اے ایمان
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا	والو اللہ سے ڈرو اور
اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ	جو کچھ باقی سود رہ گیا ہے
مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ	اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان
مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ	والے ہو ۔ اگر تم نے
لَّمْ تَفْعَلُوْا	نہ چھوڑا تو اللہ اور اس
فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ	کے رسول کی طرف سے
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	تمہارے خلاف اعلان
وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ	جنگ ہے اور اگر توبہ
رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ	کر لو تو اصل مال تمہارا تمہارے

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○ وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ سورۂ بقرہ آیت ۲۷۵ تا ۲۸۱

واسطے ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا اور اگر وہ تنگدست ہے تو آسودہ حالی تک مہلت دینی چاہیئے اور بخش دو تو تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو اور اس دن سے ڈرو جس دن اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ ج

(سورۂ آلِ عمران آیت ۱۳۰ تا ۱۳۲)

اے ایمان والو سود دونا پر دونا مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تمہارا چھٹکارا ہو اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور رسول کی تابعداری کرو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

سو یہود کے گناہوں کے

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا	سبب سے ہم نے ان پر
حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ	بہت سی پاک چیزیں حرام
طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ	کر دیں جو ان پر حلال تھیں
وَبِصَدِّهِمْ عَنْ	اور اس سبب سے کہ اللہ
سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا	کی راہ سے بہت روکتے
وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا	تھے اور اُن کے سود لینے
وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ	کے سبب سے حالانکہ اس
وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ	سے منع کیے گئے تھے اور
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ	اس سبب سے کہ لوگوں کا
وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ	مال ناحق کھاتے تھے اور
مِنْهُمْ عَذَابًا	ان میں سے جو کافر ہیں ہم
اَلِيْمًا (سورۃ بقرہ آیت	نے اُن کے لیے دردناک
۲۷۵ تا ۲۸۱، سورۃ آل عمران آیت	عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۱۳۰ تا ۱۳۲، سورۃ نساء آیت ۱۶۰۔۱۶۱)

خلاصۂ تفسیر

جو لوگ سود کھاتے ہیں (یعنی لیتے ہیں) نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان نے خبطی بنا دیا ہو لپٹ کر (یعنی حیران مدہوش) یہ سزا اس لیے ہو گی کہ ان (سود خوار) لوگوں نے (سود کے حلال ہونے پر استدلال کرنے کے لیے) کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سُود کے ہے، (کیونکہ

اس میں بھی مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور بیع یقیناً حلال ہے، پھر سود بھی جو کہ اس کا مثل ہے حلال ہونا چاہیئے) حالانکہ (دونوں میں کھلا فرق ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے (جو کہ مالک ہیں احکام کے) بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے (اس سے زیادہ اور کیا فرق ہوگا) پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی جانب سے (اس بارہ میں) نصیحت پہنچی اور وہ (اس سود کے فعل اور اس کفر کے قول سے یعنی حلال کہنے سے) باز آگیا (یعنی حرام سمجھنے لگا اور لینا بھی چھوڑ دیا) تو جو کچھ (اس حکم کے آنے سے) پہلے (لینا) ہوچکا ہے وہ اس کا رہا (یعنی ظاہر شرع کے نزدیک اس کی یہ توبہ قبول ہوگئی، اور لیا ہوا مال اسی کی ملک ہے) اور (باطنی) معاملہ اس کا (کہ وہ دل سے باز آیا ہے یا منافقانہ توبہ کرلی ہے، یہ) خدا کے حوالے رہا، (اگر دل سے توبہ کی ہوگی عند اللہ نافع ہوگی ورنہ کالعدم ہوگی، تم کو بدگمانی کا کوئی حق نہیں) اور جو شخص (نصیحت مذکور سن کر بھی اسی قول اور اسی فعل کی طرف) پھر عود کرے تو (بوجہ اس کے کہ ان کا یہ فعل خود گناہ کبیرہ ہے) یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے (اور بوجہ اس کے کہ ان کا یہ قول کفر ہے اس لیے) وہ اس (دوزخ) میں ہمیشہ رہیں گے (اور گو سود لینے سے فی الحال مال بڑھتا نظر آتا ہے، لیکن مآل کار) اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں (کبھی تو دنیا ہی میں سب برباد ہو جاتا ہے ورنہ آخرت میں تو یقینی برباد ہے، کیونکہ وہاں اس پر عذاب ہوگا) اور (برخلاف اس کے صدقہ دینے میں گو فی الحال مال گھٹتا معلوم ہوتا ہے، لیکن مآل کار اللہ تعالیٰ) صدقات کو بڑھاتے ہیں، (کبھی تو دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو یقیناً بڑھتا ہے، کیونکہ وہاں اس پر بہت

سا ثواب ملے گا، جیسا اوپر آیات میں مذکور ہوا) اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا (بلکہ مبغوض رکھتے ہیں) کسی کفر کرنے والے کو (جو کہ قول مذکور کے مثل کلمات کفر منہ سے بکے، اور اسی طرح پسند نہیں کرتے) کسی گناہ کے کام کرنے والے کو (جو کہ فعل مذکور یعنی سود کے مثل کبائر کا مرتکب ہو)۔

ان آیات میں ربا یعنی سُود کی حُرمت اور اس کے احکام کا بیان شروع ہوا ہے، یہ مسئلہ کئی حیثیتوں سے بہت اہم ہے۔ ایک طرف سود و ربوٰ پر قرآن و سُنت کی شدید وعیدیں اور دوسری طرف دنیا کی اقتصادیات میں اس کا جزء لازم بن جانا اور اس سے نجات کی مشکلات کا مسئلہ طویل الذیل ہے اور کئی حیثیتوں سے اس پر غور کرنا ہے۔

اول اس بارے میں قرآن کی آیات کی صحیح تفسیر اور احادیث صحیحہ کے ارشادات میں غور کر کے یہ متعین کرنا کہ قرآن و سنت کی اصطلاح میں ربوٰ کیا چیز ہے اور کن کن معاملات کو شامل ہے، اور اس کی حُرمت کس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، اس میں کس قسم کی مضرتیں ہیں۔

دوسری حیثیت اس کی عقلی اور معاشی ہے کہ کیا فی الواقع سود و ربوٰ ایسی چیز ہے جو دُنیا کی اقتصادی ترقی کا ضامن ہو سکے، اور جس کو نظر انداز کرنے کا لازمی نتیجہ تجارت اور عام اقتصادیات کی تباہی ہو، یا سارا چکر صرف خدا تعالیٰ اور آخرت سے غافل دماغوں کی پیداوار ہے، ورنہ بغیر اس کے بھی تمام معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں، اور نہ صرف مشکلات کا حل بلکہ دُنیا میں اقتصادی امن و اطمینان سود کے چھوڑنے پر موقوف ہے، اور یہ کہ دُنیا کی اقتصادی مصائب کا سب سے بڑا سبب سود و ربا ہے۔

یہ دوسری بحث ایک معاشی اور اقتصادی مسئلہ ہے، جس کے تحت بہت سے اصولی اور فروعی طویل بحثیں ہیں، جن کا تعلق تفسیر قرآن سے نہیں، اس لیے اس جگہ پہلی ہی بحث پر اکتفار کیا جاتا ہے، وہ بھی خاصی طویل ہے۔

تفسیر و تشریح

یہ چھ آیتیں ہیں جن میں سُود کی حرمت اور احکام کا بیان ہے، ان میں سے پہلی آیت کے پہلے جملہ میں سود خواروں کے انجام بد اور محشر میں انکی رُسوائی اور گمراہی کا ذکر ہے، ارشاد ہے کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہونگے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ آدمی جس کو کسی شیطان جن نے لپٹ کر خبطی بنا دیا ہو، حدیث میں ہے کہ کھڑے ہونے سے مراد محشر میں قبر سے اُٹھنا ہے کہ سُود خوار جب قبر سے اُٹھے گا تو اس پاگل و مجنون کی طرح اُٹھے گا جس کو کسی شیطان جن نے خبطی بنا دیا ہو۔

اس جملہ سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جنّات و شیاطین کے اثر سے انسان بیہوش یا مجنون ہوسکتا ہے، اور اہلِ تجربہ کے متواتر مشاہدات اس پر شاہد ہیں، اور حافظ ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اطبّا اور فلاسفہ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے کہ صرع، بیہوشی یا جنون مختلف اسباب سے ہوا کرتا ہے، ان میں بعض اوقات جنّات و شیاطین کا اثر بھی اس کا سبب ہوتا ہے، جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے ان کے پاس بجز ظاہری استبعاد کے کوئی دلیل نہیں۔

دوسری بات یہ غور طلب ہے کہ قرآن نے یہ نہیں فرمایا کہ سود خوار محشر

میں پاگل یا مجنون ہو کر اٹھیں گے، بلکہ دیوانہ پن یا بے ہوشی کی ایک خاص صورت کا ذکر کیا ہے کہ جیسے کسی کو شیطان نے لپٹ کر خبطی بنا دیا ہو، اس میں شاید یہ اشارہ ہے کہ بیہوش و مجنون تو بعض اوقات چپ چاپ پڑا بھی رہتا ہے، اُن کا یہ حال نہ ہوگا، بلکہ شیطان کے خبطی بنائے ہوؤں کی طرح بکواس اور ہذیان اور دوسری مجنونانہ حرکتوں کی وجہ سے پہچانے جائیں گے۔

اور شاید اس طرف بھی اشارہ ہو کہ بیماری سے بیہوش یا مجنون ہو جانے کے بعد چونکہ احساس بالکل باطل ہو جاتا ہے، اس کو تکلیف یا عذاب کا بھی احساس نہیں رہتا، اُن کا یہ حال نہ ہوگا، بلکہ آسیب زدہ کی طرح تکلیف و عذاب کو پوری طرح محسوس کرے گا۔

اب یہاں یہ دیکھنا ہے کہ جرم و سزا میں کوئی مناسبت ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سزا کسی شخص یا جماعت کے کسی جرم کے مقابلہ میں دی جاتی ہے، وہ یقیناً اس جرم کے مناسب ہوتی ہے، اس لیے سود خواروں کو خبطی بنا کر محشر میں اٹھانا شاید اس کا اظہار ہے کہ سود خوار روپے پیسہ کی حرص میں اس قدر مدہوش ہوتا ہے کہ اس کو نہ کسی غریب پر رحم آتا ہے نہ کسی کی شرم مانع ہوتی ہے، وہ چونکہ اپنی زندگی میں درحقیقت بیہوش تھا اس لیے محشر میں بھی اسی حالت میں اٹھایا گیا، یا یہ سزا اس لیے دی گئی کہ دنیا میں اس نے عقلی رنگ میں اپنی بے عقلی کو ظاہر کیا، کہ بیع کو مثل سود قرار دیا، اس لیے اس کو بے عقل کر کے اُٹھا دیا گیا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ آیت میں سُود کھانے کا ذکر ہے اور مراد مطلقاً سود لینا اور اس کا استعمال کرنا ہے، خواہ کھانے میں استعمال کرے یا لباس میں یا مکان اور اس کے فرنیچر میں، لیکن اس کو "کھانے" کے

لفظ سے اس لیے تعبیر کیا کہ جو چیز کھائی جائے اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں رہتا، بخلاف دوسری ضرورتوں کے استعمال کے کہ اس چیز کو واپس لیا دیا جا سکتا ہے، اس لیے مکمل قبضہ اور تصرّف کو کھا جانے کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نہ صرف عربی زبان میں بلکہ اُردو، فارسی وغیرہ اکثر زبانوں کا یہی محاورہ ہے۔

اس کے بعد دوسرے جملہ میں سود خواروں کی اس سزا کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ان لوگوں نے دو جُرم کئے ایک تو بذریعہ سود کے حرام مال کھایا، دوسرے اس کو حلال سمجھا، اور حرام کہنے والوں کے جواب میں یہ کہا بیع وشراء بھی تو ربٰو ہی کی مثل ہے، جس طرح ربٰو کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح بیع وشراء کے ذریعہ نفع مقصود ہے، اگر سود حرام ہے تو بیع بھی حرام ہونی چاہیئے، حالانکہ اس کے حرام ہونے کا کوئی قائل نہیں، اس جگہ بظاہر مقتضائے مقام یہ تھا کہ لوگ یوں کہتے کہ ربٰو بھی تو مثل بیع کے ہے، جب بیع حلال ہے تو ربٰو بھی حلال ہونا چاہیئے، مگر انہوں نے طرز بیان بدل کر حرام کہنے والوں پر ایک قسم کا استہزاء کیا کہ تم ربٰو کو حرام کہتے ہو تو بیع کو بھی حرام کہو۔

تیسرے جملے میں ان لوگوں کے اس قول کا جواب حق تعالےٰ نے یہ دیا کہ یہ لوگ بیع کو ربٰو کی مثل اور برابر قرار دیتے ہیں، حالانکہ بحکم خداوندی ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، کہ اللہ تعالےٰ نے ایک کو حلال قرار دیا اور دوسرے کو حرام، پھر دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔

اس جواب میں یہ بات قابل غور ہے کہ ان لوگوں کا اعتراض تو عقلی طور پر تھا کہ جب دونوں معاملوں کا مقصد نفع کمانا ہے تو دونوں کا حکم ایک ہی

ہونا چاہیئے ، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے عقلی شبہ کا جواب عقلی طور پر فرق بیان کر کے نہیں دیا ، بلکہ حاکمانہ انداز میں یہ جواب دیا کہ مالک الملک و الملکوت اللہ جل شانہ ہے وہ ہی ہر چیز کے نفع و ضرر اور بھلے بُرے کو پوری طرح جانتا ہے ، جب اس نے ایک کو حلال اور دوسرے کو حرام قرار دے دیا ، تو سمجھ لو کہ جس چیز کو حرام کیا ہے اس میں ضرور کوئی نقصان و ضرر اور کوئی خباثت ہے ، خواہ عام انسان اس کو محسوس کرے یا نہ کرے ، کیونکہ مجموعۂ نظامِ عالم کی پوری حقیقت اور اس کے نفع و ضرر کا احاطہ صرف وہی علیم و خبیر کر سکتا ہے ، جس کے علم سے کوئی ذرّہ جہاں چھپا ہوا نہیں ہے ، عالم کے افراد یا جماعتیں اپنے اپنے مصالح اور مضرتوں کو پہچان سکتے ہیں ، پورے عالم کے نفع و ضرر کا احاطہ نہیں کر سکتے ، بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ کسی شخص یا جماعت کے حق میں مفید نظر آتی ہیں ، مگر پوری قوم یا پورے ملک کے لیے اس میں مضرت ہوتی ہے۔

اس کے بعد تیسرے جملہ میں یہ ارشاد ہے کہ سُود حرام ہونے سے پہلے جس شخص نے کوئی رقم جمع کر لی تھی ، لیکن جب سود کو حرام قرار دے دیا گیا ، تو اگر آئندہ کے لیے اس نے توبہ کر لی اور باز آگیا ، تو اس سے پہلے جمع شدہ رقم ظاہر شرع کے حکم سے اُسی کی ہو گئی ، اور باطنی معاملہ اس کا کہ وہ دل سے باز آیا ، یا منافقانہ توبہ کر لی ، اس کا یہ معاملہ خدا کے حوالہ رہا۔

اگر دل سے توبہ کی ہے تو عند اللہ نافع ہو گی ورنہ کالعدم ہو گی ، عام لوگوں کو بدگمانی کرنے کا حق نہیں ہے ، اور جو شخص نصیحت سُن کر بھی اسی قول و فعل کی طرف پھر عود کرے تو چونکہ یہ فعل سود خواری گناہ ہے ، یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے ، اور چونکہ اُن کا یہ قول کہ سود مثل بیع کے حلال ہے کفر ہے اس لیے وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

دوسری آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سُود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں، یہاں سُود کے ساتھ صدقات کا ذکر ایک خاص مناسبت سے لایا گیا ہے، کہ سود اور صدقہ دونوں کی حقیقت میں بھی تضاد ہے اور ان کے نتائج بھی متضاد ہیں، اور عموماً ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی غرض و نیت بھی متضاد ہوتی ہے۔

حقیقت کا تضاد تو یہ ہے کہ صدقہ میں تو بغیر کسی معاوضہ کے اپنا مال دوسروں کو دیا جاتا ہے اور سُود میں بغیر کسی معاوضہ کے دُوسرے کا مال لیا جاتا ہے، ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض اس لیے متضاد ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور ثواب آخرت کے لیے اپنے مال کو کم یا ختم کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور سود لینے والا اپنے موجودہ مال پر ناجائز زیادتی کا خواہشمند ہے اور نتائج کا متضاد ہونا قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ سود سے حاصل شدہ مال کو یا اس کی برکت مٹا دیتے ہیں اور صدقہ کرنے والے کے مال یا اس کی برکت کو بڑھاتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مال کی ہوس کرنے والے کا مقصد پورا نہیں ہوتا، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا جو اپنے مال کی کمی پر راضی تھا، اس کے مال میں برکت ہو کر اس کا مال یا اس کے ثمرات و فوائد بڑھ جاتے ہیں۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ آیت میں سود کو مٹانے اور صدقات کو بڑھانے کا کیا مطلب ہے، بعض مفسّرین نے فرمایا کہ یہ مٹانا اور بڑھانا آخرت کے متعلق ہے کہ سود خوار کو اس کا مال آخرت میں کچھ کام نہ آئے گا بلکہ اس پر وبال بن جائے گا اور صدقہ خیرات کرنے والوں کا مال آخرت میں ان کے لیے ابدی نعمتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا، اور یہ بالکل ظاہر

ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، اور عامۃ مفسرین نے فرمایا ہے کہ سُود کا مٹانا اور صدقہ کا بڑھانا آخرت کے لیے تو ہے ہی، مگر اس کے کچھ آثار دنیا میں بھی مشاہدہ میں آجاتے ہیں۔

سُود جس مال میں شامل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو وہ مال خود ہلاک و برباد ہو جاتا ہے اور پچھلے مال کو بھی ساتھ لے جاتا ہے، جیسے کہ ربٰو اور سٹہ کے بازاروں میں اس کا ہمیشہ مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، کہ بڑے بڑے کروڑپتی اور سرمایہ دار دیکھتے دیکھتے دیوالیہ اور فقیر بن جاتے ہیں، بے سود کی تجارتوں میں بھی نفع و نقصان کے احتمالات رہتے ہیں اور بہت سے تاجروں کو نقصان بھی کسی تجارت میں ہو جاتا ہے، لیکن ایسا نقصان کہ کل کروڑپتی تھا اور آج ایک ایک پیسہ کی بھیک کا محتاج ہے، یہ صرف سود اور سٹہ کے بازاروں میں ہی ہوتا ہے' اور اہل تجربہ کے بے شمار بیانات اس بارے میں مشہور و معروف ہیں کہ سُود کا مال فوری طور پر کتنا ہی بڑھ جائے، لیکن وہ عموماً پائیدار اور باقی نہیں رہتا، جس کا فائدہ اولاد اور نسلوں میں چلے، اکثر کوئی نہ کوئی آفت پیش آکر اس کو برباد کر دیتی ہے، حضرت معمرؒ نے فرمایا کہ ہم نے بزرگوں سے سُنا ہے کہ سود خوار پر چالیس سال گزرنے نہیں پاتے کہ اس کے مال پر محاق آجاتا ہے۔

اور اگر ظاہری طور پر مال ضائع و برباد بھی نہ ہو تو اس کے فوائد اور برکات و ثمرات سے محرومی تو یقینی اور لازمی ہے، کیونکہ یہ بات کچھ مخفی نہیں کہ سونا چاندی خود تو نہ مقصود ہے نہ کارآمد، نہ اس سے کسی کی بھوک مٹ سکتی ہے، نہ پیاس نہ سردی، نہ گرمی سے بچنے کے لیے اوڑھا بچھایا جا سکتا ہے، نہ وہ کپڑوں اور برتنوں کا کام دے سکتا ہے، پھر اسکو حاصل کرنے

اور محفوظ رکھنے میں ہزاروں مشقتیں اُٹھانے کا منشاء ایک عقلمند انسان کے نزدیک اس کے سوا نہیں ہوسکتا کہ سونا چاندی ذریعہ ہیں ایسی چیزوں کے حاصل کرنے کا کہ جن سے انسان کی زندگی خوشگوار بن سکے، اور وہ راحت و عزّت کی زندگی گزار سکے، اور انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ یہ راحت و عزت جس طرح اسے حاصل ہوئی اس کی اولاد اور متعلقین کو بھی حاصل ہو۔

یہی وہ چیزیں ہیں جو مال و دولت کے فوائد و ثمرات کہلا سکتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جس شخص کو یہ ثمرات و فوائد حاصل ہوئے اس کا مال ایک حیثیت سے بڑھ گیا، اگرچہ دیکھنے میں کم نظر آئے، اور جس کو یہ فوائد و ثمرات کم حاصل ہوئے اس کا مال ایک حیثیت سے گھٹ گیا، اگرچہ دیکھنے میں زیادہ نظر آئے۔

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد سود کا کاروبار اور صدقہ و خیرات کے اعمال کا جائزہ لیجئے، تو یہ بات مشاہدہ میں آجائے گی کہ سود خوار کا مال اگرچہ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے مگر وہ بڑھنا ایسا ہے کہ جیسے کسی انسان کا بدن ورم وغیرہ سے بڑھ جائے، ورم کی زیادتی بھی تو بدن ہی کی زیادتی ہے مگر کوئی سمجھدار انسان اس زیادتی کو پسند نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ زیادتی موت کا پیغام ہے، اسی طرح سود خوار کا مال کتنا ہی بڑھ جائے، مگر مال کے فوائد و ثمرات یعنی راحت و عزت سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ آج تو سود خواروں کو بڑی سے بڑی راحت ہے، وہ کوٹھیوں، بنگلوں کے مالک ہیں، عیش و آرام کے سارے سامان مہیا ہیں، کھانے، پینے، پہننے اور رہنے سہنے کی ضروریات بلکہ فضولیات بھی سب اُن کو حاصل ہیں، نوکر چاکر اور شان و شوکت کے تمام سامان موجود

ہیں، لیکن غور کیا جائے، تو ہر شخص سمجھ لے گا کہ سامانِ راحت اور راحت میں بڑا فرق ہے، سامانِ راحت تو فیکٹریوں اور کارخانوں میں بنتا اور بازاروں میں بکتا ہے، وہ سونے چاندی کے عوض حاصل ہو سکتا ہے، لیکن جس کا نام راحت ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے، نہ کسی منڈی میں بکتی ہے، وہ ایک ایسی رحمت ہے جو براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے، وہ بعض اوقات ہزاروں سامان کے باوجود حاصل نہیں ہو سکتی، ایک نیند کی راحت کو دیکھ لیجئے کہ اس کے حاصل کرنے کے لیے یہ تو کر سکتے ہیں کہ سونے کے لیے مکان کو بہتر سے بہتر بنائیں، اور روشنی کا پورا اعتدال ہو، مکان کا فرنیچر دیدہ زیب دل خوش کن ہو، چارپائی اور گدے اور تکئے حسبِ منشا ہوں، لیکن کیا نیند کا آجانا ان ساما نوں کے مہیا ہونے پر لازمی ہے؟ اگر آپ کو کبھی اتفاق نہ ہوا ہو تو ہزاروں وہ انسان اس کا جواب نفی میں دیں گے۔ جن کو کسی عارضہ سے نیند نہیں آتی، اب امریکہ جیسے مالدار متمدن ملک کے متعلق بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ وہاں پچھتر فیصد آدمی خواب آور گولیوں کے بغیر سو ہی نہیں سکتے، اور بعض اوقات خواب دوائیں بھی جواب دے دیتی ہیں۔ نیند کے سامان تو آپ بازار سے خرید لائے۔ مگر نیند آپ کسی بازار سے کسی قیمت پر نہیں لا سکتے، اسی طرح دوسری راحتوں اور لذتوں کا حال ہے کہ ان کے سامان تو روپیہ پیسے کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں مگر راحت و لذت کا حاصل ہونا ضروری نہیں۔

یہ بات سمجھ لینے کے بعد سود خواروں کے حالات کا جائزہ لیجئے تو ان کے پاس آپ کو سب کچھ ملے گا مگر راحت کا نام نہ پائیں گے، وہ اپنے کروڑ کو ڈیڑھ کروڑ اور ڈیڑھ کروڑ کو دو کروڑ بنانے میں ایسے مست

نظر آئیں گے، کہ نہ ان کو اپنے کھانے پہننے کا ہوش ہے، نہ اپنی بیوی بچوں کا کچھ کسی مل چل رہے ہیں، دوسرے ملکوں سے جہاز آرہے ہیں، انہی ادھیڑبن ہی میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح ہوجاتی ہے، افسوس ہے کہ ان دیوانوں نے سامانِ راحت ہی کا نام راحت سمجھ لیا ہے، اور حقیقت میں راحت سے کوسوں دُور ہیں۔

یہ حال تو ان کی راحت کا ہے، اب عزّت کو دیکھ لیجئے، یہ لوگ چونکہ سخت دل اور بے رحم ہوجاتے ہیں، اُن کا پیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ مفلسوں کی مُفلسی سے یا کم مایہ لوگوں کی کم مائگی سے فائدہ اُٹھائیں، اُن کا خون چوس کر اپنے بدن کو پالیں، اس لیے ممکن نہیں کہ لوگوں کے دِلوں میں اُن کی کوئی عزت ووقار ہو، اپنے ملک کے بنیوں اور شام کے یہودیوں کی تاریخ پڑھ جائیے، اُن کے حالات کو دیکھ لیجئے، ان کی تجوریاں کتنے ہی سونے چاندی اور جواہرات سے بھری ہوں، لیکن دنیا کے کسی گوشہ میں انسانوں کے کسی طبقہ میں اُن کی کوئی عزت نہیں، بلکہ ان کے اس عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب مُفلس لوگوں کے دِلوں میں اُن کی طرف سے بغض و نفرت پیدا ہوتی ہے، اور آج کل تو دُنیا کی ساری جنگیں اسی بغض و نفرت کی مظاہر ہیں۔ محنت وسرمایہ کی جنگ نے ہی دنیا میں اشتراکیت اور اشتمالیت کے نظریئے پیدا کیے، کمیونزم کی تخریبی سرگرمیاں اسی بغض و نفرت کا نتیجہ ہیں، جن سے پوری دنیا قتل و قتال اور جنگ وجدال کا جہنم بن کر رہ گئی ہے۔ یہ حال تو اپنی راحت و عزّت کا ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ سود کا مال سود خوار کی آنے والی نسلوں کی زندگی کو بھی کبھی خوشگوار نہیں بناتا یاضائع ہوجاتا ہے، یا اس کی نحوست سے وہ بھی مال و دولت کے حقیقی

ثمرات سے محروم و ذلیل رہتے ہیں، لوگ یورپ کے سود خواروں کی مثال سے شاید فریب میں آئیں کہ وہ لوگ تو سب کے سب خوش حال ہیں اور اُن کی نسلیں بھی پُھولتی پھلتی ہیں، لیکن اوّل تو ان کی خوش حالی کا اجمالی خاکہ عرض کر چُکا ہوں۔

دوسرے ان کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی مردم خور دوسرے انسانوں کا خُون چُوس کر اپنا بدن پالتا ہو اور ایسے کچھ انسانوں کا جتّھہ ایک محلّہ میں آباد ہو جائے، آپ کسی کو اس محلہ میں لے جاکر مشاہدہ کرائیں کہ یہ سب کے سب بڑے صحت مند اور سرسبز و شاداب ہیں، لیکن ایک عقلمند آدمی کو انسانیت کی فلاح کا خواہشمند ہے صرف اس محلہ کو دیکھنا نہیں، بلکہ اس کے مقابل ان بستیوں کو بھی دیکھنا ہے جن کا خون چُوس کر ان کو ادھ موا کر دیا گیا ہے، اس محلّہ اور ان بستیوں کے مجمُوعہ پر نظر ڈالنے والا کبھی اس محلہ کے فربہ ہونے پر خوش نہیں ہو سکتا، اور مجموعی حیثیت سے ان کے عمل کو انسانی ترقی کا ذریعہ نہیں بتا سکتا، بلکہ اس کو انسان کی ہلاکت و بربادی ہی کہنے پر مجبور ہو گا۔

اس کے بالمقابل صدقہ خیرات کرنے والوں کو دیکھئے کہ ان کو کبھی اس طرح مال کے پیچھے حیران و سرگرداں نہ پائیں گے، ان کو راحت کے سامان اگرچہ کم حاصل ہوں، مگر سامان والوں سے زیادہ اطمینان اور سکونِ قلب جو اصلی راحت ہے ان کو حاصل ہو گی، دنیا میں ہر انسان ان کو عزت کی نظر سے دیکھے گا۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ

خلاصۂ تفسیر

یہ ہے کہ اس آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سُود کو مٹاتا اور

صدقہ کو بڑھاتا ہے، یہ مضمون آخرت کے اعتبار سے تو بالکل صاف ہے ہی دُنیا کے اعتبار سے بھی اگر ذرا حقیقت سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بالکل کھلا ہوا ہے، یہی ہے مطلب اس حدیث کا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الربو و ان کثر فان عاقبتہ تصیر الی قل، "یعنی سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر انجام کار نتیجہ اس کا قلت ہے"۔

یہ روایت مسند احمد اور ابن ماجہ میں مذکور ہے۔

آیت کے آخر میں ارشاد ہے: وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ یعنی اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے، کسی کفر والے کو کسی گناہ کا کام کرنے والے کو، اس میں اشارہ فرمادیا ہے کہ جو لوگ سود کو حرام ہی نہ سمجھیں وہ کفر میں مبتلا ہیں، اور جو حرام سمجھنے کے باوجود عملاً اس میں مبتلا ہیں وہ گنہگار فاسق ہیں۔

تیسری آیت میں مؤمنین صالحین جو نماز و زکوٰۃ کے پابند ہیں ان کے اجر عظیم اور آخرت کی راحت کا ذکر ہے، چونکہ اس سے پہلی آیت میں سود خواروں کے لیے عذاب جہنم اور اُن کی ذلت و خواری کا ذکر آیا تھا، قرآن کریم کے عام اسلوب کے مطابق اس کے ساتھ ہی ایمان و عمل صالح کے پابند نماز و زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے ثواب اور درجات آخرت کا ذکر کر دیا گیا۔

چوتھی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ کا خلاصہ یہ ہے کہ سود و ربا کی حرمت نازل ہونے کے بعد جو سود کی بقایا رقمیں کسی کے ذمہ باقی تھیں ان کا لینا دینا بھی حرام کر دیا گیا۔

تشریح

تشریح اس کی یہ ہے کہ سود کی حرمت نازل ہونے سے پہلے عام عرب میں سود کا رواج پھیلا ہوا تھا، آیات متذکرہ سے پہلی آیتوں میں اس کی ممانعت آئی تو حسب عادت تمام مسلمانوں نے سود کے معاملات ترک کردئیے لیکن کچھ لوگوں کے مطالبات سود کی بقایا رقموں کے دوسرے لوگوں پہ تھے، اسی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ بنی ثقیف اور بنی مخزوم کے آپس میں سودی معاملات کا سلسلہ تھا، اور بنو ثقیف کے لوگوں کا کچھ سودی مطالبہ بنی مخزوم کی طرف تھا، بنو مخزوم مسلمان ہو گئے تو اسلام لانے کے بعد انہوں نے سود کی رقم ادا کرنا جائز نہ سمجھا، ادھر بنو ثقیف کے لوگوں نے مطالبہ شروع کیا، کیونکہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے، مگر مسلمانوں سے مطمالحت کرلی تھی، بنو مخزوم کے لوگوں نے کہا کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہم ان پر اسلامی کمائی کو سود کی ادائیگی میں خرچ نہیں کریں گے۔

یہ جھگڑا مکہ مکرمہ میں پیش آیا، اس وقت مکہ فتح ہو چکا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ کے امیر حضرت معاذؓ اور دوسری روایت میں عتاب بن اسیدؓ تھے، انہوں نے اس جھگڑے کا قضیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بغرض دریافت حکم لکھ بھیجا، اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد سود کے تمام سابقہ معاملات ختم کر دئیے جائیں، پچھلا سود بھی وصول نہ کیا جائے، صرف راس المال وصول کیا جائے۔

یہ اسلامی قانون رائج کیا گیا تو مسلمان تو اس کے پابند تھے ہی، جو غیر مسلم

قبائل بطور صلح و معاہدہ اسلامی قانون کو قبول کر چکے تھے وہ بھی اس کے پابند ہو چکے تھے، لیکن اس کے باوجود جب حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قانون کا اعلان کیا تو اس کا اظہار فرمایا کہ یہ قانون کسی خاص شخص یا قوم یا مسلمانوں کے مالی مفاد کے پیش نظر نہیں، بلکہ پوری انسانیت کی تعمیر اور صلاح و فلاح کے لیے جاری کیا گیا ہے، اسی لیے ہم سب سے پہلے مسلمانوں کی بہت بڑی رقم سود جو غیر مسلموں کے ذمہ تھی اس کو چھوڑتے ہیں تو آپ کو بھی اپنے بقایا سود کی رقم چھوڑنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے چنانچہ اس خطبہ میں ارشاد فرمایا:

الا ان کل ربا کان فی الجاهلية موضوع عنکم کله لکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون واول ربا موضوع ربا العباس ابن عبد المطلب کله (ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)۔

"یعنی زمانہ جاہلیت میں جو سودی معاملات کئے گئے سب کا سود چھوڑ دیا گیا، اب ہر شخص کو اصل رقم ملے گی۔ سود کی زائد رقم نہ ملے گی، نہ تم زیادتی وصول کر کے کسی پر ظلم کر سکو گے اور نہ کوئی اصل راس المال میں کمی کر کے تم پر ظلم کر سکے گا، اور سب سے پہلے جو سود چھوڑا تھا وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے جس کی بہت بھاری رقمیں غیر مسلموں کے ذمہ بطور سود کے عائد ہوتی تھیں"۔

قرآن مجید کی آیت متذکرہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ اور بقایا سود چھوڑنے کا حکم مذکور ہے۔

اس آیت کو شروع اس طرح کیا گیا کہ مسلمانوں کو خطاب کر کے اول اتقوا اللہ کا حکم سُنایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس کے بعد اصل مسئلہ کا حکم بتلایا گیا، یہ قرآن حکیم کا وہ خاص طرز ہے جس میں وہ دُنیا بھر کے قانون کی کتابوں سے ممتاز ہے، کہ جب کوئی ایسا قانون بنایا جاتا ہے جس پر عمل کرنے میں لوگوں کو کچھ دُشواری معلوم ہو تو اس کے آگے پیچھے خدا تعالیٰ کے سامنے پیشی اعمال کے حساب اور آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر کر کے مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں کو اس پر عمل کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے، اس کے بعد حکم سُنایا جاتا ہے، یہاں بھی پچھلے عائد شدہ سود کی رقم چھوڑ دینا انسانی طبیعت پر بار ہو سکتا تھا، اس لیے پہلے اِتَّقُوا اللّٰہَ فرمایا، اس کے بعد حکم دیا ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا، یعنی چھوڑ دو بقایا سود کو، آیت کے آخر میں فرمایا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ، یعنی اگر تم ایمان لائے ہو، اس میں اشارہ کر دیا کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ حکم خداوندی کی اطاعت کی جائے، اس کی خلاف ورزی ایمان کے منافی ہے، یہ حکم چونکہ طبائع پر بھاری تھا، اس لیے حکم سے پہلے اِتَّقُوا اللّٰہَ اور حکم کے بعد اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کے ارشادات ملا دیئے گئے۔

اس کے بعد پانچویں آیت میں اس حکم کی مخالفت کرنے والوں کو سخت وعید سُنائی گئی جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر تم نے سُود کو نہ چھوڑا، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ سُن لو، یہ وعید شدید ایسی ہے کہ کفر کے سوا اور کسی بڑے سے بڑے گناہ پر قرآن میں ایسی وعید نہیں آئی کہ اس آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ

وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ، یعنی اگر تم توبہ کر لو اور آئندہ کے لیے سود کی بقایا رقم چھوڑنے کا عزم کر لو تو تمہیں تمہارے اصل رأس المال مل جائیں گے ، نہ تم اصل رأس المال سے زائد حاصل کر کے کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی اصل راس المال میں کمی یا دیر کر کے تم پر ظلم کرنے پائے گا ، اس میں اصل راس المال دینے کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ تم توبہ کر لو اور آئندہ کو سود چھوڑنے کا عزم کر لو ، تب اصل رأس المال ملے گا ۔

اس سے بظاہر اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اگر سُود چھوڑنے کا عزم کر کے توبہ نہ کی تو اصل رأس المال بھی نہ ملے گا ، سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر مسلمان ہو جانے کے باوجود سُود کو حرام ہی نہ سمجھے ، اس لیے سود چھوڑنے کے لیے توبہ نہیں کرتا تب تو یہ شخص اسلام سے خارج اور مُرتد ہو گیا ، جس کا حکم یہ ہے کہ مرتد کا مال اس کی مِلک سے نکل جاتا ہے ، پھر جو زمانۂ سلام کی کمائی ہے وہ اس کے مُسلمان وارثوں کو مل جاتی ہے ، اور جو کفر کے بعد کی کمائی ہے تو وہ بیت المال میں جمع کر دی جاتی ہے ، اس لیے سُود سے توبہ نہ کرنا اگر حلال سمجھنے کی بنا پر ہو تو اس کو اصل راس المال بھی نہ ملے گا اور اگر حلال تو نہیں سمجھتا مگر عملاً باز نہیں آتا اور اس کے ساتھ جتھہ بنا کر حکومت اسلامیہ کا مقابلہ کرتا ہے تو وہ باغی ہے ، اس کا بھی سب مال ضبط کر کے بیت المال میں امانت رکھا جاتا ہے ، کہ جب یہ توبہ کر لے تب اس کا مال اس کو واپس دیدیا جائے ، شاید اس قسم کی جزئیات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بصورتِ شرط فرمایا گیا ، فَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ ، یعنی اگر تم توبہ نہ کرو گے تو تمہارے راس المال بھی ضبط ہو جائیں گے ۔

اس کے بعد چھٹی آیت میں سود خواری کی انسانیت سوز حرکت کے بالمقابل پاکیزہ اخلاق اور غریبوں اور ناداروں کے ساتھ مساہلت کے سلوک کی تعلیم دی جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ، یعنی اگر تمہارا مدیون تنگدست ہو، تمہارا قرض ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس کو فراخی اور آسودگی کے وقت تک مہلت دی جائے، اور اگر تم اس کو اپنا قرض معاف ہی کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

سود خواروں کی عادت تو یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی مدیون مفلس ہے اور میعاد مقررہ پر وہ قرض ادا نہیں کر سکتا تو سود کی رقم اصل میں جمع کر کے سود در سود کا سلسلہ چلاتے ہیں، اور سود کی مقدار بھی اور بڑھا دیتے ہیں۔

یہاں احکم الحاکمین نے یہ قانون بنا دیا کہ اگر کوئی مدیون واقعی مفلس ہے، ادائے قرض پر قادر نہیں تو اس کو تنگ کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کو اس وقت تک مہلت دینی چاہیئے جب تک کہ وہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو جائے، ساتھ ہی اس کی ترغیب بھی دے دی کہ اس غریب کو اپنا قرض معاف کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

یہاں معاف کرنے کو قرآن نے بلفظ صدقہ تعبیر فرمایا ہے، جس میں اشارہ ہے کہ یہ معافی تمہارے لیے بحکم صدقہ ہو کر موجب ثواب عظیم ہو گی، نیز یہ جو فرمایا کہ معاف کر دینا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، حالانکہ بظاہر تو ان کے لیے نقصان کا سبب ہے کہ سود تو چھوڑا ہی تھا اصل راس المال بھی گیا، مگر قرآن نے اس کو بہتر فرمایا: اس کی دو وجہ ہیں، اوّل تو یہ کہ یہ بہتری اس دنیا کی چند روزہ زندگی کے بعد مشاہدہ میں آجائے گی، جب کہ اس حقیر

مال کے بدلہ میں جنّت کی دائمی نعمتیں اس کو ملیں گی۔

دوسرے شاید اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو کہ دنیا میں بھی تمہیں اس عمل کی بہتری کا مشاہدہ ہو جائے گا، کہ تمہارے مال میں برکت ہوگی، برکت کی حقیقت یہ ہے کہ تھوڑے مال میں کام بہت نکل جائیں، یہ ضروری نہیں کہ مال کی مقدار یا تعداد بڑھ جاتے، سو یہ مشاہدہ ہے کہ صدقہ خیرات کرنے والوں کے مال میں بے شمار برکت ہوتی ہے، ان کے تھوڑے مال سے اتنے کام نکل جاتے ہیں کہ حرام مال والوں کے بڑے بڑے اموال سے وہ کام نہیں نکلتے۔

اور جس مال میں بے برکتی ہوتی ہے اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لیے خرچ کرتا ہے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، یا غیر مقصود چیزوں میں مثلاً دوا، علاج اور ڈاکٹروں کی فیسوں میں ایسے مالداروں کی بڑی بڑی رقمیں خرچ ہو جاتی ہیں، جس کا غریبوں کو کبھی سابقہ نہیں پڑتا، اوّل تو اللہ تعالیٰ ان کو تندرستی کی نعمت عطا فرماتے ہیں، کہ علاج میں کچھ خرچ کرنیکی ضرورت ہی نہ رہے، اور اگر کبھی بیماری آئی بھی تو معمولی اخراجات سے تندرستی حاصل ہو جاتی ہے، اس لحاظ سے مدیون مفلس کو قرض معاف کر دینا جو بظاہر اس کے لیے نقصان دہ نظر آتا تھا، اس قرآنی تعلیم کے پیشِ نظر وہ ایک مفید و نافع کام بن گیا۔

مدیون مفلس کے ساتھ نرمی و مساہلت کی تعلیم کے لیے احادیثِ صحیحہ میں جو ارشادات وارد ہوئے ہیں، ان کے چند جملے سنئے، طبرانی کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے سر پہ اس روز اللہ کی رحمت کا سایہ ہو جبکہ اس کے سوا کسی کو کوئی سایہ سر چھپانے کے لیے نہ ملے گا

تو اس کو چاہیئے کہ تنگدست مقروض کے ساتھ نرمی اور مساہلت کا معاملہ کرے یا اس کو معاف کر دے۔

اسی مضمون کی حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے، اور مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مفلس مدیون کو مہلت دے گا تو اس کو ہر روز اتنی رقم کے صدقہ کا ثواب ملے گا، جتنی اس مدیون کے ذمہ واجب ہے، اور یہ حساب میعادِ قرض پورا ہونے سے پہلے مہلت دینے کا ہے اور جب میعاد قرض پوری ہو جائے اور وہ شخص ادا کرنے پر قادر نہ ہو اس وقت اگر کوئی مہلت دے گا تو اس کو ہر روز اس کی دُگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔

ایک حدیث میں کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کی دُعا قبول ہو یا اس کی مصیبت دُور ہو تو اس کو چاہیئے کہ تنگدست مدیون کو مہلت دیدے۔

اس کے بعد آخری آیت میں پھر روزِ قیامت کا خوف اور محشر کے حساب کتاب اور ثواب و عذاب کے ذکر پر احکامِ سود کی آیات کو ختم کیا، ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ یعنی ڈرو اس روز سے جس میں تم سب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی میں لائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اپنے اپنے عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے آخری آیت ہے، اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، اس کے اکتیس روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی،

اور بعض روایات میں صرف نو دن بعد وفات ہونا مذکور ہے۔

یہاں تک ربا کے احکام سے متعلقہ سورۂ بقرہ کی آیات کی تفسیر آئی ہے، ربا کی حرمت و ممانعت پر قرآن کریم میں سورۂ بقرہ میں مذکورہ سات آیتیں اور سورۂ آلِ عمران میں ایک آیت، سورۃ نساء میں دو آیتیں آئی ہیں، اور ایک آیت سورۂ روم میں بھی ہے، جس کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے اس کو بھی سود بیاج کے مفہوم پر محمول کیا ہے، بعض نے دوسری تفسیر بیان کی ہے، اس طرح قرآن حکیم کی دس آیتیں ہیں، جن میں سود و ربا کے احکام مذکور ہیں۔

سود کی پوری حقیقت بتلانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن باقی آیات کا ترجمہ اور تفسیر بھی اسی جگہ لکھ دی جائے جو سورۂ آلِ عمران اور سورۂ نساء اور سورۂ روم میں آتی ہے، تاکہ تمام آیات یک جا ہو کر ربا کی حقیقت سمجھنے میں آسانی ہو۔

آلِ عمران کی تیرہویں رکوع کی ایک سو تیسویں آیت یہ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	"یعنی اے ایمان والو سود
لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا	مت کھاؤ حصے سے زائد اور
مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اُمید ہے
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝	کہ تم کامیاب ہو۔"

اس آیت کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے کہ جاہلیت عرب میں سود خواری کا عام طور پر یہ طریق تھا کہ ایک خاص میعاد معین کے لیے اُدھار سود پر دیا جاتا تھا، اور جب وہ میعاد آگئی اور قرضدار اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہوا تو اس کو مزید مہلت اس شرط پر دی جاتی تھی کہ سود کی مقدار بڑھا دی جائے،

اسی طرح دوسری میعاد پر بھی ادائیگی نہ ہوئی تو سُود کی مقدار اور بڑھا دی، یہ واقعہ عام کتب تفسیر ہیں بالخصوص لباب النقول میں بروایت مجاہدؒ مذکور ہے۔

جاہلیت عرب کی اس ملّت کُش رسم کو مٹانے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی اسی لیے اس آیت میں اَضْعَافًا مُّضَاعَفَۃً (یعنی کئی حصّے زائد) فرماکر ان کے مروّجہ طریقہ کی مذمّت اور ملّت کُشی و خود غرضی پر تنبیہ فرماکر اس کو حرام قرار دیا، اس کے معنی یہ نہیں کہ اضعاف و مضاعف نہ ہو تو حرام نہیں، کیونکہ سورۂ بقرہ اور نساء میں مطلقاً ربا کی حرمت صاف صاف مذکور ہے، اضعاف و مضاعف ہو یا نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن کریم میں جا بجا فرمایا گیا ہے لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا "یعنی میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی سی قیمت مت لو"۔ اس میں تھوڑی سی قیمت اس لیے فرمایا کہ آیات الٰہیہ کے بدلہ میں اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی لے لے تو وہ تھوڑی ہی قیمت ہوگی، اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کی آیات کے بدلے میں تھوڑی قیمت لینا تو حرام ہے اور زیادہ لینا جائز، اسی طرح اس آیت میں اَضْعَافًا مُّضَاعَفَۃً کا لفظ ان کے شرمناک طریقہ پر نکیر کرنے کے لیے لایا گیا، حُرمت کی شرط نہیں۔

اور اگر سود کے مروّجہ طریقوں پر غور کیا جائے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب سود خوری کی عادت پڑ جائے تو پھر وہ سود تنہا سود ہی نہیں رہتا، بلکہ لازماً اضعاف و مضاعف ہو جاتا ہے کیونکہ جو رقم سُود سے حاصل ہو کر سود خور کے مال میں شامل ہوئی تو اب اس سود کی زائد رقم کو بھی سود پر چلائے گا تو سود مضاعف ہو جائے گا، اور یہی سلسلہ آگے چلا تو اَضْعَافًا مُّضَاعَفَۃً ہو جائے گا، اس طرح ہر سود اضعاف مضاعفہ بن کر رہے گا،

اور سورۂ نساء میں دو آیتیں سود کے متعلق یہ ہیں :

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

"یعنی یہود کے انہی بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو اُن کے لیے حلال تھیں اُن پر حرام کر دیں، اور بسبب اس کے کہ وہ بہت آدمیوں کو رشد کی راہ سے مانع بن جاتے تھے اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے، حالانکہ اُنکو ان سے ممانعت کی گئی تھی، اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھا جاتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کے لیے جو اُن میں کافر ہیں دردناک سزا کا سامان مقرر کر رکھا ہے۔"

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ شریعتِ موسویہ میں بھی سود حرام تھا اور یہود نے جب اس کی مخالفت کی تو دُنیا میں بھی اُن کو یہ مناسب سزا دی گئی کہ انہوں نے حرصِ دنیا کی خاطر حرام کھانا شروع کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر بعض حلال چیزیں بھی حرام فرما دیں۔

اور سُورۂ روم کے چوتھے رکوع کی اُنتالیسویں آیت میں ہے :

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ	"یعنی جو چیز تم اس لیے دو گے
رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِىْٓ اَمْوَالِ	کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر
النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ	زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے
اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ	نزدیک نہیں بڑھتا، اور جو زکوٰۃ
زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ	دو گے جس سے اللہ کی رضا مطلوب
اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	ہو تو ایسے لوگ خدا کے پاس
الْمُضْعِفُوْنَ ۝	بڑھاتے رہیں گے"۔

بعض حضرات مفسرین نے لفظ ربا اور زیادتی پر نظر کر کے اس آیت کو بھی سود بیاج پر محمول فرمایا ہے، اور یہ تفسیر فرمائی ہے کہ سود بیاج کے لینے میں اگرچہ بظاہر مال کی زیادتی نظر آتی ہے، مگر درحقیقت وہ زیادتی نہیں، جیسے کسی شخص کے بدن پر ورم ہو جائے تو بظاہر وہ اس کے جسم میں زیادتی ہے، لیکن کوئی عقلمند اس کو زیادتی سمجھ کر خوش نہیں ہوتا، بلکہ اس کو ہلاکت کا مقدمہ سمجھتا ہے، اس کے بالمقابل زکوٰۃ و صدقات دینے میں اگرچہ بظاہر مال میں کمی آتی ہے، مگر درحقیقت وہ کمی نہیں بلکہ ہزاروں زیادتیوں کا موجب ہے جیسے کوئی شخص مادہ فاسد کے اخراج کے لیے مسہل لیتا ہے، یا فصد کھلوا کر خون نکلواتا ہے، تو بظاہر وہ کمزور نظر آتا ہے اور اس کے بدن میں کمی محسوس ہوتی ہے، مگر جاننے والوں کی نظر میں یہ کمی اس کی زیادتی اور قوت کا پیش خیمہ ہے۔

اور بعض علماء تفسیر نے اس آیت کو سود بیاج کی ممانعت پر محمول نہیں فرمایا بلکہ اس کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ جو شخص کسی کو اپنا مال اخلاص و نیک نیتی سے نہیں، بلکہ اس نیت سے دے کہ میں اس کو یہ چیز دوں گا

تو وہ مجھے اس کے بدلہ میں اس سے زیادہ دے گا، جیسے بہت سی برادریوں میں نوتہ کی رسم ہے کہ وہ ہدیہ کے طور پر نہیں بلکہ بدلہ لینے کی غرض سے دی جاتی ہے، یہ دنیا چونکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنی غرض کے لیے ہے اس لیے آیت میں فرمایا کہ اس طرح اگرچہ ظاہر میں مال بڑھ جائے مگر وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، ہاں جو زکوٰۃ صدقات اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دیئے جائیں ان میں اگرچہ بظاہر مال گھٹتا ہے، مگر اللہ کے نزدیک وہ دوگنا اور چوگنا ہوتا جاتا ہے۔

اس تفسیر پر آیت مذکورہ کا وہ مضمون ہو جائے گا جو دوسری ایک آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے، وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ یعنی آپ کسی پر احسان اس نیت سے نہ کریں کہ اس کے بدلہ میں کچھ مال کی زیادتی آپ کو حاصل ہو جائے گی۔

اور سورۂ روم کی اس آیت میں بظاہر یہ دوسری تفسیر ہی راجح معلوم ہوتی ہے، اوّل تو اس لیے کہ سورۂ روم مکّی ہے، جس کے لیے اگرچہ ضروری نہیں کہ اس کی ہر آیت مکّی ہو، مگر غالب گمان مکّی ہونے کا ضرور ہے جب تک اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ ملے، اور آیت کے مکّی ہونے کی صورت میں اس کو حرمتِ سود کے مفہوم پر اس لیے محمول نہیں کیا جا سکتا کہ حرمتِ سود مدینہ میں نازل ہوئی ہے، اس کے علاوہ اس آیت سے پہلے جو مضمون آیا ہے اس سے بھی دوسری تفسیر ہی کا رجحان معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ؕ "قرابت دار

کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی، یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں"۔

اس آیت میں رشتہ داروں اور مساکین اور مسافروں پہ خرچ کرنے کے ثواب ہونے کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ اس میں نیت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی ہو، تو اس کے بعد والی آیتِ مذکورہ میں اس کی توضیح ..... اس طرح کی گئی کہ اگر مال کسی کو اس غرض سے دیا جائے کہ اس کا بدلہ اس کی طرف سے زیادہ ملے گا تو یہ رضا جوئی حق تعالیٰ کے لیے خرچ نہ ہوا، اس لیے اس کا ثواب نہ ملے گا۔

بہرحال ممانعتِ سود کے مسئلہ میں اس آیت کو چھوڑ کر بھی مذکورۃ الصدر بہت سی آیتیں آئی ہیں، جن میں سے سورۂ آل عمران کی ایک آیت میں اضعاف و مضاعف سود کی حرمت بیان کی گئی ہے، اور باقی سب آیتوں میں مطلق سود کی حرمت کا بیان ہے، اس تفصیل سے یہ تو واضح ہو گیا کہ سود خواہ اضعاف و مضاعف اور سود در سود ہو یا اکہرا سود، بہرحال حرام ہے اور حرام بھی ایسا شدید کہ اس کی مخالفت کرنے پہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ سنایا گیا ہے۔

معارف و مسائل

سود و ربا کی اسلامی تعریف اور اس کے حرام ہونیکی حکمت اور موجودہ زمانہ میں اس سے نجات کی صورت

اس کے بیان سے پہلے ایک بات پر مکرر تنبیہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں، کہ آج کل ربا چونکہ عام نظام تجارت کا رکن اعظم اور عمود بن گیا ہے، اس لیے جب ..... کتاب وسنت کی آیات و روایات میں اس کی حرمت و ممانعت سامنے آتی ہے تو عام طبائع اس کی حقیقت کو سمجھنے سمجھانے کے وقت اس کی حرمت سے ہچکچاتی ہیں، اور حیلہ جوئی کی طرف مائل ہوتی ہیں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ بحث کا تجزیہ کر کے اس کے ہر پہلو پر علیحدہ علیحدہ سچائی کے ساتھ غور و فکر کرنا چاہیئے، خلط ملط کرنے کا نتیجہ بحث کے الجھنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا، یہاں بحث کے تین حصے ہیں:

اوّل یہ کہ قرآن وسنت میں ربا کی کیا حقیقت ہے اور وہ کن کن صورتوں پر حاوی ہے۔

دوسرے یہ کہ اس ربا کی حرمت و ممانعت کس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

تیسرے یہ کہ سود و ربا کتنی ہی بُری سہی، لیکن آج کل کی دنیا میں وہ نظام معاشیات وتجارت کا رکن اعظم بن چکا ہے، اگر قرآنی احکام کے ماتحت اس کو چھوڑ دیا جائے تو نظام بنک وتجارت کیسے چلے گا۔

اب سنئیے کہ لفظ ربا۔ عربی زبان کا ... لفظ ہے، رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کی بعثت اور نزولِ قرآن سے قبل جاہلیتِ عرب میں بھی یہ لفظ متعارف تھا، اور نہ صرف متعارف بلکہ ربا کا لین دین عام طور پر جاری تھا، بلکہ سورۂ نساء کی آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ربا کا لفظ اور اس کے معاملات زمانہ تورات میں بھی معروف تھے، اور تورات میں بھی اس کو حرام قرار دیا گیا تھا۔

ظاہر ہے کہ ایسا لفظ جو زمانۂ قدیم سے عرب اور اس کے قرب وجوار میں معروف چلا آتا ہے اور اس پر لین دین کا رواج چل رہا ہے، اور قرآن اس کی حُرمت و ممانعت بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی خبر دیتا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام کی امت پر بھی سود و ربا حرام قرار دیا گیا تھا، اس لفظ کی حقیقت کوئی ایسی مبہم چیز نہیں ہو سکتی جس کے سمجھنے سمجھانے میں دُشواریاں پیش آئیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب ۸ھ ہجری میں سورۂ بقرہ کی آیات ربا کی حُرمت کے متعلق نازل ہوئی تو صحابۂ کرام سے کہیں منقول نہیں کہ ان کو لفظ ربا کی حقیقت سمجھنے میں کوئی اشتباہ پیش آیا ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے معاملات کی طرح اس کی تحقیق کی نوبت آئی ہو، بلکہ جس طرح شراب کی حرمت نازل ہوتے ہی صحابۂ کرام نے اس پر عمل کیا، اسی طرح ربا کی حرمت نازل ہوتی ہے، ربا کے سب معاملات ترک کر دیئے۔ پچھلے زمانہ کے معاملات میں مسلمانوں کا جو ربا غیر مسلموں کے ذمہ واجب الاداء تھا اور مسلمان نزولِ ممانعت کے بعد اس کو دینا نہیں چاہتے تھے اس کا جھگڑا امیر مکہ کی عدالت میں پیش ہوا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، تو اس کا فیصلہ سورۂ بقرہ کی آیات میں آسمان سے نازل ہوا کہ پچھلے زمانہ کے بقایا ربا کا لین دین بھی اب جائز نہیں۔

اور اس میں چونکہ غیر مسلموں کو یہ شکایت کا موقع مل سکتا تھا کہ ایک اسلامی حکم شرعی کی وجہ سے ہمارا روپیہ کیوں مارا جائے، تو اس کے ازالہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ واضح کر دیا کہ اس حکم شرعی کا اثر صرف غیر مسلموں پر نہیں، بلکہ مسلمانوں پر بھی یکساں ہے اور سب سے پہلے جو سود کی رقم چھوڑی گئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضؓ کی کثیر التعداد رقم تھی۔

الغرض رباء کی ممانعت ہونے کے وقت رباء کا مفہوم کچھ مخفی نہ تھا، عام طور پر معروف تھا وہی رباء جس کو عرب رباء کہتے تھے اور اسکا لین دین کرتے تھے، قرآن نے حرام کیا، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صرف اخلاقی انداز میں نہیں، بلکہ قانون ملک کی حیثیت سے نافذ فرمایا البتہ بعض ایسی صورتوں کو بھی آپ نے رباء شامل قرار دیا، جس کو عام طور پر رباء نہیں سمجھا جاتا تھا، انہیں صورتوں کی تعیین میں حضرت فاروق اعظم رضؓ کو اشکال پیش آیا، اور انہی میں ائمہ مجتہدین کے نظریات میں اختلاف ہوا ورنہ اصل رباء جس کو عرب رباء کہتے تھے نہ اس میں کسی کو اشتباہ کا موقع تھا نہ اس میں کسی کا اختلاف ہوا،

اب سنئے عرب کا مروجہ ربا کیا تھا؟ امام تفسیر ابن جریرؒ نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ جو رباء جاہلیت میں جاری تھا اور قرآن نے اسے منع کیا وہ یہ تھا کہ کسی کو ایک میعاد معین کے لیے قرض دے کر اس پر اصل راس المال سے زائد مقررہ زیادتی لیتے تھے، اور اگر میعادِ مقررہ پر وہ قرض ادا نہ کر سکا تو مزید میعاد اس شرط پر بڑھا دیتے تھے کہ سود میں اضافہ کیا جائے، یہی مضمون حضرت قتادہ اور دوسرے حضرات

ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے (تفسیر ابن جریر، ص ۶۲ ج ۳)

اندلس کے مشہور امام تفسیر ابوحیان غرناطی کی تفسیر بحر محیط میں بھی جاہلیت کے ربار کی یہی صورت لکھی ہے کہ اُدھار دے کر اس پر نفع لیتے اور جتنی مدّت ادھار کی بڑھ جائے اتنا ہی سود اس پر بڑھا دینے کا نام ربا تھا اسی جاہلیت عرب کے لوگ یہ کہتے تھے کہ جیسے بیع وشرار میں نفع لینا جائز ہے اسی طرح اپنا روپیہ ادھار پر دے کر نفع لینا بھی جائز ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم نے اس کو حرام قرار دیا اور بیع و ربار کے احکام کا مختلف ہونا واضح فرمایا:

یہی مضمون تمام مستند کتب تفسیر ابن کثیر، تفسیر کبیر اور روح المعانی وغیرہ میں معتبر روایات کے ساتھ منقول ہے۔

ابن عربیؒ نے احکام القرآن میں فرمایا: اَلرِّبٰوفِی اللُّغَۃِ الزِّیَادَۃُ وَالْمُرَادُ بِہٖ فِی الْاٰیَۃِ کُلُّ زِیَادَۃٍ لَا یُقَابِلُہَا عِوَضٌ (ص ۱۰۱ ج ۲) یعنی ربار کے معنی اصل لغت میں زیادتی کے ہیں اور آیت میں اس سے مراد وہ زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی مال نہ ہو، بلکہ محض ادھار اور اس کی میعاد ہو، امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ ربار کی ۲ دو قسمیں ہیں، ایک معاملات بیع وشراء کے اندر ربار دوسرے ادھار کا ربار، اور جاہلیت عرب میں دوسری قسم ہی رائج اور معروف تھی کہ وہ اپنا مال کسی کو معیّن میعاد کے لیے دیتے تھے۔ اور ہر مہینہ اس کا نفع لیتے تھے، اور اگر میعاد معیّن پر ادائیگی نہ کرسکا، تو میعاد اور بڑھا دی جاتی تھی، بشرطیکہ وہ سود کی رقم اور بڑھا دیتے، یہی جاہلیت کا ربا تھا جس کو قرآن نے حرام کیا،

امام جصّاصؒ نے احکام القرآن میں ربا کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں:

هُوَ الْقَرْضُ الْمَشْرُوْطُ فِيْهِ الْاَجَلُ وَ زِيَادَةُ مَالٍ عَلَى الْمُسْتَقْرِضِ۔ "یعنی وہ قرض ہے جس میں کسی میعاد کے لیے اس شرط پر قرض دیا جائے کہ قرضدار اس کو اصل مال سے زائد کچھ رقم ادا کرے گا۔"

حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کی تعریف یہ فرمائی ہے:

كل قرض جر نفعا فهو ربا۔ "یعنی جو قرض نفع حاصل کرے وہ ربا ہے۔"

یہ حدیث جامع صغیر میں ہے اور عزیزی نے اس کو حسن کہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اُدھار دے کر اس پر نفع لینے کا نام ربا ہے جو جاہلیت عرب کے زمانہ میں رائج اور معروف تھا، جس کو قرآن کریم کی آیت مذکورہ نے صراحۃً حرام قرار دیا، اور ان آیات کے نازل ہوتے ہی صحابہ کرام نے اس کو چھوڑ دیا، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قانونی خصومات میں اس کو نافذ فرمایا، اس میں نہ کوئی ابہام تھا نہ اجمال، نہ اس میں کسی کو کوئی اشتباہ و اشکال پیش آیا۔

البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کے مفہوم میں بیع و شرا کی چند صورتوں کو بھی داخل فرمایا جن کو عرب ربا نہ سمجھتے تھے، مثلاً چھ چیزوں کی بیع و شرا میں یہ حکم دیا کہ اگر ان کا تبادلہ کیا جائے تو برابر برابر ہونا چاہیے اور نقد دست بدست ہونا چاہیے، اس میں کمی بیشی کی گئی یا اُدھار کیا

گیا تو وہ بھی ربا ہے، یہ چھ چیزیں سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور انگور ہیں۔

اسی اصول کے ماتحت عرب میں معاملات کی جو چند صورتیں مزابنہ اور محاقلہ کے نام سے رائج تھیں۔ آیاتِ ربا نازل ہونے کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ربا میں شامل قرار دے کر منع فرمایا (ابن کثیر بحوالہ مستدرک حاکم ص ۳۲۷ ج ۱)

اس میں یہ بات قابلِ غور تھی کہ ان چھ چیزوں کی خصوصیت ہے، یا اُن کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ان کے حکم میں ہیں، اور اگر ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے، کس کس صورت کو داخلِ ربا سمجھا جائے، یہی اشکال حضرت فاروق اعظم رضؓ کو پیش آیا، جس کی بنا پر فرمایا:۔

ان اٰیۃ الرّبٰو من	"یعنی آیت ربا قرآن کی آخری
اٰخر ما نزل من القراٰن	آیتوں میں ہے اس کی پوری تفصیلات
وان النبی صلی اللہ	بیان فرمانے سے پہلے رسول کریم
علیہ وسلم قبض	صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو
قبل ان یبینہ لنا فدعوا	گئی، اس لیے اب احتیاط لازم
الربٰو والریبۃ،	ہے" ربا کو تو چھوڑنا ہی ہے
(احکام القرآن، جصاص، ص ۵۵۱،	جس صورت میں ربا کا شبہ بھی ہو،
وتفسیر ابن کثیر بحوالہ ابن ماجہ، ص ۳۲۸ ج ۱	اس کو بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔

ع مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کو ٹوٹے ہوئے پھلوں کے بدلے میں اندازہ سے فروخت کیا جائے اور محاقلہ یہ کہ کھڑے کھیت کے غلہ گندم، چنا وغیرہ کو خشک صاف کئے ہوئے غلہ گندم یا چنے سے اندازہ لگا کر فروخت کیا جائے، اندازہ میں چونکہ کمی بیشی کا امکان رہتا ہے اسلیے اس کو منع کیا گیا ۱۲ منہ۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مراد معاملات بیع و شراء کی وہ صورتیں اور انکی تفصیلات ہیں جو جاہلیت عرب میں ربا نہیں سمجھی جاتی تھیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ربا میں داخل قرار دے کر حرام فرمایا، باقی اصل ربا جو تمام عرب میں معروف و مشہور تھا اور صحابہؓ کرام نے اس کو چھوڑا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا قانون نافذ فرمایا، اور حجۃ الوداع کے خطبہ میں اس کا اعلان کیا، اس میں فاروق اعظمؓ کو کوئی اشکال یا اشتباہ ہونے کا کوئی امکان نہیں، پھر جب فاروق اعظمؓ کو ربا کی جن خاص صورتوں میں اشتباہ پیش آیا تو اس کا حل یہ تجویز فرمایا کہ جن صورتوں میں ربا کا شبہ بھی ہو ان کو بھی چھوڑ دیا جائے۔

مگر حیرت ہے کہ آج بعض وہ لوگ جو یورپ کی ظاہری ٹیپ اور دولت مندی اور موجودہ نظام تجارت وغیرہ میں سود کے رکن بن جانے سے مرغوب ہیں، انہوں نے فاروق اعظم کے اس ارشاد کا یہ نتیجہ نکالا کہ ربا کا مفہوم ہی مجمل رہ گیا تھا، اس لیے اس میں رائے کی گنجائش ہے جس کے غلط ہونے کا کافی مواد سامنے آچکا ہے، احکام القرآن ابن عربی نے ان لوگوں پر سخت انکار کیا ہے جنہوں نے اس فاروقی ارشاد کی بناء پر آیات ربا کو مجمل کہا تھا۔

ابن عربیؒ نے احکام القرآن میں فرمایا:

اَنَّ مَنْ زَعَمَ	"یعنی جس نے یہ کہا کہ یہ آیت
اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ	مجمل ہے، اس نے شریعت
مُجْمَلَةٌ فَلَمْ يَفْهَمْ	کی تصریحات کو نہیں سمجھا کیونکہ
مَقَاطِعَ الشَّرِيعَةِ	اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو

فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ اِلٰی قَوْمٍ ھُوَ مِنْھُمْ بلغتھم وَاَنْزَلَ عَلَیْہِ کِتَابَہٗ تَیْسِیْرًا مِّنْہُ بِلِسَانِہٖ وَلِسَانِھِمْ وَالرِّبَا فِی اللُّغَۃِ الزِّیَادَۃُ وَالْمُرَادُ بِہٖ فِی الْاٰیَۃِ کُلُّ زِیَادَۃٍ لَا یُقَابِلُھَا عِوَضٌ۔

ایسی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ خود اسی قوم میں سے تھے انہی کی زبان میں بھیجا، اُن پر اپنی کتاب آسانی کے لیے انہی کی زبان میں نازل فرمایا، اور لفظ ربا کے معنی ان کی زبان میں زیادتی کے ہیں، اور مراد آیت میں وہ زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں مال نہیں بلکہ میعاد ہے۔"

اور امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اُدھار کا ربا دوسرے نقد بیع میں زیادہ لینے کا ربا پہلی قسم وہ ہے جو زمانۂ جاہلیت میں مشہور و معروف تھی، اور اہل جاہلیت اس کا لین دین کرتے تھے، اور دوسری قسم وہ ہے جو حدیث نے بیان کی کہ فلاں فلاں چیزوں کی بیع و شراء میں کمی زیادتی ربا میں داخل ہے۔

اور احکام القرآن جصاص میں ہے کہ ربا کی دو قسمیں ہیں، ایک بیع و شراء کے اندر دوسری بغیر بیع و شراء کے اور زمانۂ جاہلیت کا ربوٰ، یہی دوسری قسم کا تھا، اور اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ قرض جس میں بحساب میعاد کوئی نفع لیا جائے، اور یہی مضمون ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے، اور قرض اُدھار پر نفع لینے کے ربا کا حرام ہونا قرآن، سنت اور اجماعِ اُمت سے ثابت کیا ہے۔

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں اس موضوع پر بڑی تفصیل سے کلام کرتے ہوئے یہ بتلایا ہے کہ قرآن میں جو ربا مذکور ہے اس سے جلی اور واضح طور پر وہ ربا مراد ہے جو قرض ادھار پر لیا دیا جاتا تھا، اور اسی کو زمانۂ جاہلیت میں ربا کہا جاتا تھا، اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور آپؐ کی سنت سے دوسری قسم کا ربا کا علم ہوا، جو خاص خاص اقسام بیع وشراء میں کمی یا اُدھار کرنے کا نام ہے، اور اس رباء کے حرام ہونے پر بھی احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم متواتر آئی ہیں، مگر اس قسم کے رباء کی تفصیلات پوری واضح نہ ہونے کے سبب اس میں بعض صحابہ کرام کو اشکال پیش آیا اور فقہاء کے اختلافات ہوتے (معانی الآثار، ص ۲۳۲ ج ۲)

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرمایا ہے کہ ربا ایک حقیقی ہے اور ایک وہ جو بحکم ربا ہے۔ حقیقی ربا قرض ادھار پر زیادتی لینے کا نام ہے، اور بحکم ربا وہ ہے جس کا بیان حدیث میں آیا کہ بعض خاص چیزوں کی بیع میں زیادتی لینے کو ربا کہا گیا ہے، اور ایک حدیث میں جو آیا ہے لا ربا الا فی النسیئۃ (رواہ البخاری) یعنی ربا صرف ادھار میں ہے، اس کا یہی مطلب ہے کہ حقیقی اور اصلی ربا جس کو عام طور پر ربا سمجھا اور کہا جاتا ہے۔ وہ اُدھار پر نفع لینے کا نام ہے اس کے سوا جتنی اقسام اس کے ساتھ ملحق کی گئی ہیں وہ سب حکماً ربوٰ میں داخل ہیں۔

اِس تفصیل سے چند چیزیں واضح ہوگئیں

اوّل یہ کہ نزولِ قرآن سے پہلے ربا ایک متعارف چیز تھی، قرض

ادھار پر بحساب میعاد زیادتی لینے کو ربا کہا جاتا تھا۔

دوسری یہ کہ قرآن میں حرمتِ ربا نازل ہوتے ہی سب صحابۂ کرام نے اس ربا کو ترک کر دیا، اس کے معنے سمجھنے سمجھانے میں کسی کو نہ اشکال پیش آیا نہ اشتباہ۔

تیسرے یہ کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں کے بارہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان کی باہمی بیع و شراء میں برابری شرط ہے، کمی بیشی ربا میں داخل ہے، اور ان میں اُدھار کرنا بھی ربا میں داخل ہے، یہ چھ چیزیں سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور، انگور ہیں، اور اسی قانون کے تحت عرب میں مروجہ اقسامِ بیع مزابنہ، محاقلہ وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے چھ چیزوں کی بیع و شراء میں کمی بیشی اور ادھار کو نص احۃً ربا میں داخل کر کے حرام قرار دے دیا تھا، لیکن اس میں یہ بات محل تسنۃ و اجتہاد تھی کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسری اشیاء میں بھی ہے، اور اس کا ضابطہ کیا ہے؟ اس ضابطہ میں فقہاء نے اپنے اپنے غور و فکر اور اجتہاد سے مختلف صورتیں تجویز کیں، اور چونکہ یہ ضابطہ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہ فرمایا تھا اس میں اشتباہ رہنے کے سبب حضرت فاروق اعظمؓ نے اس پر اظہارِ افسوس کیا کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کا کوئی ضابطہ بیان فرما دیتے تو مشتبہ حالات میں اطمینان پیدا ہو جاتا، اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ جہاں ربا کا شبہ بھی ہو اس سے بچنا چاہیئے۔

چوتھے یہ معلوم ہوا کہ اصلی اور حقیقی ربا جس کو فقہاء نے ربوٰا القرآن یا ربوٰا القرض کے نام سے موسوم کیا ہے وہی ہے جو عرب میں متعارف تھا یعنی قرض ادھار پر بحساب میعاد نفع لینا، دوسری قسم کے ربا جو حدیث

میں بتلائے گئے وہ سب اسی ربا کے ساتھ ملحق اور اسی کے حکم میں ہیں اور جو کچھ خلاف و اختلاف اُمّت میں ہوا وہ سب اسی دوسری قسم کے معاملات ربا میں ہوا، پہلی قسم کا ربا جو ربا القرآن کہلاتا ہے اس کے حرام ہونے میں پوری امّت محمدیہؐ میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

اور آجکل جو ربا انسانی معاشیات کا مدار سمجھا جاتا ہے، اور مسئلہ سود میں جو زیر بحث ہے وہ یہی ربا ہے، جس کی حرمت قرآن کی سات آیات اور چالیس سے زیادہ احادیث اور اجماع اُمّت سے ثابت ہے۔

ربا کی دوسری قسم جو بیع و شرار کے ضمن میں ہوتی ہے نہ اسکا رواج عام ہے نہ اس میں کوئی بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

یہاں تک یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن و سنت میں ربا کی حقیقت کیا ہے جو مسئلہ سود کی پہلی بات ہے۔

اس کے بعد دوسری بحث اس کی ہے کہ ربا کی حرمت و ممانعت کس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، اور اس میں وہ کونسی رُوحانی یا معاشی مضرتیں ہیں، جس کی وجہ سے اسلام نے اس کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

اس جگہ پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دُنیا کی ساری مخلوقات اور انکے معاملات میں ایسی کوئی چیز نہیں جس میں کوئی بھلائی یا فائدہ نہ ہو، سانپ، بچھوّ، بھیڑ، شیر اور سنکھیا جیسے زہر قاتل میں بھی انسان کے لیے ہزاروں فوائد ہیں ؎

کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

چوری، ڈاکہ، بدکاری، رشوت، ان میں کوئی ایسی چیز نہیں جس میں کچھ نہ کچھ فائدہ نہ ہو، مگر ہر مذہب و ملّت اور ہر مکتب فکر میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ

جس چیز کے منافع زیادہ اور مضرتیں کم ہیں ان کو نافع و مفید کہا جاتا ہے، اور جن کے مفاسد و مضرات زیادہ اور منافع کم ہیں ان کو مضر اور بیکار سمجھا جاتا ہے، قرآن کریم نے بھی شراب اور قمار کو حرام قرار دیتے ہوئے اسکا اعلان فرمایا کہ ان میں بڑے گناہ بھی ہیں، اور لوگوں کے کچھ منافع بھی، مگر ان کے گناہ کا وبال منافع کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں، اس لیے ان چیزوں کو اچھا یا مفید نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان کو نہایت مضر اور تباہ کن سمجھ کر ان سے اجتناب لازم ہے،

ربا یعنی سود کا بھی یہی حال ہے، اس میں سود خوار کے لیے کچھ وقتی نفع ضرور نظر آتا ہے، لیکن اس کا دنیوی اور اخروی وبال اس نفع کے مقابلہ میں نہایت شدید ہے۔

ہر چیز کے نفع نقصان یا مفاسد و مصالح کا موازنہ کرنے میں یہ بات بھی ہر عقلمند کے نزدیک قابلِ نظر ہوتی ہے کہ اگر کسی چیز میں نفع محض وقتی اور ہنگامی ہو اور نقصان اس کا دیرپا یا دائمی ہو تو اس کو کوئی عقلمند مفید اشیاء کی فہرست میں شمار نہیں کر سکتا، اسی طرح اگر کسی چیز کا نفع شخصی اور انفرادی ہو اور اس کا نقصان پوری مِلّت اور جماعت کو پہنچتا ہو تو اس کو بھی کوئی ہوشمند انسان مفید نہیں کہہ سکتا، چوری اور ڈاکہ میں چور ڈاکو کا تو نفع کھُلا ہوا ہے، مگر وہ پوری ملت کے لیے مضر اور ان کے امن و سکون کو برباد کرنے والا ہے، اسی لیے کوئی انسان چوری اور ڈاکہ کو اچھا نہیں کہتا۔

اس تمہید کے بعد مسئلہ سود پہ نظر ڈالئے تو اس میں ذرا سا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں سود خوار کے وقتی اور ہنگامی نفع کے مقابلہ میں اس کا رُوحانی اور اخلاقی نقصان اتنا شدید ہے کہ وہ اس کو انسانیت سے

نکال دیتا ہے، اور یہ کہ اس کا جو وقتی نفع ہے وہ بھی صرف اس کی ذات کا نفع ہے، اس کے مقابلہ میں پوری ملت کو نقصانِ عظیم اور معاشی بُحران کا شکار ہونا پڑتا ہے، لیکن دنیا کا حال یہ ہے کہ جب اِس میں کوئی چیز رواج پا جاتی ہے تو اس کی خرابیاں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، اور صرف اس کے فوائد سامنے رہ جاتے ہیں، اگرچہ وہ فوائد کتنے ہی حقیر و ذلیل اور ہنگامی ہوں اس کے نقصانات کی طرف دھیان نہیں جاتا اگرچہ وہ کتنے ہی شدید اور عام ہوں۔

رسم و رواج طبائع انسانی کے لیے ایک کلورا فارم ہے جو اس کو بے حس بنا دیتا ہے، بہت کم افراد ہوتے ہیں جو چلے ہوئے رسم و رواج پر تحقیقی نظر ڈال کر یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ اس میں فائدے کتنے ہیں اور نقصان کتنا، بلکہ اگر کسی کے "تنبیہ" کرنے سے اس کے نقصانات سامنے بھی آ جائیں، تو پابندیِ رسم و رواج اس کو صحیح راستہ پر نہیں آنے دیتے۔

سود و ربا اس زمانہ میں ایک وبائی مرض کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اس کا رواج ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے اس نے انسانی فطرت کا ذائقہ بدل دیا ہے کہ کڑوے کو میٹھا سمجھنے لگی، اور جو چیز پوری انسانیت کے لیے معاشی بربادی کا سبب ہے، اس کو معاشی مسئلہ کا حل سمجھا جانے لگا، آج اگر کوئی مفکر محقق اس کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے تو اس کو دیوانہ سمجھا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ ہے، لیکن وہ ڈاکٹر ڈاکٹر نہیں بلکہ انسانیت کا ڈاکو ہے جو کسی ملک میں وبا پھیل جانے کو اور علاج کا غیر مؤثر ہونے کا مشاہدہ کرنے کی بناء پر اب یہ طے کرے کہ لوگوں کو یہ سمجھا دے کہ یہ مرض مرض ہی نہیں

بلکہ عین شفا اور عین راحت ہے، ماہر ڈاکٹر کا کام ایسے وقت میں بھی یہی ہے کہ لوگوں کو اس مرض اور اس کی مضرت سے آگاہ کرتا رہے اور علاج کی تدبیریں بتاتا رہے۔

انبیاء علیہم السلام اصلاحِ خلق کے ذمہ دار ہو کر آتے ہیں، وہ کبھی اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ کوئی ان کی بات سنے گا یا نہیں، وہ اگر لوگوں کے سننے اور ماننے کا انتظار کیا کرتے تو ساری دنیا کفر و شرک ہی سے آباد ہوتی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا ماننے والا اُس وقت کوئی تھا جب کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تبلیغ و تعلیم کا حکم منجانب اللہ ملا تھا۔

سود و ربا کو اگرچہ آج کی معاشیات میں ریڑھ کی ہڈی سمجھا جانے لگا ہے لیکن حقیقت وہ ہے جو آج بھی بعض حکمائے یورپ نے تسلیم کی کہ وہ معاشیات کے لیے ریڑھ کی ہڈی نہیں بلکہ ریڑھ کی ہڈی میں پیدا ہو جانے والا ایک کیڑا ہے، جو اس کو کھا رہا ہے۔

مگر افسوس ہے کہ آج کل کے اہلِ علم و فن بھی کبھی رسم و رواج کے تنگ دائرہ سے آزاد ہو کر اس طرف نظر نہیں کرتے کہ سود و ربا کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عام خلقِ خدا اور تمام ملت فقر و فاقہ اور معاشی بحران کا شکار ہو، اور وہ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جائیں، اور چند سرمایہ دار پوری ملت کے مال سے فائدہ اُٹھا کر، یا یوں کہیے کہ ملت کا خون چوس کر اپنا بدن بڑھاتے اور پالتے چلے جائیں، اور حیرت ہے کہ جب کبھی ان حضرات کے سامنے اس حقیقت کو بیان کیا جاتا ہے، تو اس کے جھٹلانے کے لیے ہمیں امریکہ اور انگلینڈ کے بازاروں میں لے جا کر سود کی برکات کا مشاہدہ کرانا چاہتے ہیں، اور یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ سود و ربا کی

بدولت کیسے پھلے اور پھولے ہیں، لیکن اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی مردم خوروں کی کسی قوم اور اس کے عمل کی برکات کا مشاہدہ کرانے کے لیے آپ کو مردم خوروں کے محلہ میں لے جاکر یہ دکھلائے کہ یہ کتنے موٹے تازے اور تندرست ہیں، اور اس سے یہ ثابت کرے کہ ان کا یہ عمل بہترین عمل ہے۔

لیکن اس کو کسی سمجھ دار آدمی سے سابقہ پڑے تو وہ کہے گا کہ تم مردم خوروں کے عمل کی برکات مردم خوروں کے محلہ میں نہیں دوسرے محلوں میں جاکر دیکھو جہاں سینکڑوں ہزاروں مردے پڑے ہوئے ہیں جن کا خون اور گوشت کھا کر یہ درندے پلے ہیں، اسلام اور اسلامی شریعت کبھی ایسے عمل کو درست اور مفید نہیں مان سکتی جس کے نتیجہ میں پوری انسانیت اور ملت تباہی کا شکار ہو، اور کچھ افراد یا ان کے جتھے پھولتے پھلتے چلے جائیں۔

سُود و رِبا کی معاشی خرابیاں

سود و ربا میں اگر کوئی دوسرا عیب بھی اس کے سوا نہ ہوتا کہ اس کے نتیجہ میں چند افراد کا نفع اور پوری انسانیت کا نقصان ہے تو یہی اسکی ممانعت اور قابلِ نفرت ہونے کے لیے کافی تھا، حالانکہ اس میں اس کے علاوہ اور بھی معاشی خرابیاں اور روحانی تباہ کاریاں پائی جاتی ہیں۔

پہلے اس کو سمجھئے کہ سود کے ذریعہ ملّت کی تباہی اور افراد کا نفع کیونکر ہے، سود و ربا کے مہاجنی اور فرسودہ طریقہ میں تو ایسا بھونڈا پن تھا کہ عام ملّت کا ضرر اور کسی خاص فرد کا نفع ہر موٹی عقل والے کو بھی سمجھ میں آجاتا تھا، مگر آج کل کی نئی روشنی جس کو نئی اندھیری کہنا زیادہ موزوں ہے اس نے جس طرح شراب کو مشینوں میں صاف کر کے چوری اور ڈاکہ کی نئی نئی صورتیں ایجاد کر کے بدکاری و بے حیائی کے نئے نئے ڈھنگ نکال کر کے سب کو ایسا مہذّب بنا لیا ہے کہ سطحی نظر والوں کو اسکی اندرونی خرابیاں نظر نہ آئیں، اسی طرح ربا اور سود کے لیے بجائے شخصی دکانوں کے مشترک کمپنیاں بنالی ہیں جن کو بینک کہا جاتا ہے، اور اب دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لیے یہ بتلایا جاتا ہے کہ ربا کے اس جدید طریقہ سے پوری ملّت کا فائدہ ہے کیونکہ عوام جو اپنے روپے سے تجارت کرنا نہیں جانتے یا قلتِ سرمایہ کی بنا پر نہیں کر سکتے ان سب کا روپیہ بینکوں میں جمع ہو

کہ ان میں سے ہر ایک کو گو قلیل ہی سہی کچھ نہ کچھ نفع سود کے نام سے مل جاتا ہے، اور بڑے تاجروں کو یہ موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ بینکوں سے سودی قرض لے کر بڑی تجارت کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی طرح سود ایسی مبارک چیز بن گئی کہ ساری ملّت کے افراد کو اس سے نفع پہنچ رہا ہے۔

لیکن ذرا انصاف سے کام لیا جائے تو یہ وہ ابلہ فریبی ہے جو شراب کی گندی بھٹیوں کو صاف ستھرے ہوٹلوں میں اور عصمت فروشی کے اڈوں کو، سینماؤں میں اور زنانِ بازاری کو شرفاء میں تبدیل کر کے زہر کو تریاق اور مضر کو مفید بنا کر دکھلانے کے لیے عمل میں لائی گئی ہیں، اور جس طرح اہلِ بصیرت پر یہ بات روشن ہے کہ اخلاق سوز جرائم کو جدید غلاف پہنانے کا نتیجہ اس کے سوا نہیں کہ یہ جرائم پہلے سے زیادہ ہو گئے اور ان کا زہر پہلے سے زیادہ تیز ہو گیا، اسی طرح سود و ربا کی اس نئی شکل نے سود کے چند آنے فی سینکڑہ عوام کے منہ کو لگا کر ایک طرف ان کو اپنے جُرم کا شریک کر لیا، اور دوسری طرف اپنے لیے اس جرم کے ارتکاب کا غیر محدود میدان فراہم کر لیا،

کون نہیں جانتا کہ یہ چند آنے فی سینکڑہ کا سود جو سیونگ بینکوں اور ڈاکخانہ جات سے لوگوں کو ملتا ہے یہ کسی طرح اُن کے معاش کی کفالت نہیں کر سکتا، اس لیے وہ مجبور ہیں کہ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کوئی مزدوری یا ملازمت تلاش کریں، تجارت کی طرف اوّل تو انکی نظر خود نہیں جاتی، اور اگر کسی کو اس طرف توجہ بھی ہو جائے تو پوری ملّت کا سرمایہ بینکوں میں جمع ہو کر جو صورت تجارت کی بن گئی ہے اس میں کسی چھوٹے سرمایہ والے کو داخل ہونا خود اپنی موت کو دعوت دینے سے کم نہیں، کیونکہ بینک کوئی

بڑا سرمایہ قرض پر صرف اسی کو دے سکتے ہیں جس کی بازار میں اتنی ساکھ ہو اور بڑا کاروبار ہو، دس لاکھ کے مالک کو ایک کروڑ قرض مل سکتا ہے، وہ اپنے ذاتی روپے کی نسبت سے دس گنا زیادہ کی تجارت چلا سکتا ہے، اور تھوڑے سرمایہ والے کی نہ کوئی ساکھ ہوتی ہے نہ بینک اس پر اعتماد کرتے ہیں کہ ان کو دس گنا زیادہ قرض دے دیں، ایک ہزار کی مالیت والے کو دس ہزار تو کیا ایک ہزار ملنا بھی مشکل ہے اور جب کہ ایک شخص کو ایک لاکھ کی ملکیت رکھنے والا تو لاکھ بنک کا سرمایہ لگا کر دس لاکھ کی تجارت کرتا ہے اس کو ایک لاکھ پر صرف ایک ہی فیصد کا نفع ہوگا، جو اس کے ضروری اخراجات کے لیے بھی کافی نہ ہوں گے، اُدھر مارکیٹ میں بڑے سرمایہ والے کو جس نرخ اور رعایت کے ساتھ ملتا ہے وہ چھوٹے سرمایہ والے کو میسّر نہیں آسکتا، اس لیے چھوٹے سرمایہ والا مفلوج اور محتاج ہو کر رہ جاتا ہے اور اگر اس کی شامت آئی اور اس نے بھی کسی ایسی تجارت میں ہاتھ ڈال دیا تو بڑے سرمایہ والا اس کو اپنی خدائی کا شریک سمجھ کر کچھ اپنی گرہ سے نقصان اٹھا کر بھی بازار کو ایسا ڈاؤن کر دیتا ہے کہ چھوٹے سرمایہ والا اصل اور نفع سب سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تجارت صرف ان چند افراد میں محدود ہو کر رہ جاتی ہے جو بڑے سرمایہ دار ہیں۔

۱۔ یہ ملّت پر کتنا بڑا ظلم ہے کہ ساری ملّت اصلی تجارت سے محروم ہو کر صرف بڑے سرمایہ داروں کی دستِ نگر بن جائے، ان کو وہ جتنا نفع دینا چاہیں بخشش کے طور پر دے دیں۔

۲۔ اور دوسرا اس سے بڑا نقصان جس کی زد میں پورا ملک آجاتا ہے یہ ہے کہ ایسی صورت میں اشیاء کے نرخ پر ان بڑے سرمایہ داروں کا قبضہ

ہوجاتا ہے، وہ گراں سے گراں فروخت کرکے اپنی گرہ مضبوط کر لینے اور پوری ملت کی گرہیں کھلوا لیتے ہیں، اور قیمت بڑھانے کے لیے جب چاہیں مال کی فروخت بند کر دیتے ہیں، اگر ساری ملت کا سرمایہ بنکوں کے ذریعہ کھینچ کر ان خودغرض لوگوں کی پرورش نہ کی جاتی اور یہ مجبور ہوتے کہ صرف اپنے ذاتی سرمایہ سے تجارت کریں، تو نہ چھوٹے سرمایہ والوں کو یہ مصیبت پیش آتی اور نہ یہ خودغرض درندے پوری تجارت کے ناخدا بنتے، چھوٹے سرمایہ والوں کی تجارت کے منافع سامنے آتے تو دوسروں کا حوصلہ بڑھتا، تجارت کا کاروبار عام ہوتا، جس سے ہر ایک اسٹاف علیحدہ ہوتا، جس سے ہزاروں حاجتمندوں کی روزی پیدا ہوتی، اور تجارتی نفع بھی عام ہوتا، اور اشیاء کی ارزانی پر بھی یقینی اثر پڑتا، کیونکہ باہمی مقابلہ (کمپوٹیشن) ہی ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ کوئی آدمی اس پر تیار ہوتا ہے کہ اپنا نفع کم کرلے۔ ایک مہلک بیماری لگادی اور دوسرے اس کی ذہنیت خراب کردی کہ اس بیماری ہی کو شفا سمجھے۔

۳۔ بنکوں کے سود سے ملت کا ایک تیسرا معاشی نقصان اور دیکھئے کہ جس شخص کا سرمایہ دس ہزار ہے اور وہ بنک سے سودی قرض لے کر ایک لاکھ کا بیوپار کرتا ہے۔ اگر کہیں اس کا سرمایہ ڈوب گیا اور تجارت میں اس کو نقصان پہنچ گیا اور وہ دیوالیہ ہوگیا، تو غور کیجئے کہ نقصان صرف دس فیصد تو اس پر پڑا، باقی نوّے فی صد نقصان پوری ملت کا ہوا، جن کا سرمایہ بنک سے لے کر اس نے لگایا تھا، اگر بنک نے دیوالیہ کے نقصان کو سردست خود ہی برداشت کرلیا، تو یہ ظاہر ہے کہ بنک تو قوم کی جیب ہے اس کا نقصان انجام کار قوم پر عائد ہوگا، جس کا حاصل یہ ہوا کہ سرمایہ دار کو جب بنک نفع ہوتا رہا تو نفع کا وہ تنہا مالک تھا، اس میں ملت کے لیے کچھ نہ تھا یا برائے نام تھا

اور جب نقصان آیا تو نوے فیصد نقصان پوری ملت پر پڑ گیا۔

۴۔ سود سے ایک معاشی نقصان یہ بھی ہے کہ سود خوار جب گھاٹے میں آجائے تو پھر وہ پنپنے کے قابل نہیں رہتا، کیونکہ اتنا سرمایہ تو تھا نہیں جس کے نقصان کو یہ برداشت کر سکے، نقصان کے وقت اس پہ دوہری مصیبت ہوتی ہے، ایک تو اپنا نفع اور سرمایہ گیا اور اوپر سے بنک کے قرض میں دب گیا، جس کی ادائیگی کے لیے اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں اور بے سود کی تجارت میں اگر سارا سرمایہ بھی کسی وقت چلا جائے تو فقیر ہی ہوگا مقروض تو نہ ہوگا۔

۱۹۵۴ء میں پاکستان میں روئی کے بیوپار پہ قرآنی ارشاد کے مطابق محاق کی آفت آئی اور حکومت نے کروڑوں روپے کا نقصان اُٹھا کر تاجروں کو سنبھالا، مگر کسی نے اس پر غور نہیں کیا کہ وہ سب سود کی نحوست تھی، کیونکہ کاٹن کے تاجروں نے اس کاروبار میں بیشتر سرمایہ بنکوں کا لگایا ہوا تھا، اپنا سرمایہ برائے نام تھا، بفضلِ خداوندی روئی کا بازار اتنا گر گیا کہ اس کے دام ایک سو پچیس سے گر کر دس پر آ گئے، تاجر اس قابل نہ رہے کہ بنکوں میں مارجن پوری کرنے کے لیے روپیہ واپس دیں، مجبور ہو کر مارکیٹ بند کر دی گئی اور حکومت سے فریاد کی، حکومت نے دس کے بجائے نوّے کے دام لگا کر خود مال خریدا اور کروڑوں روپیہ کا نقصان برداشت کر کے ان تاجروں کو دیوالیہ ہونے سے بچا لیا، حکومت کا روپیہ کس کا تھا، وہی بیچاری غریب ملت و قوم کا، غرض بنکوں کے کاروبار کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ پوری ملت کے سرمایہ سے چند افراد نفع اُٹھاتے ہیں اور جہاں نقصان ہو جائے تو وہ پوری قوم و ملت پر پڑے۔

خویش پروری اور ملت کشی کی ایک اور چال

سود و ربا کی ملت کشی اور افراد پروری کا اجمالی نقشہ آپ کے سامنے آ چکا ہے، اس کے ساتھ ایک اور ہوشیاری اور چالاکی دیکھئے کہ سود خوروں نے جب اپنے تجربہ سے بھی اس چیز کو محسوس کیا جو قرآن کا ارشاد ہے وَیَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا یعنی سود کے مال میں محاق کی آفتیں آنا لازمی ہیں، جس کے نتیجہ میں دیوالیہ ہونا پڑتا ہے، تو ان آفتوں سے بچنے کے لیے دو مستقل ادارے بنائے، ایک بیمہ (انشورنس) دوسرے سٹہ کا بازار، کیونکہ نقصان آنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں، ایک کوئی آسمانی آفت کہ جہاز ڈوب گیا، یا جل گیا یا کوئی اور ایسی ہی آفت آ گئی، دوسرے یہ کہ سامان کا نرخ اس کی قیمت خرید سے کم ہو گیا، ان دونوں صورتوں میں لگا ہوا سرمایہ چونکہ اپنا نہیں بلکہ ملت کا مشترکہ سرمایہ ہے، اس لیے ان کا نقصان کم اور ملت کا زیادہ ہے، مگر انہوں نے اس تھوڑے سے نقصان کو بھی ملت ہی کے سر پہ ڈالنے کے لیے، ایک طرف تو بیمہ کمپنیاں کھولیں، جس میں بینکوں کی طرح پوری ملت کا سرمایہ جمع رہتا ہے، اور جب کسی سماوی آفت سے ان سود خوروں پر کوئی نقصان آتا ہے تو بیمہ کے ذریعہ وہ پورا نقصان بھی ملت کے مشترک سرمایہ پر ڈال دیتے ہیں۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ بیمہ کمپنیاں خدا کی رحمت ہیں، ڈوبتے کو سہارا دیتی ہیں، لیکن ان کی حقیقت کو دیکھیں اور سمجھیں تو یہاں بھی وہی فریب ہے

کہ ناگہانی حوادث کے وقت امداد کا لالچ دے کر ملّت کا سرمایہ جمع کیا گیا ہے مگر اس سے بھاری رقموں کا فائدہ تو صرف اونچے سرمایہ داروں کو ملتا ہے جو بعض اوقات خود ہی اپنی فرسودہ موٹر کو آگ لگا کر یا کہیں ٹکرا کر اور بیمہ کمپنی سے رقم لے کر نئی موٹر خرید نا چاہتے ہیں، سنؤ میں ایک دو کوئی غریب بھی ایسا ہوتا ہوگا جس کو ناگہانی موت کے سبب کچھ پیسے مل جاویں۔

اور دوسری قسم یعنی نرخ گھٹ جانے کے خطرے سے بچنے کے لیے سٹہ کا بازار گرم کیا، اس سٹہ کے ذریعہ تمام افراد ملّت کو متاثر کیا گیا تاکہ جو نقصان ان کو قیمت گھٹ جانے کی وجہ سے ہونے والا تھا وہ پھر ملّت پر منتقل کر دیں۔

اس مختصر بیان میں آپ نے اتنا سمجھ لیا ہوگا کہ بینکوں کا سود اور اس کی تجارت پوری انسانیت کے لیے فقر و فاقہ اور معاشی تنگدستی کا موجب ہے، ہاں چند مالدار افراد کے اموال میں اس سے اضافہ بھی ہوتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملّت بگڑتی ہے اور چند افراد بنتے ہیں اور ملک کا سرمایہ سمٹ کر اُن کے ہاتھ میں آجاتا ہے، عام حکومتوں نے اس عظیم مفسدہ کو محسوس تو کیا، لیکن اس کا علاج یہ تجویز کیا کہ بڑے سرمایہ داروں کے لیے انکم ٹیکس کی شرح اتنی بڑھا دی یہاں تک کہ آخری شرح ایک روپیہ میں سے ساڑھے پندرہ آنے کر دی گئی، تاکہ سرمایہ اُن کے پاس سے منتقل ہو کر پھر قومی خزانے میں پہنچ جائے۔

لیکن سب کو معلوم ہے کہ اس قانون کے نتیجہ میں عام طور پر کارخانوں کے حساب فرضی اور جعلی بننے لگے، اور بہت سا سرمایہ حکومت سے چھپانے کے لیے پھر دفینوں کی شکل میں منتقل ہونے لگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دولت سمٹ کر قوم کے چند افراد میں مقید ہو جانے کی انتہائی مضرت ملک کے معاشی اور اقتصادی حالات کے لیے سب پر واضح ہے، اسی لیے انکم ٹیکس کی شرح اتنی زیادہ بڑھائی جاتی ہے، لیکن تجربہ شاہد ہے کہ یہ تدبیر مرض کا علاج ثابت نہ ہوئی، جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مرض کے اصلی سبب کو نہیں پہچانا گیا، اس لیے علاج کی مثال یہ ہوگئی کہ ؎

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود

دولت بڑے سرمایہ داروں کی طرف سمٹنے کا اصلی سبب صرف سودی کاروبار اور قومی سرمایہ سے خاص خاص افراد کی بے جا نفع اندوزی ہے، جب تک اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس کو بند نہ کیا جائے اور اس کو رواج نہ دیا جائے کہ ہر شخص صرف اپنے سرمایہ سے تجارت کرے اس وقت تک اس مرض کا علاج نہیں ہو سکتا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بینکوں کے ذریعہ پوری قوم کا سرمایہ جمع ہو کر کچھ نہ کچھ تو فائدہ عوام کو بھی ملا، وہ کتنا ہی قلیل ہو، اور بڑے سرمایہ داروں نے اس سے زیادہ فائدہ حاصل کر لیا ہو، لیکن اگر یہ بینکوں میں سرمایہ جمع کرنے کا طریقہ نہ ہو تو اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو پہلے زمانہ میں تھا، کہ لوگوں کا سرمایہ دفینوں اور خزینوں کی شکل میں زمین کے اندر رہا کرتا تھا: جس سے نہ ان کو فائدہ ہوگا نہ کسی دوسرے شخص کو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے جس طرح سود کو حرام قرار دے کر

اس کا دروازہ بند کر دیا ہے کہ پوری قوم کی دولت سمٹ کر خاص خاص سرمایہ داروں میں محدود ہو جائے، اسی طرح زکوٰۃ کا فریضہ سرمایہ ٹیکس کی صورت میں عائد کر کے ہر مال دار کو اس پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنے سرمایہ کو منجمد حالت میں نہ رکھے، بلکہ تجارت اور کاروبار میں لگائے، کیونکہ زکوٰۃ سرمایہ ٹیکس کی صورت میں ہونے کی بناء پر اگر کوئی شخص اپنا روپیہ یا سونا چاندی دفینہ کر کے رکھتا ہے تو ہر سال اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکلتے نکلتے سرمایہ فنا ہو جائے گا، اس لیے ہر سمجھدار انسان اس پر مجبور ہو گا کہ سرمایہ کو کام میں لگا کر اس سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے، اور اسی نفع میں سے زکوٰۃ ادا کرے۔

فریضۂ زکوٰۃ ایک حیثیت سے تجارت کی ترقی کا ضامن ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فریضۂ زکوٰۃ ادا کرنے میں جیسے یہ عظیم الشان فائدہ مضمر ہے کہ قوم کے فقراء و مساکین کی امداد ہو، اسی طرح مسلمانوں کی معاشی حالت کو درست کرنے کے لیے یہ فریضۂ تجارت کی ترغیب کا ایک بہترین ذریعہ بھی ہے، کیونکہ ہر انسان جب یہ دیکھے گا کہ نقد سرمایہ کو بند رکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ نفع تو کچھ ہوا نہیں، اور سال کے ختم پر چالیسواں حصہ کم ہو گیا، تو ضرور اس کو اس طرف توجہ کرنا پڑے گی کہ اس مال کو کسی تجارت پہ لگائے، اور دوسری طرف چونکہ سود ہے، روپیہ چلانا حرام ٹھہرا تو تجارت کی یہ صورت نہ رہے گی، کہ لاکھوں انسانوں کے سرمایہ سے صرف ایک انسان تجارت کرے بلکہ ہر مالدار خود تجارت میں آنے کی فکر کرے گا، اور جب کہ بڑے سرمایہ دار بھی صرف اپنے ہی

سرمایہ سے تجارت کریں گے تو چھوٹے سرمایہ والوں کو تجارت میں وہ مشکلات پیش نہ آئیں گی جو بینکوں سے سودی روپیہ لے کر بڑی تجارت چلانے کی صورت میں پیش آتی ہیں، اسی طرح پورے ملک میں تجارت اور اس کے منافع عام ہوں گے، اور اس کے نتیجہ میں ملک کے غربار فقرار کو فائدہ پہنچے گا۔

سود کی روحانی بیماریاں

یہاں تک سود کی معاشی اور اقتصادی تباہ کاری کا ذکر تھا۔ اب سنئے کہ سودی کاروبار انسان کے اخلاق اور روحانی کیفیات پر کیسے خراب اثرات ڈالتا ہے۔

۱۔ انسانی اخلاق میں سب سے بڑا جوہر ایثار و سخاوت کا ہے کہ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت پہنچانے کا جذبہ ہو، سود کے کاروبار کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ جذبہ فنا ہو جاتا ہے، سود خوار اپنے پاس سے کسی کو نفع پہنچانا تو کیا دوسرے کو اپنی کوشش اور اپنے سرمایہ سے اپنے برابر آتا نہیں دیکھ سکتا۔

۲۔ وہ مصیبت زدہ پر رحم کھانے کے بجائے اس کی مصیبت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی فکر میں رہتا ہے۔

۳۔ سود خواری کے نتیجہ میں مال کی حرص اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس میں مست ہو کر اپنے بھلے اور بُرے کو بھی نہیں پہچانتا، اس کے انجام بد سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ

مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ o

"اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہا ہے سود اگر تم مسلمان ہو، پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو، اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تم کو تمہارا اصل راس المال مل جائے گا، نہ تم کسی پر ظلم کر سکو گے نہ کوئی تم پر ظلم کر سکے گا"

ربا کی حقیقت اور اس کی دینی و دنیوی خرابیوں کا بیان کسی قدر تفصیل سے آچکا ہے۔ اب تیسری بحث یہ باقی ہے کہ ربا کی معاشی اور روحانی خرابیاں اور قرآن و سنت میں اس کی شدید حرمت و ممانعت تو واضح ہو گئی، لیکن موجودہ دور میں جب کہ ربا ہی تجارت کا رکن اعظم بنا ہوا ہے، ساری دنیا کے کاروبار اسی پر چل رہے ہیں، اس سے نجات حاصل کرنے کی تدبیر کیا ہے۔ بلاشبہ سسٹم کو ترک کر دینا اس زمانہ میں گویا تجارت کو بند کر دینا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی مرض عام ہو کر وبا کی صورت اختیار کر لے تو علاج معالجہ دشوار ضرور ہو جاتا ہے لیکن بےکار نہیں ہوتا۔ اصلاحِ حال کی کوششیں انجام کار کامیاب ہوتی ہیں۔ البتہ صبر و استقلال اور ہمت سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے، قرآن کریم ہی میں اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ "یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی"۔

اس لیے ضروری ہے کہ ربا سے اجتناب کا کوئی ایسا راستہ ضرور ہو گا جس میں معاشی اور اقتصادی نقصان بھی نہ ہو، اندرونی اور بیرونی تجارت کے دروازے بھی بند نہ ہوں اور ربا سے نجات بھی ہو جائے۔

اس میں پہلی بات تو یہی ہے کہ سطحی نظر میں بنکنگ کے موجودہ اصول کو دیکھتے ہوئے عام طور پہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ بنک سسٹم کا مدار ہی سود پر ہے، اس کے بغیر بنک چل ہی نہیں سکتے، لیکن یہ خیال قطعاً صحیح نہیں، ربا کے بغیر بھی بنک سسٹم اسی طرح قائم رہ سکتا ہے، بلکہ اس سے بہتر اور نافع و مفید صورت میں آسکتا ہے، البتہ اس کے لیے ضرورت ہے کہ کچھ حضرات ماہرین شریعت اور کچھ ماہرین بینک کے مشورہ اور تعاون سے اس کے اصول از سر نو تجویز کریں، تو کامیابی کچھ دور نہیں، اور جس دن بینک سسٹم شرعی اصول پر آگیا تو انشاء اللہ دنیا دیکھ لے گی کہ اس میں پوری قوم و ملت کی کیسی فلاح ہے، ان اصول و قواعد کی تشریح کا یہ موقع نہیں، جن کی بناء پر بینک سسٹم کو بغیر ربا کے چلایا جا سکتا ہے۔

ربا اور سود کی ایک ضرورت کچھ تجارتی اغراض کے لیے ہوتی ہے اس کا انتظام تو بینک کے موجودہ اصول میں ترمیم کے ذریعہ ہو جائیگا اور دوسری ضرورت سود در با میں مبتلا ہونے کی فقیر و حاجتمند لوگوں کی ہنگامی اور وقتی ضرورتیں ہوا کرتی ہیں، اس کا بہترین علاج اسلام میں پہلے سے بصورت زکوٰۃ و صدقات واجبہ موجود ہے، لیکن دین اور علم دین سے بے خبری اور بے پروائی کا نتیجہ ہے، آج کل نظام زکوٰۃ بھی معطل ہے، بے شمار مسلمان ہیں جو نماز کی طرح زکوٰۃ کے پاس نہیں جاتے اور جو لوگ نکالتے ہیں بھی انہیں اکثر بڑے سرمایہ والے حضرات

حساب کر کے پوری زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، اور جو لوگ پوری زکوٰۃ نکالتے بھی ہیں تو وہ بس زکوٰۃ کا نکالنا ہی جانتے ہیں کہ اپنی جیب سے نکال دیں، حالانکہ حکم الٰہی زکوٰۃ کے نکالنے کا نہیں، بلکہ ادا کرنے کا ہے اور ادا کرنا جب صحیح ہو سکتا ہے جب اس کے مستحقین کو پہنچا کر ان کو مالکانہ قبضہ دیدیا جائے، اب غور کیجئے کہ ایسے مسلمان کتنے ہیں جو مستحقین کو تلاش کرنے کی فکر کریں، پھر ان کو پہنچانے کا اہتمام کریں، مسلمان قوم کتنی ہی کم سرمایہ سہی، لیکن اگر ہر مسلمان جس پر زکوٰۃ فرض ہے وہ زکوٰۃ پوری ادا کرے اور ادا کرنے کا صحیح طریقہ اختیار کرے کہ مستحقین کو پہنچائے اور ادا کرنے کا اہتمام کرے، تو یقیناً کسی مسلمان کو اس کی ضرورت نہ رہے، کہ وہ قرض کی ضرورت سے سود و ربا میں مبتلا ہو، اور اگر شرعی قاعدہ کے مطابق اسلامی حکومت عادلہ بن جائے اور اس کے تحت شرعی بیت المال قائم ہو جائے اور تمام مسلمانوں کے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ اس میں جمع ہوا کرے تو اس بیت المال سے ہر ایک ضرورت مند کی ضرورت پوری کی جا سکتی ہے اور کسی بڑی رقم کی ضرورت پڑ جائے تو بطور قرض بھی بغیر سود کے دیا جا سکتا ہے اور اس طرح بیکار پھرنے والوں کی چھوٹی دکانیں کرا کر یا کسی صنعت میں لگا کر بھی کام میں لگایا جا سکتا ہے، کسی یورپین ماہر نے صحیح کہا کہ مسلمانوں کا نظامِ زکوٰۃ ایسی چیز ہے کہ اگر مسلمان اس کے پابند ہو جائیں تو اس قوم میں کوئی مفلس اور مصیبت زدہ نظر نہ آئے۔

الغرض اس زمانے میں سود و ربا کے معاملات وبا کی طرح پھیل جانے سے یہ سمجھ بیٹھنا صحیح نہیں کہ موجودہ زمانہ میں سود کے کاروبار چھوڑ دینا معاشی و اقتصادی خودکشی کے مترادف ہے اور اس زمانہ کا

آدمی سودی کاروبار کرنے میں معذور ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ جب تک پوری قوم یا اس کی کوئی معتد بہ جماعت یا کوئی اسلامی حکومت پوری توجہ کے ساتھ اس کام کا تہیہ نہ کرلے افراد و احاد کے لیے دشواری ضرور ہے، مگر معذور پھر بھی نہیں کہا جا سکتا۔

اس وقت ہمارے اس بیان کے دو مقصد ہیں۔ اوّل یہ کہ مسلمانوں کی جماعتیں اور حکومتیں جو اس کام کو صحیح طور پر کر سکتی ہیں اس طرف متوجہ ہوں اور مسلمانوں کو بلکہ پوری دنیا کو سود کے منحوس اثرات سے نجات دلائیں دوسرے یہ کہ کم از کم علم سب کا صحیح ہو جائے۔ مرض کو مرض تو سمجھنے لگیں، حرام کو حلال سمجھنے کا دوسرا گناہ جو پہلے گناہ سے زیادہ عظیم ہے کم از کم اس کے تو مرتکب نہ ہوں عملی گناہ میں تو کچھ نہ کچھ ظاہری فائدہ بھی ہے، لیکن یہ دوسرا علمی اور عقیدہ کا گناہ کہ اس کو حلال ثابت کرنے کی کوشش کی جائے، پہلے سے عظیم تر بھی ہے اور لغو و فضول بھی کیونکہ سود کو حرام سمجھنے اور اپنے گناہ کا اعتراف کرنے میں تو کوئی مالی نقصان بھی نہیں ہوتا، کوئی تجارت بھی بند نہیں ہوتی، ہاں اعترافِ جرم کا نتیجہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ کسی وقت توبہ کی توفیق ہو جانے سے اس سے بچنے کی تدبیر سوچیں۔

اس وقت اسی مقصد کے پیشِ نظر آخر میں چند روایات حدیث اور ارشادات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیش کرتا ہوں جو انہی آیات قرآنی کا بیان ہے جن میں سود و ربا کی شدید ممانعت اور اس پر سخت عذاب کی وعیدیں آئی ہیں تاکہ گناہ کے گناہ ہونے کا احساس تو بیدار ہو اور اس سے بچنے کی فکر ہو۔ کم از کم یہ صورت تو نہ رہے کہ اس حرام کو حلال بنا کر ایک گناہ کے دو گناہ

بنائیں اور بڑے بڑے صالح دیندار مسلمان جو رات کو تہجّد اور ذکر اللہ میں گزاریں۔ صبح جب دکان یا کارخانہ میں پہنچیں تو انہیں یہ خیال بھی نہ آئے کہ ہم سود و قمار کے معاملات میں مبتلا ہو کر کچھ گناہ کر رہے ہیں۔

سُود کے بارے میں
رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

۱۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات مہلک چیزوں سے بچو، صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا، یارسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ (عبادت میں یا اس کی مخصوص صفات میں) کسی غیر اللہ کو شریک کرنا۔

۲۔ جادُو کرنا۔

۳۔ کسی شخص کو ناحق قتل کرنا۔

۴۔ سود کھانا۔

۵۔ یتیم کا مال کھانا۔

۶۔ جہاد کے وقت میدان سے بھاگنا۔

۷۔ کسی پاک دامن عورت پر تہمت باندھنا۔

(یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم میں ہے)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج رات دو شخصوں کو دیکھا جو میرے پاس آئے اور مجھے بیت المقدس تک لے گئے، پھر

ہم آگے چلے تو ایک خون کی نہر دیکھی، جس کے اندر ایک آدمی کھڑا ہوا ہے اور دوسرا آدمی اس کے کنارہ پر کھڑا ہے۔ جب یہ نہر والا آدمی اس سے باہر آنا چاہتا ہے تو کنارہ والا آدمی اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے جس کی چوٹ سے بھاگ کر پھر وہ وہیں چلا جاتا ہے جہاں کھڑا تھا، پھر وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے، تو پھر یہ کنارا کا آدمی یہی معاملہ کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اُن دونوں ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے بتلایا کہ خون کی نہر میں قید کیا ہوا آدمی سود کھانے والا اپنے عمل کی سزا پا رہا ہے (یہ حدیث صحیح بخاری کتاب البیوع میں ہے)

۳۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے پر بھی لعنت فرمائی، اور سود دینے والے پر بھی، اور بعض روایات میں سودی معاملہ پر گواہی دینے والے اور اس کا وثیقہ لکھنے والے پر بھی لعنت آئی ہے۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں، اور بعض روایات میں کہ شاہد و کاتب پر لعنت اس صورت میں ہے جب کہ انکو اس کا علم ہو کہ یہ سود کا معاملہ ہے۔

۴۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چار آدمی ایسے ہیں کہ ان کے بارہ میں اللہ تعالےٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کرے اور جنت کی نعمت نہ چکھنے دے، وہ چار یہ ہیں۔

۱۔ شراب پینے کا عادی۔
۲۔ سود کھانے والا۔
۳۔ یتیم کا مال ناحق کھانے والا۔
۴۔ اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا۔ (یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے)

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی جو سود کا ایک درہم کھاتا ہے وہ چھتیس مرتبہ بدکاری کرنے سے زیادہ سخت گناہ ہے اور بعض روایات میں ہے کہ جو گوشت مال حرام سے بنا ہو اس کے لیئے آگ ہی زیادہ مستحق ہے، اسی کے ساتھ بعض روایات میں ہے کہ کسی مسلمان کی آبروریزی سود سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے (یہ روایت مسند احمد، طبرانی وغیرہ میں ہے)

۶۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ پھل کو قابل استعمال ہونے سے پہلے فروخت کیا جائے اور فرمایا کہ جب کسی بستی میں بدکاری اور سود کا کاروبار پھیل جائے تو اس نے اللہ تعالےٰ کے عذاب کو اپنے اوپر دعوت دے دی۔ (یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے)

۷۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی قوم میں لین دین سود کا رواج ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر ضروریات کی گرانی مسلط کر دیتا ہے اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جائے تو دشمنوں کا رعب و غلبہ ان پر ہو جاتا ہے (یہ روایت مسند احمد میں ہے)

۸۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں جب ہم ساتویں آسمان پر پہنچے تو میں نے اپنے اوپر رعد و برق کو دیکھا۔ اس کے بعد ہم ایک، ایسی قوم پر گزرے جن کے پیٹ رہائشی مکانات کیطرح پھولے اور پھیلے ہوئے ہیں۔ جن میں سانپ بھرے ہیں جو باہر سے نظر آرہے ہیں، میں نے جبرئیل امین سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ سود خور ہیں (یہ روایت مسند احمد کی ہے)

۹۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوف بن مالک رضؓ سے فرمایا کہ

ان گناہوں سے بچو جو معاف نہیں کئے جاتے، ان میں سے ایک مالِ غنیمت کی چوری ہے اور دوسرے سود کھانا (طبرانی)

۱۰۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو تم نے قرض دیا ہو اس کا ہدیہ بھی قبول نہ کرو ایسا نہ ہو اس نے یہ ہدیہ قرض کے عوض میں دیا ہو جو سود ہے اس لیے اس کے ہدیہ قبول کرنے سے بھی احتیاط چاہیئے۔

ربا کی تعریف اور اس کی حقیقت اور اس کی دنیوی تباہ کاری کے متعلق قرآن مجید کی سات آیتیں اور احادیث نبویہ کے دس ارشادات درس معارف کے سلسلہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ سوچنے سمجھنے والے مسلمان کے لیے اتنا کافی ہے۔ اس سے زیادہ تفصیل کی نہ اس جگہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت واللہ ولی التوفیق

(منقول از معارف القرآن، مؤلفہ مفتی محمد شفیعؒ)

خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ سودی کاروبار سے تین نقصانات ہیں ایک تو دولت سمٹ کر چند مخصوص ہاتھوں میں چلی جاتی ہے اور دوسرا اس سے ایک طرح کا انجماد پیدا ہوتا ہے اور تیسرا غریب، غریب سے غریب تر ہو جاتا ہے اس کو قدرتی وسائل سے کھلا فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہیں ملتا اس لیے شریعت نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔

ادھار کے اصول و ضوابط

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا	اے ایمان والو جب تم کسی
اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ	وقت مقرر تک آپس میں ادھار
اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی	کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا
فَاکْتُبُوْہُ وَلْیَکْتُبْ	کرو اور چاہیئے کہ تمہارے
بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ	درمیان لکھنے والا انصاف سے
وَلَا یَاْبَ کَاتِبٌ اَنْ	لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے
یَّکْتُبَ کَمَا عَلَّمَہُ	انکار نہ کرے جیسا کہ اس کو
اللّٰہُ فَلْیَکْتُبْ وَلْیُمْلِلِ	اللہ نے سکھایا ہے سو اسے
الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ	چاہیئے کہ لکھ دے اور وہ
اللّٰہَ رَبَّہٗ وَلَا	شخص بتلاتا جائے کہ جس پہ
یَبْخَسْ مِنْہُ شَیْئًا	قرض ہے اور اللہ سے ڈرے
فَاِنْ کَانَ الَّذِیْ	جو اس کا رب ہے اور اس
عَلَیْہِ الْحَقُّ سَفِیْھًا	میں سے کچھ کم کر کے نہ لکھائے
اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا	پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض
یَسْتَطِیْعُ اَنْ	ہے بے وقوف ہے یا کمزور
یُّمِلَّ ھُوَ فَلْیُمْلِلْ	ہے یا وہ بتلا نہیں سکتا تو اس
وَلِیُّہٗ بِالْعَدْلِ	کا کارکن ٹھیک طور پر لکھوا

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ — اے اور اپنے مردوں میں سے
مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ — دو گواہ کر لیا کرو پھر اگر دو
لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ — مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو
فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ — عورتیں ان لوگوں میں سے
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ — جنہیں تم گواہوں میں سے
الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ — پسند کرتے ہو تاکہ اگر ایک ان
اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ — میں سے بھول جائے، تو
اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ — دوسری اسے یاد دلا دے
وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ — اور جب گواہوں کو بلایا جائے
اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا تَسْئَمُوْا — تو انکار نہ کریں۔ اسکی میعاد تک لکھنے
اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا — میں سستی نہ کرو۔ خواہ یہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا
اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ — یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک
ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ — انصاف کو زیادہ قائم رکھنے
اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ — والا ہے اور شہادت کا زیادہ
وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا — درست رکھنے والا ہے اور
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً — زیادہ قریب ہے اس بات کے
حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا — کہ تم کسی شبہ میں نہ پڑو مگر
بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ — یہ کہ سوداگری ہاتھوں ہاتھ ہو
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ — جسے آپس میں لیتے دیتے ہو
وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا — پھر تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اسے
تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا — نہ لکھو اور جب آپس میں سودا

يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ ۚ
وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ
فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝
وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ
وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا
فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ
اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا
فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ
اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ
رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا
الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ
يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ
قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

(سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲، ۲۸۳)

کرو تو گواہ بنا لو اور لکھنے
والے اور گواہ بننے والے کو
تکلیف نہ دی جائے اور اگر تم
نے تکلیف دی تو تمہیں گناہ ہوگا
اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں
سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کا
جاننے والا ہے اور اگر تم سفر
میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ
تو گروی پر قبضہ کیا جائے اور
اگر ایک تم میں سے دوسرے پر
اعتبار کرے تو چاہیئے کہ وہ شخص
امانت ادا کرے جس پر اعتبار کیا
گیا اور اپنے اللہ سے ڈرو جو اس
کا رب ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ
اور جو شخص اسے چھپائے گا تو
بیشک اس کا دل گنہگار ہے اور جو
کچھ تم کرتے ہو اللہ خوب جانتا ہے

تفسیر

قرآن مجید کے جتنے احکامات یا منہیات ہیں ان پر عمل کرانے کے لیے عجیب اسلوب حکیم رکھا ہے کہ ہر حکم کے ساتھ ان پر عمل کرنے کے فوائد دنیاوی اور اخروی بیان ہوتے ہیں اور خلاف ورزی پہ نقصان دنیاوی اور اخروی بیان ہوتا ہے

ادھار دینے کی برکات اور فوائد

اب یہاں ہم سب سے پہلے نفس ادھار دینے کے دنیاوی فوائد عرض کرتے ہیں جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بزبان خود بیان فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ	ابوہریرہ رضؓ نے جناب رسول اللہ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ ذَكَرَ	ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل کے
اَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِیْ	ایک آدمی کا ذکر کیا کہ اس نے
اِسْرَائِیْلَ سَاَلَ بَعْضَ	بنی اسرائیل کے ایک آدمی سے
بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَنْ	ایک ہزار دینار قرض مانگا، تو
یُسْلِفَهٗ اَلْفَ دِیْنَارٍ	اس نے کہا کہ گواہ لاؤ کہ میں ان
فَقَالَ اِیْتِنِیْ بِشُهَدَآءَ	کو گواہ مقرر کروں تو اس نے
اُشْهِدُهُمْ فَقَالَ كَفٰى	کہا کہ اللہ گواہ کافی ہے اس
بِاللّٰهِ شَهِیْدًا قَالَ	نے کہا ضامن لاؤ اس نے کہا
اِیْتِنِیْ بِكَفِیْلٍ قَالَ	اللہ ضامن کافی ہے تو اس
كَفٰى بِاللّٰهِ كَفِیْلًا قَالَ	نے کہا کہ تو نے سچ کہا ہے تو
صَدَقْتَ فَدَفَعَ اِلَیْهِ	پھر اس نے ایک مقررہ تاریخ
اِلٰى اَجَلٍ مُسَمًّى	تک اسے وہ دینار دے دیئے
فَخَرَجَ فِی الْبَحْرِ	تو وہ سمندر میں کام کرنے

فَقَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ	لگا اور اپنی ضرورت پوری کی،
اِلْتَمَسَ مَرْكَبًا يَقْدِمُ	پھر اس نے سواری تلاش کرنا
عَلَيْهِ لِلْاَجَلِ الَّذِىْ	شروع کی تاکہ مقررہ تاریخ پر
اَجَّلَهٗ فَلَمْ يَجِدْ	وہ اس آدمی کے پاس پہنچے،
مَرْكَبًا فَاَخَذَ خَشَبَةً	لیکن اسے سواری نہ ملی، پھر
فَنَقَرَهَا فَاَدْخَلَ فِيْهَا	اس نے ایک لکڑی لے کر
اَلْفَ دِيْنَارٍ وَصَحِيْفَةً	اس میں سوراخ کیا اور اس میں
مَعَهَا اِلٰى صَاحِبِهَا	وہ ایک ہزار دینار ڈالے اور
ثُمَّ زَجَّجَ مَوْضِعَهَا	اس مالک کے نام ایک خط لکھا
ثُمَّ اَتٰى بِهَا الْبَحْرَ	پھر اس کو بھی اس کے ساتھ رکھا
ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنَّكَ	پھر اس کو سمندر کے پاس لایا
قَدْ عَلِمْتَ اَنِّىْ اِسْتَسْلَفْتُ	پھر کہا کہ اے اللہ آپ جانتے
فُلَانًا اَلْفَ دِيْنَارٍ	ہیں کہ میں نے فلاں سے ایک
فَسَاَلَنِىْ كَفِيْلًا فَقُلْتُ	ہزار دینار قرض مانگا تھا، تو
كَفٰى بِاللّٰهِ كَفِيْلًا فَرَضِىَ	اس نے مجھ سے کفیل مانگا تو
بِذٰلِكَ وَسَاَلَنِىْ	میں نے کہا اللہ کفیل کافی ہے
شَهِيْدًا فَقُلْتُ كَفٰى	پھر اس پر وہ راضی ہو گیا اور
بِاللّٰهِ شَهِيْدًا فَرَضِىَ	پھر اس نے مجھ سے گواہ مانگا
بِذٰلِكَ وَاِنِّىْ قَدْ	تو میں نے کہا کہ اللہ گواہ کافی
جَهَدْتُّ اَنْ اَجِدَ	ہے تو اس پر وہ راضی ہو گیا
مَرْكَبًا اَبْعَثُ بِهَا	اور میں نے بڑی کوشش کی

اِلَیْہِ بِالَّذِیْ اَعْطَانِیْ	ہے کہ مجھے کوئی سواری ملے
فَلَمْ اَجِدْ مَرْکَبًا	تاکہ میں اس کو وہ دینار دے
وَاِنِّیْ اسْتَوْدَعْتُکَھَا	دوں جو اس نے مجھے دیئے
فَقَذَفَ بِھَا فِیْ	ہیں مگر مجھے کوئی سواری نہیں
الْبَحْرِ حَتّٰی وَلَجَتْ	ملی اور میں یہ تیرے سپرد کرتا
فِیْہِ ثُمَّ انْصَرَفَ	ہوں پھر وہ لکڑی اس نے
وَھُوَ فِیْ ذَالِکَ	سمندر میں پھینک دی یہانتک
یَطْلُبُ مَرْکَبًا اِلٰی	کہ وہ اس سمندر میں داخل ہوگئی
بَلَدِہٖ فَخَرَجَ الرَّجُلُ	پھر وہ لوٹا اور سواری تلاش
الَّذِیْ کَانَ اَسْلَفَہٗ	کرنے لگا تاکہ اس گاؤں تک
یَنْظُرُ لَعَلَّ مَرْکَبًا	پہنچے اور ادھر سے وہ شخص نکلا
تَجِیْئُہٗ بِمَالِہٖ فَاِذَا	جس نے قرض دیا تھا شاید کہ
بِالْخَشَبَۃِ الَّتِیْ فِیْھَا	اس کے پاس کوئی سواری آئے
الْمَالُ فَاَخَذَھَا لِاَھْلِہٖ	جو اس کا مال لے آئے، تو
حَطَبًا فَلَمَّا کَسَرَھَا	اچانک اس کو وہی لکڑی نظر
وَجَدَ الْمَالَ وَالصَّحِیْفَۃَ	آئی جس میں مال تھا تو اس نے
ثُمَّ قَدِمَ الرَّجُلُ	اپنے گھر کی لکڑیوں کے لیے
الَّذِیْ کَانَ تَسَلَّفَ	اسے پکڑ لیا جب اس کو توڑا
مِنْہُ فَاَتَاہُ بِاَلْفِ	تو اس میں مال اور خط تھا۔ پھر وہ
دِیْنَارٍ وَقَالَ وَاللّٰہِ	شخص خود بھی آگیا جس نے
مَا زِلْتُ جَاھِدًا	اس سے قرض لیا تھا پھر اس

فِی طَلَبِ مَرْکَبٍ لِاٰتِیَكَ بِمَالِكَ فَمَا وَجَدْتُ مَرْکَبًا قَبْلَ الَّذِیْ اٰتَیْتُ فِیْهِ قَالَ هَلْ کُنْتَ بَعَثْتَ اِلَیَّ بِشَیْءٍ قَالَ اَلَمْ اُخْبِرْكَ اَنِّیْ لَمْ اَجِدْ مَرْکَبًا قَبْلَ هٰذَا الَّذِیْ جِئْتُ فِیْهِ ۔ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَدّٰی عَنْكَ الَّذِیْ بَعَثْتَ بِهٖ فِی الْخَشَبَةِ فَانْصَرِفْ بِاَلْفِكَ رَاشِدًا

(ابن کثیر)

نے اسے ایک ہزار دینار اور دیا اور کہا اللہ کی قسم میں نے سواری ڈھونڈنے کی بڑی کوشش کی تاکہ تیرے پاس تیرا مال لے آؤں مگر مجھے اس سے پہلے سواری نہ ملی تو اس نے کہا کہ تو نے میری طرف کوئی چیز بھیجی تھی اس نے کہا میں نے تمہیں بتایا نہیں کہ مجھے سواری ہی نہیں ملی اس سے پہلے جس میں آتا۔ اس نے کہا کہ پھر اللہ نے تیری طرف سے ادا کر دیا ہے جو تو نے لکڑی میں ڈال کر میری طرف بھیجا تھا تم اپنا یہ ہزار دینار واپس لے جاؤ اللہ تیری رہنمائی کرے

تشریح حدیث

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ آدمی خلوص کے ساتھ اور رضائے الٰہی کے لیے دوسرے کو ادھار دے اور وہ ادھار لینے والے کے دل میں بھی یہ خلوص ہو اور اس سلسلہ میں وہ جدوجہد بھی کرے تو اللہ پاک

دونوں کی نصرت فرماتے ہیں اور غیب سے ان کی ضروریات پوری کرتے ہیں چنانچہ مندرجہ ذیل حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ یُرِیْدُ اَدَاءَهَا اَدَّی اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَ یُرِیْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ۔ (بخاری)	حضرت ابوہریرہؓ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جو شخص لوگوں سے مال واپس دینے کی نیت سے لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کریگا اور جو حق تلفی کرنے کی نیت سے لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو تلف کرے گا۔

تشریح حدیث

یعنی اگر کوئی شخص اس نیت سے قرض لیتا ہے کہ میں نے یہ واپس دینا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی واپسی کے اسباب پیدا فرماتے ہیں کہ وہ ادھار واپس کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے اور اگر یہ نیت ہے کہ اس کو واپس نہیں دینا اور اس کو دھوکہ دینا چاہتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے مال کو تلف اور تباہ کر دیں گے اور اب ذیل میں ایک وظیفہ نقل کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کسی پہ اُحد پہاڑ جیسا قرض ہو تو اس کے پڑھنے سے اللہ پاک وہ بھی اتار دیں گے اور اس کے علاوہ بھی فراوانی رزق حلال کے لیے یہ وظیفہ بہت مجرّب

ہے جتنا زیادہ پڑھا جائے گا اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوگا۔

دعا برائے ادائیگی قرض

ہر فرض نماز کے بعد کم از کم تین مرتبہ پڑھیں

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ	اے اللہ مجھے اپنا حلال عطا
بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ	فرما کر حرام سے بچا اور مجھے
وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ	اپنے فضل سے اپنے غیب
عَمَّنْ سِوَاكَ اَللّٰهُمَّ	سے مستغنی فرما اے اللہ ملک
مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي	کے مالک دیتے ہیں آپ ملک
الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ	جسے چاہیں اور چھین لیتے
وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ	ہیں جس سے چاہیں اور عزت
مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ	دیتے ہیں جسے چاہیں اور
مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ	ذلت دیتے ہیں جسے چاہیں
مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ	آپ کے ہاتھ میں بھلائی ہے
الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى	آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ دنیا
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	اور آخرت کے بیحد مہربان
رَحْمٰنَ الدُّنْيَا	اور خاص شفقت والے آپ
وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا	ہی ہیں وہ دونوں دیتے ہیں
تُؤْتِيْهِمَا مَنْ	جس کو چاہیں اور روک لیتے
تَشَاءُ وَتَمْنَعُهُمَا مِمَّنْ	ہیں جس سے چاہیں۔ مجھ پہ

تَشَآءُ اِرْحَمْنِیْ رَحْمَۃً	ایسی رحمت فرما جو مجھے تیرے
تُغْنِیْنِیْ بِھَا عَمَّنْ سِوَاکَ	غیروں سے بے پرواہ کر دے

قرض کی واپسی میں بلا عذر تاخیر کرنا ظلم ہے

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ	ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ	وسلم نے فرمایا غنی کا تاخیر کرنا ظلم
مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ	ہے۔ جب تم میں سے کوئی
فَاِذَا اُتْبِعَ اَحَدُکُمْ	غنی کے پاس جائے تو اسے
عَلٰی مَلِیٍّ فَلْیَتْبَعْ۔	چاہیئے کہ اس کی بات مانے۔

(متفق علیہ)

تشریح حدیث

محدثین حضرات نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی کے تین احتمالات لکھے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ قرض دار کو قرض واپس کرنے کی طاقت اور مقدور ہے مگر وہ واپس نہ کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ قرض دار کسی امیر سے کہے کہ میں نے فلاں کا قرض دینا ہے اور میری طاقت نہیں ہے تم میری طرف سے ادا کر دو میں تمہیں دے دونگا اور وہ ادا نہ کرے اور تیسری صورت یہ ہے کہ ایک غریب ضرورت مند امیر سے کہے کہ میری فلاں چیز تم مجھ سے خرید لو اور وہ اس پر قادر ہونے

اور اس کا کاروباری ہونے کے باوجود نہ خریدے یہ تینوں صورتیں ظلم کی ہیں۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ امیر کے پاس جو مال ہے وہ رفاع عامہ کے لیے ہے اس کے ساتھ اب اس محتاج کا حق متعلق ہو گیا ہے۔ اس کا اوّلیں فریضہ یہ ہے کہ ایسے تنگ دست کی صدقہ یا زکوٰۃ سے اعانت کرے اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اسے قرض دے یا اس کی کوئی چیز خریدے تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے اگر ایسا نہیں کرے گا تو گویا کہ یہ اس محتاج کا حق روکنے والا ہے اس لیے اس کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم فرمایا ہے پس ثابت ہوا کہ قرض نہ دینا بھی ظلم ہے اور واپس نہ کرنا بھی ظلم ہے۔

قرض واپس کرتے وقت مالک کو کچھ زیادہ دینا چاہیئے

عَنْ سُوَيْدِ ابْنِ	سوید بن قیس سے روایت
قَيْسٍ قَالَ جَلَبْتُ	ہے انہوں نے فرمایا کہ میں
اَنَا وَ مَخْرَفَةُ الْعَبْدِيُّ	اور مخرفہ عبدی ھجر سے کپڑا
بَزًّا مِنْ هَجَرٍ فَاَتَيْنَا	لائے اور لے بیچنے کے
بِهٖ مَكَّةَ فَجَاءَنَا	لیے مکہ لے گئے۔ پھر رسول اللہ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ	پیدل تشریف لائے اور ہم
فَسَاوَمَنَا بِسَرَاوِيْلَ	سے پائیجامہ کا نرخ چکایا پھر

فَبِعْنَاهُ وَ ثَمَّ رَجُلٌ	ہم نے وہ آپ پر بیچ دیا اور وہاں
يَزِنُ بِالْاَجْرِ فَقَالَ لَهُ	ایک آدمی مزدوری پر تول رہا تھا
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وَسَلَّمَ زِنْ وَ اَرْجِحْ	وسلم نے فرمایا تول اور جھکتا ہوا
(رواہ احمد و ابو داود)	تول۔
وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ	اور حضرت جابر نے فرمایا کہ میرا
لِيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى	نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض تھا تو
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ	آپ نے وہ مجھے واپس دیا اور
فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ	زیادہ بھی دیا۔

(ابو داود)

تشریح احادیث

یہاں اس باب میں دو احادیث ہیں ایک سوید بن قیس والی اور دوسری جابر والی۔ سوید والی حدیث میں آپ کا فرمان ہے کہ چیز کو وزن یا تول کر جب دو تو کچھ زیادہ دو اور جابر والی حدیث میں آپ کا فعل ہے کہ جب آپ نے جابر کو قرض واپس دیا تو ساتھ کچھ زیادہ بھی دیا اور یہ سود نہیں ہے کیونکہ سود اس وقت بنتا ہے جب کہ شرط عائد کر دی جائے کہ میں نے قرض کے ساتھ اتنا منافع لینا ہے یا دینا ہے۔ اگر قرض دار اپنی طرف سے مالک کو کچھ دیدے تو یہ مستحسن ہے اور ان اللہ یامر بالعدل والاحسان کا عملی نمونہ ہے اور اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ فراخ دلی سے دوسروں کو قرض دیں گے۔

قرض واپس کرتے وقت مالک کے لیے دعا اور اس کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہیئے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ رَبِیْعَةَ قَالَ اِسْتَقْرَضَ مِنِّیْ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِیْنَ اَلْفًا فَجَاءَهٗ مَالٌ فَدَفَعَهٗ اِلَیَّ فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ (النسائی)	عبداللہ بن ابی ربیعہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس ہزار درہم قرض لیے پھر جب آپ کے پاس مال آگیا تو آپ نے مجھے واپس کر دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے تیری اہل اور مال میں برکت دے بے شک قرض کا بدلہ شکر اور ادائیگی ہے

تشریح حدیث

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو قرض دینا یہ اس پر احسان ہے اور اس کا بدلہ چکانے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ اسے کچھ زیادہ دیدیا جائے اس کی تفصیل پہلے باب میں گزر گئی ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے لیے اس کی اہل اور مال میں برکت کی دعا کی جائے اور یہ دعا جب خلوص کے ساتھ ہو گی تو یقیناً قبول بھی ہو گی۔

قرض دار کو مہلت دینے یا اسے معاف کرنے کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ یُدَایِنُ النَّاسَ فَكَانَ یَقُوْلُ لِفَتَاهُ اِذَا اَتَیْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَتَجَاوَزَ عَنَّا قَالَ فَلَقِیَ اللّٰهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ (متفق علیہ)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی تھا جو لوگوں کو قرض دیتا تھا اور اپنے اہل کار سے کہتا جب تو تنگ دست کے پاس جائے تو اس سے درگزر کرنا شاید کہ اللہ تعالے ہم سے درگزر کرے۔ آپ نے فرمایا پھر وہ اللہ سے ملا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر کیا۔

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُنْجِیَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلْیُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ یَضَعْ عَنْهُ۔ (مسلم)

ابی قتادہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو خوش لگے یہ بات کہ اللہ تعالے اس کو قیامت کی سختیوں سے نجات دے تو اسے چاہیئے کہ تنگدست کو مہلت دے یا اس سے قرضہ موقوف کر دے۔

وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَنْجَاهُ اللّٰهُ مِنْ كَرْبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ (مسلم)

اور ابی قتادہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے جو تنگ دست کو مہلت دے یا اس کا قرض موقوف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسکو قیامت کی سختیوں سے نجات دینگے۔

وَعَنْ اَبِي الْيَسَرِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ ۔ (مسلم)

اور ابی یسر سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو تنگ دست کو مہلت دے یا اس سے قرض موقوف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں جگہ دیں گے۔

وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ عَلٰى رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ اَخَّرَهٗ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ (احمد)

عمران ابن حصین سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی آدمی کا کسی پر اگر حق ہو اور وہ اس کو مہلت دے دے تو ہر دن کے بدلے اس کو صدقہ کا ثواب ملے گا۔

تشریح احادیث

ان احادیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ دست سے قرض معاف کرنے یا اسے مہلت دینے کی دو فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے قیامت کی سختیوں سے نجات عطا فرمائیں گے اور دوسری فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ میں جگہ دیں گے اور یہ احادیث دراصل قرآن کریم کی اس آیت (وان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیرلکم) کی تشریح ہیں جو بحث ربا میں گزر گئی ہے۔

اگر مبیعہ موجود ہو تو بائع مفلس سے بیع توڑ کر اپنا مبیعہ واپس لے سکتا ہے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ	ابوہریرہ سے روایت ہے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم نے فرمایا جو مفلس ہو
اَیُّمَا رَجُلٍ اَفْلَسَ	جائے اور دوسرا آدمی بقیہ
فَاَدْرَکَ رَجُلٌ مَالَہٗ	اپنا مال اس کے پاس موجود
بِعَیْنِہٖ فَھُوَ اَحَقُّ	پائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار
بِہٖ مِنْ غَیْرِہٖ۔	ہے دوسروں کی بنسبت۔

(متفق علیہ)

تشریح حدیث

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اگر حاکم وقت نے قرض دار کو مفلس قرار دے دیا اور اس کے پاس اگر کچھ مال ہو اور قرض خواہ بھی کوئی ایک ہی ہو تو وہ اپنا وہ مال لے سکتا ہے اور اس بیع کو فسخ کر سکتا ہے اور اگر قرض خواہ بہت سے ہوں اور ان میں سے کسی ایک کا مبیعہ بعینہٖ موجود ہو تو باقیوں کی بہ نسبت وہ اس کا زیادہ حق دار ہے اور اگر قرض خواہ زیادہ ہوں اور ان میں سے کسی کا مبیعہ بعینہٖ موجود نہ ہو مگر اس قرض دار کے پاس کچھ نہ کچھ مال موجود ہو تو وہ سارے اسے آپس میں برابر تقسیم کریں گے جتنا جتنا آ سکتا ہو۔

عَنْ اَبِیْ خَلْدَۃَ	ابی خلدہ زرقی سے روایت
الزُّرَقِیِّ قَالَ جِئْنَا	ہے کہ ہم ایک صاحب کے
اَبَا ھُرَیْرَۃَ فِیْ صَاحِبٍ	بارے میں ابوہریرہ کے پاس
لَنَا قَدْ اَفْلَسَ فَقَالَ	گئے جو تنگ دست ہو گیا تھا
ھٰذَا الَّذِیْ قَضٰی	تو اس نے کہا کہ یہی ہے وہ
فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی	چیز جس کے بارے میں
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رَجُلٍ مَاتَ اَوْ اَفْلَسَ	نے فیصلہ کیا تھا کہ جو بھی آدمی
فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ اَحَقُّ	مر جائے یا تنگ دست ہو جائے
بِمَتَاعِہٖ اِذَا وَجَدَہٗ	تو سامان کا مالک زیادہ حق دار
بِعَیْنِہٖ (شافعی و ابن ماجہ)	ہے اپنے سامان کا جب اس

کو بعینہٖ موجود پائے۔

تشریح حدیث

یہ حدیث پہلی حدیث کی تائید کرتی ہے البتہ اس میں اتنا اضافہ ہے کہ فوت ہو جانے والے مفلس کا بھی وہی حکم ہے جو زندہ مفلس کا ہے اور یہ ابوہریرہ کا فتویٰ ہے اور انہوں نے اپنی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی پیش کیا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مفلس ہونے کا حکم قاضی لگائے گا۔

قرض میں جانور دینا ہو تو عمدہ دینا چاہیئے

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ اِسْتَسْلَفَ	ابو رافع سے روایت ہے کہ
رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَکْرًا	وسلم نے ایک جوان اونٹ
فَجَاءَتْہُ اِبِلٌ مِّنَ	ادھار لیا پھر آپ کے پاس
الصَّدَقَۃِ قَالَ اَبُوْ	صدقہ کے اونٹ آئے تو ابو
رَافِعٍ فَاَمَرَنِیْ اَنْ	رافع نے کہا کہ مجھے آپ نے
اَقْضِیَ الرَّجُلَ بَکْرَۃً	حکم دیا کہ میں اس کو جوان اونٹ
فَقُلْتُ لَا اَجِدُ اِلَّا	دوں تو میں نے کہا کہ میرے
جَمَلًا خِیَارًا رُبَاعِیًّا	پاس تو اس سے بہتر سات سال
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی	کا اونٹ ہے تو رسول اللہ
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطِہٖ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اِيَّاهُ فَاِنَّ خَيْرَ النَّاسِ اَحْسَنُهُمْ قَضَاءً (مسلم)

تم وہ اونٹ اس کو دے دو بے شک بہترین لوگوں میں سے وہ ہے جو قرض ادا کرنے میں سب سے اچھا ہو۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلاً تَقَاضٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ اَصْحَابُهٗ فَقَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالاً وَاشْتَرُوْا لَهٗ بَعِيْرًا فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ قَالُوْا لَا نَجِدُ اِلَّا اَفْضَلَ مِنْ سِنِّهٖ قَالَ اشْتَرُوْهُ فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ فَاِنَّ خَيْرَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً (متفق علیہ)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قرض کا تقاضا کیا اور آپ کے ساتھ سختی کی تو آپؐ کے صحابہؓ نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو حق دار کو بولنے کا حق ہے اور اسے ایک اونٹ خرید کر دے دیں تو انہوں نے کہا نہیں پاتے ہم مگر بہتر اس کی عمر سے۔ آپ نے فرمایا وہ خرید کر اسے دے دو۔ بے شک تم میں بہتر وہ ہے جو اچھا ہو قرض کی ادائیگی کے لحاظ سے۔

تشریح حدیث

اس سے پہلے ایک مضمون گزرا ہے کہ قرض دار کو چاہیئے کہ قرض واپس کرتے وقت اصل سے کچھ زیادہ مالک کو دے مگر وہ تو وہ صورت ہے جب کہ درہم یا دنانیر ہوں اور اگر جانور کو قضا میں ادا کرنا ہے تو اس کی صورت ان دو احادیث میں بیان فرمائی ہے کہ عمدہ جانور دینا چاہیئے، ناقص اور گھٹیا جانور نہیں دینا چاہیئے۔

مالک کو چاہیئے کہ مفلس کو قرض کا کچھ حصّہ چھوڑ دے

عَنْ كَعْبِ ابْنِ مَالِكٍ	کعب ابن مالک سے روایت
اَنَّهٗ تَقَاضٰى ابْنَ	ہے کہ انہوں نے ابن ابی حدرد
اَبِىْ حَدْرَدٍ دَيْنًا	سے اپنے قرض کا تقاضا کیا
لَهٗ عَلَيْهِ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ	جو اس کا اس پہ تھا۔ رسول اللہ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
فِى الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ	میں مسجد نبوی میں یہ واقعہ پیش
اَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى	آیا تو ان دونوں کی آوازیں بلند
سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ	ہوئیں یہاں تک کہ رسول اللہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے
وَهُوَ فِىْ بَيْتِهٖ	گھر میں وہ آوازیں سنیں، تو
فَخَرَجَ اِلَيْهِمَا رَسُوْلُ	آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	پاس آئے یہاں تک کہ آپ کے
حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ	حجرے کا پردہ بھی کھلا رہ گیا
حُجْرَتِهٖ وَ نَادٰى	اور پکارا کعب ابن مالک کو اور
كَعْبَ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ	فرمایا اے کعب اس نے کہا
يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ	حاضر ہوں یا رسول اللہ تو آپ
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَشَارَ	نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا
بِيَدِهٖ اَنْ ضَعِ الشَّطْرَ	کہ تو اپنے قرض کا آدھا حصہ
مِنْ دَيْنِكَ قَالَ	چھوڑ دے تو کعب نے
كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَا	کہا میں نے چھوڑ دیا ہے
رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ	یا رسول اللہ تو آپ نے اسے
فَاقْضِهٖ ۔	فرمایا تو اٹھ کر اس کا قرض ادا کر

(متفق علیہ)

تشریح حدیث

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ مالک اگر قرض دار کو سارا قرض نہیں چھوڑتا تو اسے کچھ چھوڑ دینا چاہیئے اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ حاکم کو بھی اسی طرح تصفیہ کرانا چاہیئے جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصفیہ کرایا تھا یہ مالک پر زیادتی نہیں ہے کیونکہ اس کی رضا شامل ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تصفیہ کرانا حاکمانہ نہیں تھا بلکہ ایک سفارش ہے اسی طرح حاکم بھی ایسی سفارش کر سکتا ہے اور قرض خواہ پر یہ سفارش قبول کرنا ضروری نہیں

ہے اس کی مرضی ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے حاکم اس سلسلہ میں جبر نہیں کر سکتا واللہ اعلم بالصواب۔

مقروض مرجائے تو قرض تقسیم وراثت سے پہلے ادا کیا جائیگا

عَنْ سَعْدِ ابْنِ	سعد بن اطول سے روایت
الْأَطْوَلِ قَالَ كَانَ	ہے اس نے کہا کہ میرا بھائی
أَخِي وَ تَرَكَ ثَلٰثَمِائَةَ	مر گیا اور اس نے تین سو دینار
دِيْنَارٍ وَ تَرَكَ وَلَدًا	چھوڑے اور چھوٹے چھوٹے
صِغَارًا فَأَرَدْتُ أَنْ	بچے چھوڑے میں نے ارادہ
أُنْفِقَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ	کیا کہ ان پر خرچ کروں تو مجھے
لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	نے فرمایا کہ تیرا بھائی اپنے
إِنَّ أَخَاكَ مَحْبُوْسٌ	قرضے کے بدلے گرفتار ہے
بِدَيْنِهِ فَاقْضِ	تو اس کی طرف سے قرض ادا
عَنْهُ قَالَ فَذَهَبْتُ	کر اس نے کہا کہ پھر میں گیا
فَقَضَيْتُ عَنْهُ ثُمَّ	اور میں نے اس کا قرض اتارا
جِئْتُ فَقُلْتُ يَا	میں پھر آیا اور میں نے کہا کہ
رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ	میں نے قرض اتار دیا یا رسول اللہ
قَضَيْتُ عَنْهُ وَلَمْ	صرف ایک عورت باقی رہ
تَبْقَ إِلَّا امْرَأَةٌ	گئی ہے جو دو دینار کا دعوی

تَدَّعِیْ دِیْنَارَیْنِ	کرتی ہے اور اس کے پاس
وَلَیْسَتْ لَهَا بَیِّنَةٌ	گواہ نہیں ہے ۔ آپؐ نے
قَالَ اَعْطِهَا فَاِنَّهَا	فرمایا کہ اس کو دیدو بے شک
صَادِقَةٌ (رواہ احمد)	وہ سچی ہے ۔
عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ	محمد بن عبداللہ بن جحش سے
عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ جَحْشٍ قَالَ	روایت ہے کہ ہم مسجد کے
كُنَّا جُلُوْسًا بِفِنَاءِ	صحن میں بیٹھے ہوئے تھے
الْمَسْجِدِ حَيْثُ يُوْضَعُ	جہاں جنازے رکھے جاتے ہیں
الْجَنَائِزُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے
جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنَا	تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى	وسلم نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهٗ	اٹھائی پھر دیکھا پھر نگاہ نیچی کر لی
قِبَلَ السَّمَاءِ فَنَظَرَ	اور اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا،
ثُمَّ طَاْطَاَ بَصَرَهٗ	فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ کیا سختی اتر گئی ۔
وَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى	اس نے کہا کہ ہم اس دن اور
جَبْهَتِهٖ قَالَ سُبْحَانَ	رات خاموش رہے تو ہم نے
اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا	بھلائی کے سوا کچھ نہ دیکھا یہاں
نَزَلَ مِنَ التَّشْدِيْدِ قَالَ	تک کہ ہم نے صبح کی ۔ محمد نے
فَسَكَتْنَا يَوْمَنَا وَلَيْلَتَنَا	کہا پھر میں نے رسول اللہ صلی
فَلَمْ نَرَ اِلَّا خَيْرًا حَتّٰى	اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون

أَصْبَحْنَا قَالَ مُحَمَّدٌ فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا التَّشْدِيْدُ الَّذِي نَزَلَ فَقَالَ فِي الدَّيْنِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ أَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يُقْضٰى دَيْنُهٗ

سی ہے وہ سختی جو اتری ہے تو آپ نے فرمایا قرض کے بارے میں ہے اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی محمدؐ کی جان اس کے ہاتھ میں ہے کہ اگر کوئی آدمی اللہ کے راستے میں قتل کیا جائے پھر زندہ ہو پھر اللہ کے راستے میں قتل کیا جائے پھر زندہ ہو پھر اللہ کے راستے میں قتل کیا جائے پھر زندہ ہو اور اس پر قرض ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔

(احمد)

قرض معاف نہیں ہوتا

عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ

سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو اچانک ایک جنازہ لایا گیا اور انہوں نے کہا کہ اس کا جنازہ پڑھائیں تو آپ نے فرمایا اس

فَقَالُوا لَا فَصَلّٰی عَلَیْهَا	پر قرض ہے انہوں نے کہا نہیں
ثُمَّ اُتِیَ بِجَنَازَۃٍ اُخْرٰی	تو آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی
فَقَالَ هَلْ عَلَیْهِ دَیْنٌ	پھر ایک اور جنازہ لایا گیا تو آپ
قِیْلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ	نے فرمایا کہ اس پر قرض ہے
تَرَكَ شَیْئًا قَالُوْا	کہا گیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا
ثَلٰثَةُ دَنَانِیْرَ فَصَلّٰی	اس نے کچھ چھوڑا ہے۔ انہوں
عَلَیْهَا ثُمَّ اُتِیَ	نے کہا تین دینار تو آپ نے اس
بِالثَّالِثَةِ فَقَالَ هَلْ	کی نماز جنازہ پڑھائی پھر تیسرا جنازہ
عَلَیْهِ دَیْنٌ قَالُوْا ثَلٰثَةُ	لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس پر
دَنَانِیْرُ قَالَ هَلْ	قرض ہے انہوں نے کہا تین
تَرَكَ شَیْئًا قَالُوْا لَا قَالَ	دینار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس
صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِكُمْ قَالَ	نے کچھ چھوڑا ہے انہوں نے
اَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَیْهَا	کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تم اپنے
یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَیَّ	ساتھی کی نماز جنازہ پڑھاؤ ابو قتادہ
دَیْنُهٗ فَصَلّٰی عَلَیْهِ۔	نے کہا کہ آپ اس کی نماز جنازہ
(بخاری)	پڑھائیں یا رسول اللہ اس کے
	قرض کی ادائیگی مجھ پر ہے پھر
	آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ	ابی قتادہ سے روایت ہے کہ
قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ	ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ
اللّٰهِ اَرَءَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ	کیا گمان ہے آپ کا اگر میں اللہ

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ صَابِرًا — کے راستے میں قتل کیا جاؤں صبر
مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَیْرَ — کرنے والا ثواب گمان کرنے
مُدْبِرٍ یُکَفِّرُ اللّٰہُ — والا چہرہ دکھانے والا پیٹھ نہ
عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ — پھیرنے والا اللہ میرے گناہ معاف
رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ — کردے گا تو رسول اللہ صلی اللہ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ — علیہ وسلم نے فرمایا ہاں پھر جب
فَلَمَّا اَدْبَرَ نَادَاہُ فَقَالَ — وہ چلا گیا تو بلایا اسے اور فرمایا
نَعَمْ اِلَّا الدَّیْنَ — ہاں مگر قرض اسی طرح کہا ہے
کَذَالِکَ قَالَ جِبْرَائِیْلُ — جبرائیل نے۔
(مسلم)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ — عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے
عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی — کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ — علیہ وسلم نے فرمایا ہر شہید کے
یُغْفَرُ لِکُلِّ شَہِیْدٍ — گناہ بخش دیئے جاتے ہیں مگر
ذَنْبٍ اِلَّا الدَّیْنُ (مسلم) — قرض نہیں بخشا جاتا۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ — ابوہریرہ سے روایت ہے
کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ — کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُؤْتٰی — علیہ وسلم کے پاس جب کوئی
بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفّٰی عَلَیْہِ — فوت شدہ آدمی لایا جاتا جس پر
الدَّیْنُ فَیَسْئَلُ ھَلْ تَرَکَ — قرض ہوتا تو آپ پوچھتے تھے
لِدَیْنِہٖ قَضَاءً فَاِنْ — کیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی

حُدِّثَ اَنَّهٗ تَرَكَ وَفَاءً صَلّٰى وَاِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِيْنَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْفُتُوْحَ قَامَ فَقَالَ اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاءُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهٖ

(متفق علیہ)

کے لیے کچھ چھوڑا ہے پھر اگر بنایا جاتا کہ اس نے اپنے قرض کے لیے چھوڑا ہے تو جنازہ پڑھاتے ورنہ مسلمانوں کو فرماتے کہ تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھاؤ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتوحات عطا فرمائیں تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا میں مومنوں کے ساتھ ان کے نفسوں سے زیادہ قریب ہوں پس جو مومن فوت ہو جائے اور قرض چھوڑ دے تو اس کی ادائیگی مجھ پر ہے اور جو مال چھوڑے تو وہ اسکے وارثوں کا ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ بَرِيْءٌ مِنَ الْكِبْرِ وَالْغُلُوْلِ وَالدَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ

ثوبان سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مر جائے اور وہ کبر، دھوکے اور قرض سے بری ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(ترمذی و ابن ماجہ والدارمی)

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی — ابو موسیٰ نے جناب نبی کریم صلی
عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ — اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ — کہ اللہ کے نزدیک سب
اِنَّ اَعْظَمَ الذُّنُوْبِ — گناہوں میں سے بڑا گناہ ہے
عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ یَّلْقَاہُ — کہ ملے آدمی اس سے ساتھ اس
بِھَا عَبْدٌ بَعْدَ الْکَبَائِرِ — گناہ کے بڑے گناہوں کے بعد
الَّتِیْ نَھَی اللّٰہُ عَنْھَا — جن سے اللہ نے منع کیا ہے
اَنْ یَّمُوْتَ رَجُلٌ — کہ مرے آدمی اس حال میں کہ
وَعَلَیْہِ دَیْنٌ لَا یَدَعُ — اس پر قرض ہوا اور اس کی
لَہٗ قَضَاءً (احمد و ابی داؤد) — ادائیگی کے لیے کچھ نہ چھوڑے

تشریح احادیث

یہاں چھ احادیث ذکر کی گئی ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص مقروض مرجائے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھاتے تھے جب تک کہ اس کے قرض کا کوئی ضامن نہیں بنتا تھا یا اس کے قرض کے برابر اس کا متروکہ مال نہ ہوتا یہ تو آپ کا شروع دور کا معمول تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالی وسعت عطا [illegible] آپ نے واضح طور پر اعلان فرمایا تھا کہ جو مال چھوڑ کر مرجا[illegible] وہ مال اس کے وارثوں کا ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں [illegible] اور جو مفلس مقروض مرجائے تو اس کا قرض مجھ پر ہے چنانچہ آپ بیت المال میں سے ایسے لوگوں کے قرضے اتار دیتے تھے اور

ان کی نمازِ جنازہ بھی پڑھاتے تھے۔ آپ کے ان فرامین اور عملی نمونوں سے چار باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ ہے کہ مقروض کی نمازِ جنازہ ہو جاتی ہے تب ہی تو آپ صحابہؓ کو حکم دیتے تھے کہ تم اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھو اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے ضمانت جائز ہے اور تیسرا یہ معلوم ہوا کہ قرض معاف نہیں ہوتا کیونکہ یہ حقوق العباد ہے اور اللہ تعالیٰ حقوق العباد معاف نہیں کرتے جب تک کہ صاحبِ حق خود معاف نہ کرے اس لیے آپ کو ایسے لوگوں کے لیے معافی مانگنے کی اجازت نہیں تھی اور چوتھی یہ بات معلوم ہوئی کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرض واپس کرنے کی اہمیت اور ضرورت بتلانا چاہتے تھے۔

کیونکہ دورِ جاہلیت میں بعض لوگ ادھار یا قرض لے کر واپس نہیں کیا کرتے تھے اور ان کے اس ظالمانہ رویہ کو دیکھ کر مخیر حضرات نے ادھار یا قرض دینا ہی بند کر دیا تھا اور اس سے ہزاروں انسان مشکلات سے دوچار تھے اور یہ قرض واپس نہ کرنے والا صرف مالک پر ہی زیادتی نہیں کرتا بلکہ پورے مفلس معاشرہ پر ظلم کرتا ہے اس لیے آپ نے اس کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے تاکہ کارِ خیر کا یہ باب بند نہ ہو اور تعاون علی البر کا یہ سلسلہ جاری و ساری رہ سکے اور یہ دینِ متین سمجھانے کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ایک حکیمانہ طرز اختیار کی تھی جس کا اثر صحابہ پر یہ پڑا کہ دوسروں کے قرضے اور ادھار دینا تو کجا یہ مُردوں کی طرف سے بھی ان کے قرضوں کی ضمانتیں دیتے تھے۔

مفلس کا قرض ادا کرنے کے لئے دوسرے مسلمانوں کو تعاون کرنا چاہیئے

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ	ابی سعید سے روایت ہے کہ
اُصِیْبَ رَجُلٌ فِیْ	ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ
عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ	علیہ وسلم کے زمانہ میں پھلوں میں
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ ثِمَارٍ	نقصان ہوا جو اس نے خریدے
ابْتَاعَهَا فَكَثُرَ دَیْنُهٗ	تھے پھر اس کا قرض زیادہ ہو گیا
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی	تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا	نے فرمایا اس پر صدقہ کرو تو لوگوں
عَلَیْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ	نے اس پر صدقہ کیا مگر اس
عَلَیْهِ فَلَمْ یَبْلُغْ	سے اس کا قرض پورا نہ ہوا، تو
ذَالِكَ وَفَاءَ دَیْنِهٖ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ	اس کے قرض خواہوں سے فرمایا
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهٖ	لو جو تم نے پالیا ہے اور اس
خُذُوْا مَا وَجَدْتُّمْ وَلَیْسَ	کے سوا تمہارے لیے اور کچھ
لَكُمْ اِلَّا ذَالِكَ (مسلم)	بھی نہیں ہے۔

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کو کاروبار میں نقصان ہو جائے

اور اس پر قرض زیادہ ہو جائے اور اس کے قرض خواہ اس کا قرض معاف نہ کریں تو پھر باقی مسلمانوں کے لیے مناسب ہے کہ چندہ جمع کر کے اس کی امداد کریں تاکہ وہ قرضے سے اپنی گلوخاصی کر سکے اور وہ جمع شدہ چندہ قرض خواہوں میں مناسب طور پر تقسیم کر دیا جائے اگر وہ چندہ قرض کو کفایت نہ کرے تو بار بار اور چندے کی ضرورت نہیں ہے اور حاکم کو چاہیئے کہ ان سے کہے کہ تمہارے لیے یہ ہی کچھ ہے اور کچھ نہیں ہے جب تک اس کے پاس مال نہ آئے اس کو قید نہیں کر سکتے اور تنبیہ وغیرہ بھی نہیں کر سکتے اور جب اس کے پاس مال آجائے تو وہ قرض خواہ اپنے باقی ماندہ قرض کا مطالبہ کر سکتے ہیں کیونکہ قاضی کے فیصلہ سے قرض خواہوں کا حق ساقط نہیں ہو جاتا اور نہ وہ قرض قرضدار کے لیے حلال ہو جاتا ہے بلکہ صرف وہ پابندیوں کو ساقط کرا سکتا ہے کیونکہ پابندیاں عائد کرنے سے وہ محنت مشقت ہی نہیں کر سکے گا۔

مقروض کا مال قرض ادا کرنے کے لیے بیچا جا سکتا ہے

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ	عبد الرحمان بن کعب بن مالک
كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ	سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل
كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ	سخی جوان تھے اور وہ اپنے پاس
شَابًّا سَخِيًّا وَكَانَ	کوئی چیز روک کر نہیں رکھتے تھے
لَا يُمْسِكُ شَيْئًا فَلَمْ	اور مسلسل انہیں قرض دیتے
يَزَلْ يَدَّانُ حَتّٰى	تھے یہاں تک کہ اپنا سارا مال
اَغْرَقَ مَالَهُ كُلَّهُ فِي	قرض میں غرق کر دیا پھر نبی صلی اللہ

الدَّيْنِ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهٗ لِيُكَلِّمَ غُرَمَاءَهٗ فَلَوْ تَرَكُوْا لِأَحَدٍ لَتَرَكُوْا لِمُعَاذٍ لِأَجْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمْ مَالَهٗ حَتّٰى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ

(مشکوٰۃ المصابیح)

علیہ وسلم کے پاس آئے پھر آپ سے بات کی تاکہ آپ اس کے قرض خواہوں سے بات کریں پس اگر وہ کسی کے لیے چھوڑتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے معاذ کو چھوڑ دیتے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خاطر اس کا سارا مال بیچ دیا یہاں تک کہ معاذ سوائے کسی چیز کے رہ گئے۔

مقروض ٹال مٹول کرے تو اُسے گرفتار کر کے سزا بھی دی جا سکتی ہے

وَعَنْ شَرِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهٗ وَعُقُوْبَتَهٗ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ يُحِلُّ

شرید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیر کرنا غنی کا حلال کرتا ہے اس کی عزت کو اور سزا کو ابن مبارک نے کہا کہ عزت حلال کرنے سے مراد اسے سخت باتیں کہنا

عِرْضُهُ يُغَلَّظُ لَهُ وَعُقُوبَتُهُ يُحْبَسُ لَهُ۔ (ابوداود ونسائی) ہے اور سزا سے مراد گرفتار کرنا ہے۔

تشریح حدیث

یعنی آدمی اگر غنی ہو کر قرض خواہ کا قرض ادا نہ کرے تو اس کی آبروریزی کرنا گرفتار کرانا سزا وغیرہ دلانا جائز ہے کیونکہ وہ جان بوجھ کر حق تلفی کر رہا ہے۔ مقام غور ہے کہ مومن کی عزت و آبرو بیت اللہ کے برابر ہے اور یہاں اس کی آبروریزی جائز قرار دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی حق تلفی بیت اللہ کی توہین سے بھی زیادہ گناہ ہے۔

حاصل کلام آیت دین درحقیقت انتہائی مجمل ہیں اور شروع سے لیکر یہاں تک احادیث کی روشنی میں جو تفصیلات سامنے آئی ہیں یہ صرف اذا تداینتم بدین کی تشریح اور توضیح ہے اور ایسی تشریح بیان کرنا ایک پیغمبر کا کام ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تربت پر کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے اور باقی ادھار کے سولہ اصولوں میں سے پہلا اصول ادھار واپس کرنے کی تاریخ کا تعین ہے۔ اس مضمون کو اجل مسمّٰی میں بیان فرمایا ہے اور اگر تاریخ کا تعین نہیں کریں گے تو یہ بیع ناجائز ہو گی کیونکہ یہ باعث نزاع ہے قرض خواہ جلدی واپسی کا مطالبہ کرے گا اور قرض دار تاخیر کرے گا۔

دوسرا اصول تحریر ہے یعنی ادھار دینے والے کا نام اور ولدیت اور لینے والے کا نام اور ولدیت، ادھار کی مقدار، مقررہ تاریخ اور جس کے پیسے ادا کرنا (ٹھہرا) یا گیا ہے یہ تمام تفصیلات لکھنی پڑیں گی۔ یہ مضمون فاکتبوہ

سے لیا گیا ہے۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ لکھنے والا انصاف سے لکھے یعنی تحریر کے مندرجہ اصولوں کے مطابق لکھے اور یہ مضمون ولیکتب بینکم کاتب بالعدل سے لیا گیا ہے۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے اور یہ مضمون ولا یاب سے لے کر فلیکتب میں بیان فرمایا گیا ہے اور حدیث شریف میں کتابت سے انکار کرنے والے کی سزا بیان ہوئی ہے۔

مَنْ کَتَمَ عِلْمًا	جو شخص چھپائے وہ علم جسے
یَعْلَمُهٗ اُلْجِمَ یَوْمَ	وہ جانتا ہے تو قیامت کے
الْقِیٰمَةِ بِلِجَامٍ مِنْ	دن اس کو آگ کی لگام پہنائی
نَارٍ۔ (ابن کثیر)	جائے گی۔

پانچواں اصول یہ ہے کہ عبارت وہ بولے جس پر قرض ہے اور قرض خواہ کی یہ ذمہ داری نہیں رکھی اور اسے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس قرضے میں سے کچھ کم نہ کرے اور اگر قرض دار بتلا نہیں سکتا اور وہ لکھوا نہیں سکتا تو اس کا کوئی وارث بتلائے اور لکھوائے۔ اور یہ دونوں مضمون فَلْیُمْلِلِ سے لے کر بالعدل تک بیان فرمایا ہے اور یہ تحریر یوں ہوگی کہ میں نے فلاں بن فلاں سے فلاں چیز لی ہے اور اس کی اتنی قیمت ہے اور یہ میں نے ادا نہیں کی اور فلاں تاریخ کو ادا کروں گا اور وہ مقروض خود اگر یہ مضمون نہ لکھوا سکے مثلاً بہت بوڑھا ہو یا گونگا ہو یا بچہ ہو یا بے وقوف ہو وغیرہ ذالک تو اس کا کوئی ولی وارث یا وکیل لکھوائے اور یہ لکھوانے کی ذمہ داری جو مقروض پر ڈالی ہے اور قرض خواہ پر نہیں ڈالی اس کی

وجہ یہ ہے کہ یہ قرض یا ادھار کی جو صورت ہے اس میں دراصل اپنے اوپر دوسرے کے حق کا اعتراف اور اقرار کرنا ہے لہٰذا یہ اسی کے لیے مناسب ہے۔

چھٹا اصول یہ ہے کہ اس تحریر کے وقت دو گواہ مرد ہونے چاہئیں، کیونکہ اس سے تحریر کی زیادہ توثیق ہو جائے گی اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں اور گواہی دیتے وقت دونوں عورتوں کا بولنا ضروری نہیں ہے بلکہ ایک اگر بھول جائے تب دوسری بولے اور یہ دو عورتوں کا ضابطہ اس لیے رکھا ہے کہ عورت میں نسیان زیادہ ہوتا ہے اور شہادت کے لیے ممن ترضون کی شرط عائد کی ہے یعنی گواہ عادل ہونے چاہئیں پیشہ ور نہیں ہونے چاہئیں۔ اور یہ مضمون واستشہدوا سے لے کر الاخریٰ تک بیان فرمایا ہے اور گواہوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں جب ان کو بلایا جائے اور شہادت کا مفصل بیان ان شاء اللہ بحث عدل میں آئے گا اور ولا تسئموا سے لے کر الیٰ اجلہ تک تحریر میں سستی سے منع فرمایا اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے لکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ آگے اس تحریر کے تین فائدے بیان فرمائے ہیں ایک اس سے انصاف زیادہ قائم ہوگا اور دوسرا گواہی درست ہوگی اور تیسرا یہ ہے کہ اس میں شک نہیں رہے گا یہ مضمون ذالکم سے لے کر ترتابوا تک بیان فرمایا ہے اور اس سے آگے فرمایا ہے اگر [illegible] نقدی کا سلسلہ ہے تو پھر تحریر کی کوئی ضرورت ہے لیکن گواہ ہونے چاہئیں۔ یہ مضمون الا تکون سے لے کر تکتبوھا تک بیان فرمایا ہے۔ ولا یضار سے لے کر بکم تک کاتب اور شہید کو ضرر دینے سے منع فرمایا ہے یعنی اگر گواہی

دینے کے لیے جانے کا خرچ پڑتا ہے تو اس کو دینا چاہیئے اسی طرح کاتب کو بھی خرچ دینا چاہیئے ۔ اور ادھار کے لیے یہ جو اصول اور ضابطے مقرر کیے گئے ہیں ان کا مقصد معاشرہ کے مجبور طبقہ کی ہمدردی، حوصلہ افزائی اور ان کے ساتھ تعاون ہے ۔

آپؐ سے پہلے دورِ جاہلیت میں ادھار کا بہت کم رواج تھا اگر کسی کو اُدھار دیتے تھے تو ساتھ سود بھی لیتے تھے اور اسلام نے جب سود کی ممانعت کر دی تو ویسے ادھار دینے کا سلسلہ بند ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا اور تیسرا ادھار واپس کرنے کے بھی کوئی اصول اور ضابطے نہیں تھے تو اسلام نے یہ مذکورہ اصول رکھے ہیں تاکہ ادھار کا یہ سلسلہ بند نہ ہو اور یہ مذکورہ اصول ایسے زریں ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے انسان بخوشی اور رضا دوسرے کو ادھار دیتا بھی ہے اور لے کر واپس بھی کرتا ہے اور قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ	ایک دوسرے کا نیکی اور تقویٰ
وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا	پر تعاون کرو اور ظلم و زیادتی پر
عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ	ایک دوسرے کا تعاون مت
(مائدہ)	کرو ۔

تفسیر

کسی کو ادھار دینا یہ نیکی اور تقویٰ پر اس کی مدد کرنا ہے کیونکہ یہ مال کھا کر جب وہ کوئی نیک عمل کرے گا تو اس قرض دینے والے کا بھی اس میں حصّہ ہو جائے گا اور اگر یہ اُدھار نہیں دے گا تو پھر وہ اپنا پیٹ

بھرنے کے لیے حرام ذرائع اختیار کرے گا تو اس میں اسے ادھار نہ دینے والے کا بھی حصّہ بن جائے گا کیونکہ ایک آدمی کے پاس جب مال ہو تو اس کا فرض ہے کہ اس میں سے مفلس کو مفت دے یا قرض دے اور اگر وہ یہ دونوں صورتیں نہیں اختیار کرتا تو گویا کہ وہ مفلس کو جرائم پر خود مجبور کرتا ہے اور یہ تعاون علی الاثم اور عدوان کی صورت ہوگی (واللہ اعلم)

ڈکیتی اور چوری کے ذریعہ کسی کا مال ہتھیانے کی سزا

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ	اللہ اور رسول سے لڑنے
يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ	والوں کی اور زمین میں فساد برپا
وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ	کرنے والوں کی سزا یہ ہے
فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ	کہ انہیں قتل کیا جائے یا انہیں
يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا	سولی پر چڑھایا جائے یا انکے
اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ	ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے
وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ	کاٹے جائیں اور یا جلا وطن
اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ	کر دیئے جائیں ۔ یہ ذلّت
ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ	ان کے لیے دنیا میں ہے
فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى	اور آخرت میں ان کے لیے
الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ	بڑا عذاب ہے مگر جنہوں نے
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا	تمہارے قابو پانے سے پہلے
مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا	توبہ کر لی تو جان لو کہ اللہ بخشنے

عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ — والا مہربان ہے۔

(سورۃ مائدہ آیت ۳۳-۳۴)

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ — چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ انکی کمائی کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

(سورۃ مائدہ آیت ۳۸)

تفسیر

ان آیات میں قتل و غارت گری، ڈاکہ زنی اور چوری کی شرعی سزا کا بیان ہے۔

شرعی سزاؤں کی تین قسمیں

ڈاکہ اور چوری کی شرعی سزائیں جن کا ذکر آیاتِ مذکورہ میں ہے، انکی تفصیل اور متعلقہ آیات کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ ان سزاؤں سے متعلق شرعی اصطلاحات کی کچھ وضاحت کر دی جائے، جن سے ناواقفیت کی وجہ سے بہت سے لکھے پڑھے لوگوں کو بھی اشکالات پیش آتے ہیں، دنیا کے عام قوانین میں جرائم کی تمام سزاؤں کو مطلقاً تعزیرات کا نام دیا جاتا ہے خواہ وہ کسی جرم سے متعلق ہو، تعزیراتِ ہند، تعزیرات پاکستان وغیرہ کے ناموں سے جو کتابیں شائع ہو رہی ہیں، وہ ہر قسم کے جرائم اور ہر طرح کی

سزاؤں پر مشتمل ہیں، لیکن شریعت اسلام میں .... معاملہ ایسا نہیں، بلکہ جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں۔

حدود[1]، قصاص[2]، تعزیرات[3]، ان تینوں قسموں کی تعریف اور مفہوم سمجھنے سے پہلے ایک یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ جن جرائم سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے اس میں مخلوق پر بھی ظلم ہوتا ہے، اور خالق کی بھی نافرمانی ہوتی ہے، اس لیے ہر ایسے جرم میں حق اللہ اور حق العبد دونوں شامل ہوتے ہیں، اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے۔

لیکن بعض جرائم میں حق العبد کی حیثیت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے اور بعض میں حق اللہ کی حیثیت زیادہ نمایاں ہے، اور احکام میں مدار کار اسی غالب حیثیت پر رکھا گیا ہے۔

دوسری بات یہ جاننا ہے کہ شریعت اسلام نے خاص خاص جرائم کے علاوہ باقی جرائم کی سزاؤں کے لیے کوئی پیمانہ متعین نہیں کیا، بلکہ قاضی کے اختیار میں دیا ہے کہ ہر زمانہ اور ہر مکان اور ہر ماحول کے لحاظ سے جیسی اور جتنی سزا انسداد جرم کے لیے ضروری سمجھے وہ جاری کرے، یہ بھی جائز ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے کی اسلامی حکومت شرعی قواعد کا لحاظ رکھتے ہوئے قاضیوں کے اختیارات پر کوئی پابندی لگا دے اور جرائم کی سزاؤں کا کوئی خاص پیمانہ دے کر اس کا پابند کر دے، جیسا کہ قرون متاخرہ میں ایسا ہوتا رہا ہے اور اس وقت تمام ملک میں تقریباً یہی صورت رائج ہے......

اب سمجھئے کہ جن جرائم کی کوئی سزا قرآن وسنت نے متعین نہیں کی بلکہ حکام کی صواب دید پر رکھا ہے، ان سزاؤں کو شرعی اصلاح میں "تعزیرات"

کہا جاتا ہے، اور جن جرائم کی سزائیں قرآن وسنت نے متعین کردی ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن میں حق تعالیٰ کو غالب قرار دیا گیا ہے ان کی سزا کو "حد" کہا جاتا ہے جس کی جمع "حدود" ہیں، دوسرے وہ جن میں حق العبد کو از روئے شرع غالب مانا گیا ہے، اس کی سزا کو "قصاص" کہا جاتا ہے، قرآن کریم نے حدود وقصاص کا بیان پوری تفصیل وتشریح کے ساتھ خود واضح کردیا ہے۔ باقی تعزیری جرائم کی تفصیلات کو بیانِ رسول اور حکامِ وقت کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے جن جرائم کی سزا کو بطور حق اللہ متعین کر کے جاری کیا ہے ان کو حدود کہتے ہیں، اور جن کو بطور حق العبد جاری فرمایا ہے ان کو قصاص کہتے ہیں اور جن جرائم کی سزا کا تعین نہیں فرمایا اس کو تعزیر کہتے ہیں، سزا کی ان تینوں قسموں کے احکام بہت سی چیزوں میں مختلف ہیں، جو لوگ اپنے عرفِ عام کی بناء پر ہر جرم کی سزا کو تعزیر کہتے ہیں اور شرعی اصطلاحات کے فرق پر نظر نہیں کرتے ان کو شرعی احکام میں بکثرت مغالطے پیش آتے ہیں۔

تعزیری سزائیں حالات کے ماتحت ہلکی سے ہلکی بھی کی جاسکتی ہیں، سخت سے سخت بھی اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں، ان میں حکام کے اختیارات وسیع ہیں، اور حدود میں کسی حکومت یا کسی حاکم وامیر کو ادنیٰ تغیر وتبدل یا کمی بیشی کی اجازت نہیں ہے، اور نہ زمان ومکان کے بدلنے کا ان پر کوئی اثر پڑتا ہے، نہ کسی امیر وحاکم کو اس کے معاف کرنے کا حق ہے، شریعتِ اسلام میں حدود صرف پانچ ہیں۔ ڈاکہ[1]، چوری[2]، زنا[3]، تہمتِ زنا[4] کی سزائیں، یہ سزائیں قرآن کریم میں منصوص ہیں، پانچوں شراب[5] خوری

کی حد ہے۔ جو اجماعِ صحابہ کرام سے ثابت ہوئی ہے، اس طرح کُل پانچ جرائم کی سزائیں متعین ہوگئیں، جن کو "حدود" کہا جاتا ہے۔ یہ سزائیں جس طرح کوئی حاکم وامیر کم یا معاف نہیں کر سکتا، اسی طرح توبہ کر لینے سے بھی دنیوی سزا کے حق میں معافی نہیں ہوتی، ہاں آخرت کا گناہ مخلصانہ توبہ سے معاف ہو کر وہاں کا کھاتہ بیباق ہو جاتا ہے، ان میں سے صرف ڈاکہ کی سزا میں ایک استثناء ہے، کہ ڈاکو اگر گرفتاری سے قبل توبہ کر لے اور معاملات سے اس کی توبہ پر اطمینان ہو جائے تو بھی یہ حد ساقط ہو جائے گی، گرفتاری کے بعد کی توبہ معتبر نہیں، اس کے علاوہ دوسری حدود توبہ سے بھی دُنیا کے حق میں معاف نہیں ہوتی، خواہ یہ توبہ گرفتاری سے قبل ہو یا بعد میں، تمام تعزیری جرائم میں حق کے موافق سفارشات سُنی جا سکتی ہیں، حدود اللہ میں سفارش کرنا بھی جائز نہیں اور ان کا سننا بھی جائز نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے، حدود کی سزائیں عام طور پر سخت ہیں اور ان کے نفاذ کا قانون بھی سخت ہے کہ ان میں کسی کو کسی کمی بیشی کی کسی حال میں اجازت نہیں، نہ کوئی ان کو معاف کر سکتا ہے، جہاں سزا اور قانون کی یہ سختی رکھی گئی ہے۔ وہیں معاملہ کو معتدل کرنے کے لئے تکمیل جرم اور تکمیل ثبوت جرم کے لیے شرطیں بھی نہایت کڑی رکھی گئی ہیں، ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے، بلکہ ادنیٰ سا شبہ بھی ثبوت میں پایا جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے، اسلام کا مسلّم قانون اس میں یہ ہے کہ اَلْحُدُوْدُ تُنْدَرَءُ بِالشُّبُهَاتِ، یعنی حدود کو ادنیٰ شبہ سے ساقط کر دیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ جن صورتوں میں حدِّ شرعی کسی شبہ یا کسی شرط کی کمی کی وجہ سے ساقط ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے جس سے اس کو جرم پہ اور جرأت پیدا ہو، بلکہ حاکم اس کے مناسب حال اس کو تعزیری سزا دے گا، اور شریعت کی تعزیری سزائیں بھی عموماً بدنی اور جسمانی سزائیں ہیں، جن میں عبرت انگیز ہونے کی وجہ سے انسدادِ جرائم کا مکمل انتظام ہے، فرض کیجئے کہ زنا کے ثبوت پر صرف تین گواہ ملے، اور گواہ عادل ثقہ ہیں جن پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہو سکتا مگر از روئے قانونِ شرع چوتھا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حدِ شرعی جاری نہیں ہوگی، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو کھلی چھٹی دیدی جائے بلکہ حاکمِ وقت اس کو مناسب تعزیری سزا دے گا جو کوڑے لگانے کی صورت میں ہوگی، یا چوری کے ثبوت کے لیے جو شرائط مقرر ہیں ان میں کوئی کمی یا شبہ پیدا ہونے کی وجہ سے اس پر حد شرعی ہاتھ کاٹنے کی جاری نہیں ہو سکتی، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل آزاد ہو گیا، بلکہ اس کو دوسری تعزیری سزائیں حسب حال دی جائیں گی۔

قصاص کی سزا بھی حدود کی طرح قرآن میں متعین ہے، کہ جان کے بدلہ میں جان لی جائے زخموں کے بدلہ میں مساوی زخم کی سزا دی جائے، لیکن فرق یہ ہے کہ حدود کو بحیثیت حق اللہ نافذ کیا گیا ہے اگر صاحبِ حق انسان معاف بھی کرنا چاہے تو معاف نہ ہوگا، اور حد ساقط نہ ہوگی مثلاً جس کا مال چوری کیا ہے وہ معاف بھی کر دے تو چوری کی شرعی سزا معاف نہ ہوگی، بخلاف قصاص کے کہ اس میں حق العبد کی حیثیت کو قرآن و سنت نے غالب قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قاتل پر جرمِ قتل

ثابت ہو جانے کے بعد اس کو ولی مقتول کے حوالہ کر دیا جاتا ہے وہ چاہے تو قصاص لے لے اور اس کو قتل کرا دے، اور چاہے معاف کر دے۔

اسی طرح زخموں کے قصاص کا بھی یہی حال ہے، یہ بات آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ حدود یا قصاص کے ساقط ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے بلکہ حاکم وقت تعزیری سزا جتنی اور جیسی مناسب سمجھے دے سکتا ہے، اس لیے یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ اگر خون کے مجرم کو اولیاءِ مقتول کے معاف کرنے پر چھوڑ دیا جائے تو قاتلوں کی جرأت بڑھ جائے گی اور قتل کی وارداتیں عام ہو جائیں گی کیونکہ اس شخص کی جان لینا تو ولی مقتول کا حق تھا اور اس نے معاف کر دیا، لیکن دوسرے لوگوں کی جانوں کی حفاظت حکومت کا حق ہے وہ اس حق کے تحفظ کے لیے اس کو عمر قید کی یا دوسری قسم کی سزائیں دے کر اس خطرہ کا انسداد کر سکتی ہے۔

یہاں تک شرعی سزاؤں حدود، قصاص اور تعزیرات کی اصطلاحات شرعیہ اور ان کے متعلق ضروری معلومات کا بیان ہوا، اب ان کے متعلق آیات کی تفسیر اور حدود کی تفصیل دیکھئے، پہلی آیت میں ان لوگوں کی سزا کا بیان ہے جو اللہ اور رسول ؐ کے ساتھ مقابلہ اور محاربہ کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔

یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ و رسول ؐ کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے اور کون لوگ اس کے مصداق ہیں لفظ "محاربہ" حرب سے ماخوذ ہے اور اس کے اصلی معنی سلب

کرنے اور چھین لینے کے ہیں اور محاورات میں یہ لفظ سلم کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے جس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں، تو معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بد امنی پھیلانا ہے اور ظاہر ہے کہ اِکّا دُکّا چوری یا قتل گری سے امنِ عامہ سلب نہیں ہوتا، بلکہ یہ صورت جبھی ہوتی ہے جب کہ کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کھڑی ہو جائے، اسی لیے حضرات فقہائے نے اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے جس کو دوسرے لفظوں میں ڈاکو یا باغی کہا جاسکتا ہے، عام انفرادی جرائم کرنے والے چور گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں ہیں (تفسیر مظہری)

دوسری بات یہاں یہ قابلِ غور ہے کہ اس آیت میں محاربہ کو اللہ اور رسول ؐ کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ ڈاکو یا بغاوت کرنے والے جو مقابلہ یا محاربہ کرتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ کوئی طاقت ور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ عوام اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کی جنگ حکومت کے ساتھ ہے اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور رسول ؐ کا نافذ ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ و رسول ؐ ہی کے مقابلہ میں کہا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں جس سزا کا ذکر ہے یہ اُن ڈاکوؤں اور باغیوں پر عائد ہوتی ہے جو اجتماعی قوت کے ساتھ حملہ کر کے امنِ عامہ کو برباد کریں اور قانونِ حکومت کو علانیہ توڑنے کی کوشش کریں اور ظاہر ہے کہ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، مال لُوٹنے، آبرو پر حملہ کرنے سے لے کر قتل و

خونریزی تک سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں اسی سے مقاتلہ اور محاربہ میں فرق معلوم ہوگیا کہ لفظ مقاتلہ خوں ریز لڑائی کے لیے بولا جاتا ہے گو کوئی قتل ہو یا نہ ہو اور گو ضمناً مال بھی لوٹا جائے اور لفظ محاربہ طاقت کے ساتھ بدامنی پھیلانے اور سلامتی کو سلب کرنے کے معنی میں ہے، اسی لیے یہ لفظ اجتماعی طاقت کے ساتھ عوام کی جان و مال و آبرو میں سے کسی چیز پر دست درازی کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کو رہزنی، ڈاکہ اور بغاوت سے تعبیر کیا جاتا ہے،

اس جرم کی سزا قرآن کریم نے خود متعین فرمادی اور بطور حق اللہ یعنی سرکاری جرم کے نافذ کیا جس کو اصطلاح شرع میں حد کہا جاتا ہے۔ اب سنئے کہ ڈاکہ اور رہزنی کی شرعی سزا کیا ہے۔ آیت مذکورہ میں رہزنی کی چار سزائیں مذکور ہیں

اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ ” یعنی ان کو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں یا اُن کو زمین سے نکال دیا جائے“۔

ان میں سے پہلی تین سزاؤں میں مبالغہ کا لفظ باب تفعیل سے استعمال فرمایا جو تکرار فعل اور شدت پر دلالت کرتا ہے، اس میں صیغہ جمع استعمال فرماکر اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ ان کا قتل یا سولی چڑھانا یا ہاتھ پاؤں کاٹنا عام سزاؤں کی طرح نہیں کہ جس فرد پر جرم ثابت ہو صرف اسی فرد پر سزا جاری کی جائے بلکہ یہ جرم جماعت میں سے ایک فرد سے بھی صادر ہوگیا تو پوری جماعت کو قتل یا سولی، یا ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا دی جائیگی۔

نیز اس طرف بھی اشارہ کردیا گیا کہ یہ قتل و صلب وغیرہ قصاص کے

طور پر نہیں کہ اولیار مقتول کے معاف کر دینے سے معاف ہو جائے بلکہ یہ حد شرعی بحیثیت حق اللہ کے نافذ کی گئی ہے جن لوگوں کو نقصان پہونچا ہے وہ معاف بھی کر دیں تو شرعاً سزا معاف نہ ہوگی، یہ دونوں حکم بصیغہ تفعیل ذکر کرنے سے مستفاد ہوئے (تفسیر مظہری وغیرہ)

رہزنی کی یہ چار سزائیں حرف اَوْ کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں جو چند چیزوں میں اختیار دینے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور تقسیم کار کے لیے بھی، اسی لیے فقہار امت صحابہ و تابعین کی ایک جماعت حرف اَوْ کو تخییر کے لیے قرار دے کر اس طرف گئی ہے کہ ان چار سزاؤں میں امام و امیر کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں کی قوت و شوکت اور جرائم کی شدت و خفت پر نظر کر کے ان کے حسب حال یہ چاروں سزائیں یا ان میں سے کوئی ایک جاری کرے۔

سعید بن مسیبؒ، عطارؒ، داؤدؒ، حسن بصریؒ، ضحاکؒ، نخعیؒ، مجاہد اور ائمہ اربعہؒ میں سے امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ اور ایک جماعت صحابہؓ و تابعینؒ نے حرف اَوْ کو اس جگہ تقسیم کار کے معنی میں لے کر آیت کا مفہوم یہ قرار دیا کہ رہزنوں اور رہزنی کے مختلف حالات پر مختلف سزائیں مقرر ہیں، اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ اسلمی سے معاہدہ صلح کا فرمایا تھا مگر اس نے عہد شکنی کی، اور کچھ لوگ مسلمان ہونے کے لیے مدینہ طیبہ آرہے تھے، ان پر ڈاکہ ڈالا، اس واقعہ میں جبرئیل امین یہ حکم سزا لے کر نازل ہوئے کہ جس شخص نے کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا اس کو سولی چڑھایا جائے اور جس نے صرف قتل کیا مال نہیں لوٹا اس کو قتل کیا جائے اور جس نے کوئی قتل نہیں

کیا صرف مال لوٹا ہے اس کے ہاتھ پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں اور جو اُن میں سے مسلمان ہو جائے اس کا جُرم معاف کر دیا جائے اور جس نے قتل و غارت کچھ نہیں کیا صرف لوگوں کو ڈرایا جس سے امنِ عامہ مختل ہو گیا، اس کو جلا وطن کیا جائے۔ اگر ان لوگوں نے دارالسلام کے کسی مسلم یا غیر مسلم شہری کو قتل کیا ہے مگر مال نہیں لُوٹا تو ان کو سزا اَنۡ یُقَتَّلُوۡا یعنی ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ اگرچہ فعل قتل بلا واسطہ صرف بعض افراد سے صادر ہوا ہو اور اگر کسی کو قتل بھی کیا مال بھی لُوٹا تو اُن کی سزا یُصَلَّبُوۡا ہے یعنی ان کو سولی چڑھایا جائے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ان کو زندہ سُولی پر لٹکایا جائے، پھر نیزہ وغیرہ سے پیٹ چاک کیا جائے اور اگر ان لوگوں نے صرف مال لُوٹا ہے کسی کو قتل نہیں کیا تو اُن کی سزا اَنۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ہے، یعنی اُن کے داہنے ہاتھ گٹوں پر سے اور بائیں پاؤں ٹخنوں پر سے کاٹ دیئے جائیں اور اس میں بھی یہ مال لوٹنے کا عمل بلا واسطہ اگرچہ بعض سے صادر ہوا، مگر سزا سب کے لیے یہی ہو گی، کیونکہ کرنے والوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ساتھیوں کے تعاون و امداد کے بھروسہ پر کیا ہے، اس لیے سب شریک جرم ہیں؛ اور اگر ابھی تک قتل و غارت گری کا کوئی جُرم اُن سے صادر نہیں ہوا تھا، کہ پہلے ہی گرفتار کر لیے گئے تو اُن کی سزا اَنۡ یُّنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ہے، یعنی ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔

زمین سے نکالنے کا مفہوم ایک جماعتِ فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جس مقام پہ ڈاکہ ڈالا ہے وہاں سے نکال دیا جائے، حضرت فاروق اعظمؓ

نے اس قسم کے معاملات میں یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہاں کے لوگوں کو ستائے گا، اس لیے ایسے مجرم کو قید خانہ میں بند کر دیا جاتے، یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے کہ زمین میں کہیں چل پھر نہیں سکتا۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے بھی یہی اختیار فرمایا ہے۔

رہا یہ سوال کہ اس طرح کے مسلح حملوں میں آج کل عام طور پر صرف مال کی لوٹ کھسوٹ یا قتل و خون ریزی ہی پر اکتفا نہیں ہوتا، بلکہ اکثر عورتوں کی عصمت دری اور اغواء وغیرہ کے واقعات بھی پیش آتے ہیں اور قرآن مجید کا جملہ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا، اس قسم کے تمام جرائم کو بھی شامل ہے تو وہ کس سزا کے مستحق ہوں گے۔ اس میں ظاہر یہی ہے کہ امام و امیر کو اختیار ہو گا کہ ان چاروں سزاؤں میں سے جو اُن کے مناسب حال دیکھے وہ جاری کرے اور بدکاری کا شرعی ثبوت بہم پہنچے، تو حدِّ زنا جاری کرے۔

اسی طرح اگر صورت یہ ہو کہ نہ کسی کو قتل کیا نہ مال لوٹا، مگر کچھ لوگوں کو زخمی کر دیا، تو زخموں کے قصاص کا قانون نافذ کیا جائیگا۔ (تفسیر مظہری)

آخر آیت میں فرمایا ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ یعنی یہ سزائے شرعی جو دنیا میں اُن پر جاری کی گئی ہے، یہ تو دنیا کی رُسوائی ہے اور سزا کا ایک نمونہ ہے، اور آخرت کی سزا اس سے بھی سخت اور دیرپا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی سزاؤں حدود و قصاص یا تعزیرات سے بغیر توبہ کے آخرت کی سزا معاف نہیں ہوتی۔ ہاں سزا یافتہ شخص دل

سے توبہ کرلے تو آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی۔

دوسری آیت اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ میں ایک استثناء ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ڈاکو اور باغی اگر حکومت کے گھیرے میں آنے اور ان پر قابو پانے سے پہلے پہلے جب کہ ان کی قوت و طاقت بحال ہے اس حالت میں اگر توبہ کرکے رہزنی سے خود ہی باز آجائیں تو ڈاکہ کی یہ حد شرعی اُن سے ساقط ہو جائے گی۔ یہ استثناء عام قانونِ حدود سے مختلف ہے، کیونکہ دوسرے جرائم چوری زنا وغیرہ میں جرم کرنے اور قاضی کی عدالت میں جرم ثابت ہو جانے کے بعد اگر مجرم سچے دل سے توبہ بھی کرے تو گو اس توبہ سے آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی، مگر دنیا میں حد شرعی معاف نہ ہوگی، جیسا کہ چند آیتوں کے بعد چوری کی سزا کے تحت میں اس کا تفصیلی بیان آئے گا۔

حکمت اس استثناء کی یہ ہے کہ ایک طرف ڈاکوؤں کی سزا میں یہ شدّت اختیار کی گئی ہے کہ پوری جماعت میں کسی ایک سے بھی جُرم کا صدور ہو تو سزا پوری جماعت کو دی جاتی ہے اس لیے دوسری طرف اس استثناء کے ذریعہ معاملہ کو ہلکا کر دیا گیا، کہ توبہ کرلیں تو سزائے دُنیا بھی معاف ہو جائے اس کے علاوہ اس میں ایک سیاسی مصلحت بھی ہے .... کہ ایک طاقت ور جماعت پر ہر وقت قابو پانا آسان نہیں ہوتا، اس لیے ان کے واسطے ترغیب کا دروازہ کھلا رکھا گیا کہ وہ توبہ کی طرف مائل ہو جائیں۔

نیز اس میں یہ بھی مصلحت ہے کہ قتل نفس ایک انتہائی سزا ہے اس میں قانونِ اسلام کا رُخ یہ ہے کہ اس کا وقوع کم سے کم ہو اور ڈاکہ کی صورت

میں ایک جماعت کا قتل لازم آتا ہے اس لیے ترغیبی پہلو سے انکو اصلاح کی دعوت بھی ساتھ ساتھ جاری رکھی گئی، اسی کا یہ اثر تھا کہ علی اسدی جو مدینہ طیبہ کے قرب میں ایک جتھہ جمع کر کے آنے جانے والوں پر ڈاکہ ڈالتا تھا، ایک روز قافلہ میں کسی قاری کی زبان سے یہ آیت اس کے کان میں پڑ گئی۔ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ قاری کے پاس پہنچے اور دوبارہ پڑھنے کی درخواست کی دوسری مرتبہ آیت سنتے ہی اپنی تلوار میان میں داخل کی اور رہزنی سے توبہ کر کے مدینہ طیبہ پہنچے۔ اس وقت مدینہ پر مروان بن حکم حاکم تھے، حضرت ابوہریرہؓ ان کا ہاتھ پکڑ کر امیر مدینہ کے پاس لے گئے، اور قرآن کی آیت مذکورہ پڑھ کر فرمایا کہ آپ اس کو کوئی سزا نہیں دے سکتے۔

حکومت بھی ان کے فساد و رہزنی سے عاجز ہو رہی تھی، سب کو خوشی ہوئی۔

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں حارثہ بن بدر بغاوت کر کے نکل گیا اور قتل و غارت گری کو پیشہ بنالیا، مگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور توبہ کر کے واپس آیا، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر حد شرعی جاری نہیں فرمائی۔

یہاں یہ بات قابل یاد داشت ہے کہ حد شرعی کے معاف ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقوق العباد جن کو اس نے ضائع کیا ہے وہ بھی معاف ہو جائیں، بلکہ اگر کسی کا مال لیا ہے اور وہ موجود ہے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے اور کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے تو اس کا قصاص اس پر لازم ہے البتہ چونکہ قصاص حق العبد ہے تو اولیاء مقتول یا صاحب حق کے معاف

کرنے سے معاف ہو جائے گا اور جو کوئی مالی نقصان کسی کو پہنچایا ہے اس کا ضمان ادا کرنا یا اس سے معاف کرانا لازم ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے اور اگر غور کیا جائے تو یہ بات یوں بھی ظاہر ہے کہ حقوق العباد سے خلاصی حاصل کرنا خود توبہ کا ایک جز ہے۔ بدون اس کے توبہ ہی مکمل نہیں ہوتی اس لیے کسی ڈاکو کو تائب اسی وقت مانا جائے گا جب وہ حقوق العباد ادا یا معاف کرا لے گا ورنہ اس کی توبہ نہیں ہے زبانی توبہ کہہ دینا کافی نہیں ہے۔

چوتھی آیت میں پھر جرائم کی سزاؤں کی طرف عود کیا گیا اور چوری کی سزائے شرعی کا بیان فرمایا گیا۔ شرعی سزاؤں کی تین قسمیں جو پہلے بیان ہو چکی ہیں، چوری کی سزا ان کی قسم حدود میں داخل ہے، کیونکہ قرآن کریم نے اس سزا کو خود متعین فرمایا، حکام کی صوابدید پر نہیں چھوڑا اور بطور حق اللہ کے متعین فرمایا ہے اس لیے اس کو حدِ سرقہ کہا جاتا ہے، آیت میں ارشاد ہے

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ " یعنی چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو ان کے کردار کے بدلہ میں، اور اللہ زبردست حکمت والا ہے"۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآنی احکام میں خطاب عام طور پر مردوں کو ہوتا ہے اور عورتیں بھی اس میں تبعاً شامل ہوتی ہیں۔ نماز، روزہ حج، زکوٰۃ اور جملہ احکام میں قرآن و سنت کا یہی اصول ہے، لیکن چوری کی سزا اور زنا کی سزا میں صرف مردوں کے ذکر پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ دونوں صنفوں کو الگ الگ کر کے حکم دیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ معاملہ حدود کا ہے جن میں ذرا سا بھی شبہ پڑ جائے تو ساقط ہو جاتی ہیں، اس لیے عورتوں کے لیے ضمنی خطاب پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ تصریح کے ساتھ ذکر فرمایا۔

دوسری بات اس جگہ قابلِ غور یہ ہے کہ لفظ سرقہ کا لغوی مفہوم اور شرعی تعریف کیا ہے۔ قاموس میں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے، اس کو سَرقہ کہتے ہیں۔ یہی اس کی شرعی تعریف ہے اور اس تعریف کی رُو سے سَرقہ ثابت ہونے کے لیے چند چیزیں ضروری ہوئیں۔

اوّل یہ کہ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چُرانے والے کی اس میں نہ ملکیت نہ ملکیت کا شبہ ہو اور نہ ایسی چیزیں ہوں جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں، جیسے رفاہِ عام کے ادارے اور اُنکی اشیاء اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی جس میں اس کی ملکیت یا ملکیت کا شبہ ہے، یا جس میں عوام کے مساوی حقوق ہیں تو حدِ سرقہ اُس پر جاری نہ کی جائے گی، حاکم اپنی صوابدید کے موافق تعزیری سزا جاری کر سکتا ہے۔

دوسری چیز تعریفِ سرقہ میں مالِ محفوظ ہونا ہے، یعنی مقفل مکان کے ذریعہ یا کسی نگراں چوکیدار کے ذریعہ محفوظ ہونا، جو مال کسی محفوظ جگہ میں نہ ہو اس کو کوئی شخص اُٹھا لے تو وہ بھی حدِّ سرقہ کا مستوجب نہیں ہوگا اور مال کے محفوظ ہونے میں شبہ بھی ہو جائے تو بھی حد ساقط ہو جائیگی گناہ اور تعزیری سزا کا معاملہ جُدا ہے۔

تیسری شرط بلا اجازت ہونا ہے، جس مال کے لینے یا اُٹھا کر استعمال

کرنے کی کسی کو اجازت دے رکھی ہو، وہ اس کو بالکل لے جائے تو حدِّ سرقہ عائد نہیں ہوگی، اور اجازت کا شبہ بھی پیدا ہو جائے تو حد ساقط ہو جائیگی۔

چوتھی شرط چھپا کر لینا ہے، کیونکہ دوسرے کا مال علانیہ لُوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے، جس کی سزا پہلے بیان ہو چکی ہے، غرض خفیہ نہ ہو تو حدِّ سرقہ اس پر جاری نہ ہوگی۔

ان تمام شرائط کی تفصیل سننے سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے عرف میں جس کو چوری کہا جاتا ہے وہ ایک عام اور وسیع مفہوم ہے، اس کے تمام افراد پر حدِ سرقہ یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا شرعاً عائد نہیں ہے، بلکہ چوری کی صرف اس صورت پر یہ حد شرعی جاری ہوگی جس میں یہ تمام شرائط موجود ہوں۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ جن صورتوں میں چوری کی حد شرعی ساقط ہو جاتی ہے، تو یہ لازم نہیں ہے کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے، بلکہ حاکم وقت اپنی صوابدید کے مطابق اس کو تعزیری سزا دے سکتا ہے جو جسمانی، کوڑوں کی سزا بھی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ جن صورتوں میں سرقہ کی کوئی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے حدِ شرعی جاری نہ ہو تو وہ شرعاً جائز و حلال ہے، کیونکہ اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ یہاں گناہ اور عذاب آخرت کا ذکر نہیں، دنیوی سزا اور وہ بھی خاص قسم کی سزا کا ذکر ہے، ویسے کسی شخص کا مال بغیر اس کی خوش دلی کے کسی طریقہ سے بھی لے لیا جائے تو وہ حرام اور عذاب آخرت کا موجب ہے، جیسا کہ آیت قرآن کریم لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ چوری میں جو الفاظ قرآن کریم کے آتے ہیں وہی زنا کی سزا میں ہیں، مگر چوری کے معاملہ میں مرد کا ذکر پہلے عورت کا بعد میں ہے، اور زنا میں اس کے برعکس عورت کا ذکر پہلے کیا گیا، چوری کی سزا میں ارشاد ہے: اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ اور زنا کی سزا میں فرمایا ہے: اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ، اس عکس ترتیب کی حکمتیں حضراتِ مفسرین نے کئی لکھی ہیں، اُن میں زیادہ دِل کو لگنے والی بات یہ ہے کہ چوری کا جرم مرد کے لیے بہ نسبت عورت کے لیے زیادہ شدید ہے، کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کسبِ معاش کی وہ قوت بخشی ہے جو عورت کو حاصل نہیں، اس پر کسبِ معاش کے اتنے دروازے کھلے ہونے کے باوجود چوری کے ذلیل جُرم میں مبتلا ہو، یہ اس کے جرم کو بڑھا دیتا ہے، اور زنا کے معاملہ میں عورت کو حق تعالیٰ طبعی حیاء و شرم کے ساتھ ایسا ماحول بخشا ہے کہ ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے اس بے حیائی پر اترنا اس کے لیے نہایت شدید جرم ہے، اس لیے چوری میں مرد کا ذکر مقدم ہے اور زنا میں عورت کا۔

آیت مذکورہ کے الفاظ میں چوری کی شرعی سزا بیان کرنے کے بعد دو جُملے ارشاد فرماتے ہیں، ایک جَزَاءً بِمَا کَسَبَا یعنی سزا بدلہ ہے اُن کی بدکرداری کا، دوسرا جملہ فرمایا نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ اس میں دو لفظ ہیں نَکَال اور مِنَ اللّٰهِ، لفظ "نکال" کے معنے عربی لغت میں ایسی سزا کے ہیں جس کو دیکھ کر دوسروں کو بھی سبق ملے اور اقدامِ جرم سے باز آجائیں، اس لیے "نکال" کا ترجمہ ہمارے محاورہ کے موافق عبرت خیز کا ہوگیا، اس میں اشارہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے

کی سخت سزا خاص حکمت پر مبنی ہے، کہ ایک پر سزا ہو جائے، تو سب کے سب کانپ اُٹھیں، اور اس جُرم قبیح کا انسداد ہو جائے، دوسرا لفظ "من اللہ"، کا بڑھا کر ایک اہم مضمون کی طرف اشارہ فرمایا جو یہ ہے کہ چوری کے جُرم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس نے کسی دوسرے انسان کا مال بغیر حق کے لے لیا، جس سے اس پر ظلم ہوا، دوسرے یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

پہلی حیثیت سے یہ سزا مظلوم کا حق ہے اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس کا حق ہے اگر وہ سزا کو معاف کر دے تو معاف ہو جائے گی جیسا قصاص کے تمام مسائل میں یہی معمول ہے۔

دوسری حیثیت سے یہ سزا حق اللہ کی خلاف ورزی کرنے کی ہے اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس شخص کی چوری کی ہے اگر وہ معاف بھی کر دے تو معاف نہ ہو، جب تک خود اللہ تعالےٰ معاف نہ فرما دیں جس کو اصطلاحِ شرع میں حد یا حدود کہا جاتا ہے۔ لفظ مِنَ اللہِ سے اس دوسری حیثیت کو متعین کر کے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ سزا حد ہے قصاص نہیں ہے، یعنی سرکاری جُرم کی حیثیت سے یہ سزا دی گئی ہے، اس لیے جس کی چوری کی ہے اس کے معاف کرنے سے بھی سزا ساقط نہیں ہوگی۔

آخر آیت میں وَاللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ، فرما کر اس شبہ کا جواب دے دیا جو آج کل عام طور پر زبان زد ہے کہ یہ سزا بڑی سخت ہے، اور بعض گستاخ یا ناواقف تو یوں کہنے سے بھی نہیں جھجکتے کہ یہ سزا وحشیانہ ہے، نعوذ باللہ منہ، اشارہ اس کی طرف فرمایا کہ اس سخت سزا

کی تجویز محض اللہ تعالیٰ کے قوی اور زبردست ہونے کا نتیجہ نہیں، بلکہ ان کے حکیم ہونے پر بھی مبنی ہے، جن شرعی سزاؤں کو آج کل کے عقلاً یورپ سخت اور وحشیانہ کہتے ہیں ان کی حکمت اور ضرورت اور فوائد کی بحث انہی آیات کی تفسیر کے بعد مفصّل آئے گی۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ یعنی "جو شخص اپنی بدکرداری اور چوری سے باز آگیا اور اپنے عمل کی اصلاح کرلی تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیں گے کیونکہ اللہ بہت بخشنے والے اور مہربان ہیں"۔ ڈاکہ زنی کی شرعی سزا جس کا بیان چند آیات میں پہلے آیا ہے اس میں بھی معافی کا ذکر ہے، اور چوری کی سزا کے بعد بھی معافی کا ذکر ہے، لیکن دونوں جگہ کی معافی کے بیان میں ایک خاص فرق ہے، اور اسی فرق کی بناء پر دونوں سزاؤں میں معافی کا مفہوم فقہاء کے نزدیک مختلف ہے، ڈاکہ زنی کی سزا میں تو حق تعالیٰ نے بطور استثناء کے ذکر فرمایا، اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ، جس کا حاصل یہ ہے کہ ڈاکہ زنی کی جو شرعی سزا آیت میں مذکور ہے، اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ ڈاکوؤں پر حکومت کا قابو چلنے اور گرفتار ہونے سے پہلے جو توبہ کرے اس کو یہ سزا شرعی معاف کردی جائے گی، اور چوری کی سزا کے بعد جو معافی کا ذکر ہے اس میں اس سزائے دنیوی سے استثناء نہیں، بلکہ آخرت کے اعتبار سے ان کی توبہ مقبول ہونے کا بیان ہے، جس کی طرف فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ میں ارشاد موجود ہے کہ حکام وقت اس توبہ کی وجہ

سے شرعی سزا نہ چھوڑیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کے جرم کو معاف فرما کر آخرت کی سزا سے نجات دیں گے، اسی لیے حضرات فقہاء تقریباً اس پر متفق ہیں کہ ڈاکو اگر گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لیں تو ڈاکہ کی شرعی سزا ان پر جاری نہ ہوگی، مگر چور اگر چوری کرنے کے بعد خواہ گرفتاری سے پہلے یا بعد میں چوری سے توبہ کر لے تو حد سرقہ جو دنیوی سزا ہے وہ معاف نہ ہوگی۔ گناہ کی معافی ہو کہ آخرت کے عذاب سے نجات پا جانا اس کے منافی نہیں۔

بعد کی آیت میں ارشاد فرمایا: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ " یعنی کیا آپ کو معلوم نہیں ..... کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت و حکومت صرف اللہ کی ہے اور اس کی یہ شان ہے کہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

اس آیت کا ربط و مناسبت پچھلی آیات سے یہ ہے کہ پچھلی آیات میں ڈاکہ اور چوری کی حدود شرعیہ جن میں ہاتھ پاؤں یا صرف ہاتھ کاٹ ڈالنے کے سخت احکام ہیں، ظاہر نظر میں یہ احکام شرافت انسانی اور اس کے اکرم المخلوقات ہونے کے منافی ہیں۔ اس شبہ کے ازالہ کے لیے اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے پہلے اپنا مالک حقیقی ہونا سارے جہان کے لیے بیان فرمایا، پھر اپنے قادر مطلق ہونے کا ذکر فرمایا اور ان کے درمیان یہ ارشاد فرمایا کہ وہ صرف سزا یا عذاب ہی نہیں دیتے بلکہ معاف بھی فرماتے ہیں اور اس معافی اور سزا کا مدار ان کی حکمت پر ہے

کیونکہ وہ جس طرح مالکِ مطلق اور قادرِ مطلق ہیں اسی طرح حکیم مطلق بھی ہیں، جس طرح اُن کی قدرت وسلطنت کا احاطہ کوئی انسانی طاقت نہیں کر سکتی، اسی طرح ان کی حکمتوں کا پورا احاطہ بھی انسانی عقل ودماغ نہیں کر سکتے اور اصول کے ساتھ غور وفکر کرنے والوں کو بقدر کفایت کچھ علم ہو بھی جاتا ہے جس سے اُن کے قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں۔

اسلامی سزاؤں کے متعلق اہلِ یورپ اور ان کی تعلیم وتہذیب سے متأثر لوگوں کا یہ عام اعتراض ہے کہ یہ سزائیں سخت ہیں اور بعض ناعاقبت اندیش لوگ تو یہ کہنے سے بھی باز نہیں رہتے کہ یہ سزائیں وحشیانہ اور شرافت انسانی کے خلاف ہیں۔

اس کے متعلق پہلے تو یہ سامنے رکھئے جو اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے، کہ قرآن کریم نے صرف چار جرموں کی سزائیں خود مقرر اور معیّن کر دی ہیں، جن کو شرعی اصطلاح میں حد کہا جاتا ہے۔ ڈاکہ کی سزا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر، چوری کی سزا داہنا ہاتھ پہونچے پر سے کاٹنا، زنا کی سزا بعض صورتوں میں سو کوڑے لگانا اور بعض میں سنگسار کر کے قتل کر دینا، زنا کی جھوٹی تہمت کسی پر لگانے کی سزا اسی کوڑے پانچویں حد شرعی شراب پینے کی ہے، جو باجماع صحابہ اسی کوڑے مقرر کئے گئے ہیں، ان پانچ جرائم کے سوا تمام جرائم کی سزا حاکمِ وقت کی صواب دید پر ہے، کہ جرم اور مجرم اور اس کے ماحول پر نظر کر کے جتنی اور جیسی چاہے سزا دے، اس میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سزاؤں کی تحدید وتعیین کا کوئی خاص نظام اہلِ علم واہلِ رائے کے مشورہ سے مقرر کر کے قاضی یا جج کو اس کا پابند کر دیا جائے، جیسا کہ آجکل عموماً اسمبلیوں

کے ذریعہ تعزیری قوانین متعین کئے جاتے ہیں، اور قاضی یا جج مقررہ حدود کے اندر سزا جاری کرتے ہیں، البتہ ان پانچ جرائم ہیں جنکی سزائیں قرآن یا اجماع سے متعین کردی گئی ہیں، اوران میں کسی فرد یا جماعت یا اسمبلی کو تغیر و تبدّل کا کوئی اختیار نہیں ہے، مگر ان میں بھی اگر جُرم کا ثبوت شریعت کے مقرر کردہ ضابطۂ شہادت سے نہ ہوسکے، یا جرم کا ثبوت تو ملے مگر اس جرم پر جن شرائط کے ساتھ یہ سزا جاری کی جاتی ہے وہ شرائط مکمل نہ ہوں، اور نفس جرم قاضی یا جج کے نزدیک ثابت ہو تو اس صورت میں بھی حدِّ شرعی جاری نہ ہوگی بلکہ تعزیری سزا دی جائے گی، اسی کے ساتھ یہ شرعی ضابطہ بھی مقرر اور مسلّم ہے کہ شبہ کا فائدہ مجرم کو پہنچتا ہے، ثبوتِ جرم یا جرم کی شرائط میں سے کسی چیز میں شبہ پڑجائے تو حدِّ شرعی ساقط ہوجاتی ہے، مگر نفسِ جرم کا ثبوت ہو جائے تو تعزیری سزا دی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان پانچ جرائم میں بہت سی صورتیں ایسی نکلیں گی کہ ان میں حدودِ شرعیہ کا نفاذ نہیں ہوگا بلکہ تعزیری سزائیں صواب دید حاکم کے مطابق دی جائیں گی، تعزیری سزائیں چونکہ شریعتِ اسلام نے متعین نہیں کیں بلکہ ہر زمانہ اور ہر ماحول کے مطابق عام قوانینِ ممالک کی طرح ان میں تغیر و تبدّل اور کمی بیشی کی جاسکتی ہے، اس لیے ان پر تو کسی کو کسی اعتراض کی گنجائش نہیں، اب بحث صرف پانچ جرائم کی سزاؤں میں اور ان کی بھی مخصوص صورتوں میں رہ گئی، مثال کے طور پر چوری کو لے لیجئے اور دیکھئے کہ شریعتِ اسلام میں ہاتھ کاٹنے کی سزا مطلقاً ہر چوری پر عائد نہیں، کہ جس کو عرفِ عام میں چوری کہا جاتا

ہے، بلکہ سرقہ جس پر سارق کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے

اس کی ایک مخصوص تعریف ہے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، کہ کسی کا مال محفوظ جگہ سے سامانِ حفاظت توڑ کر ناجائز طور پر خفیہ طریقہ سے نکال لیا جائے اس تعریف کی رُو سے بہت سی صورتیں جن کو عرفاً چوری کہا جاتا ہے، حدِ سرقہ کی تعریف سے نکل جاتی ہیں، مثلاً محفوظ مکان کی شرط سے معلوم ہوا کہ عام پبلک مقامات مثلاً مسجد، عیدگاہ، پارک، کلب، اسٹیشن، ویٹنگ روم، ریل، جہاز وغیرہ میں عام جگہوں پر رکھے ہوئے مال کی کوئی چوری کرے، یا درختوں پر لگے ہوئے پھل چرا لے، یا شہد کی چوری کرے تو اس پر حدِ سرقہ جاری نہیں ہو گی بلکہ عام ممالک کے قوانین کی طرح تعزیری سزا دی جائے گی، اسی طرح وہ آدمی جس کو آپ نے اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے رکھی ہے خواہ وہ آپ کا نوکر ہو یا مزدور و معمار ہو، یا کوئی دوست عزیز ہو وہ اگر آپ کے مکان سے کوئی چیز لے جائے تو وہ اگرچہ عرفی چوری میں داخل اور تعزیری سزا کا مستحق ہے، مگر ہاتھ کاٹنے کی شرعی سزا اس پر جاری نہ ہو گی، کیونکہ وہ آپ کے گھر میں آپ کی اجازت سے داخل ہوا، اس کے حق میں حفاظت مکمل نہیں۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی کی جیب کاٹ لی یا ہاتھ میں سے زیور یا نقد چھین لیا، یا دھوکہ دے کر کچھ وصول کر لیا، یا امانت لے کر مکر گیا، یہ سب چیزیں حرام و ناجائز اور عرفی چوری میں ضرور داخل ہیں مگر ان سب کی سزا تعزیری ہے، جو حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے، شرعی سرقہ کی تعریف میں داخل نہیں، اس لیے اس پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

اسی طرح کفن کی چوری کرنے والے کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا، کیونکہ اوّل تو وہ محفوظ جگہ نہیں، دوسرے کفن میت کی ملکیت نہیں، ہاں اس کا یہ فعل سخت حرام ہے، اس پر تعزیری سزا حسب صواب دید حاکم جاری کی جائیگی اسی طرح اگر کسی نے ایک مشترک مال میں چوری کر لی جس میں اس کا بھی کچھ حصہ ہے خواہ میراث کا مشترک مال تھا یا شرکت تجارت کا مال تھا، تو اس صورت میں چونکہ لینے والے کی ملکیت کا بھی کچھ حصہ اس میں شامل ہے اس ملکیت کے شبہ کی وجہ سے حد شرعی ساقط ہو جائیگی، تعزیری سزا دی جائے گی۔

یہ سب شرائط تو تکمیل جرم کے تحت میں ہیں جن کا اجمالی خاکہ آپ نے دیکھا ہے اب دوسری چیز تکمیل ثبوت ہے، حدود کے نفاذ میں شریعت اسلام نے ضابطۂ شہادت بھی عام معاملات سے ممتاز اور بہت محتاط بنایا ہے، زنا کی سزا میں تو دو گواہوں کے بجائے چار گواہوں کو شرط قرار دے دیا، اور وہ بھی جب کہ وہ ایسی علینی گواہی دیں جس میں کوئی لفظ مشتبہ نہ رہے، چوری وغیرہ کے معاملہ میں اگرچہ دو ہی گواہ کافی ہیں مگر ان دو کے لیے عام شرائط شہادت کے علاوہ کچھ مزید شرطیں عائد کی گئی ہیں مثلاً دوسرے معاملات میں مواقع ضرورت میں قاضی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ کسی فاسق آدمی کے بارے میں اگر قاضی کو یہ اطمینان ہو جائے کہ عملی فاسق ہونے کے باوجود یہ جھوٹ نہیں بولتا تو قاضی اس کی گواہی کو قبول کر سکتا ہے لیکن حدود میں قاضی کو اس کی گواہی قبول کرنے کا اختیار نہیں، عام معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے مگر حدود میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ عام معاملات میں شریعت

اسلام نے تمادی کو (یعنی مدت دراز گزر جانے کو) کوئی عذر نہیں قرار دیا، واقعہ کے کتنے ہی عرصہ کے بعد کوئی گواہی دے تو قبول کی جا سکتی ہے، لیکن حدود میں اگر فوری گواہی نہ دی بلکہ ایک مہینہ یا اس سے زائد دیر کر کے گواہی دی تو وہ قابلِ قبول نہیں۔

حدِ سرقہ کے نفاذ کی شرائط کا اجمالی خاکہ جو اس وقت بیان کیا گیا ہے، یہ سب فقہ حنفی کی نہایت مستند کتاب بدائع الصنائع سے ماخوذ ہے۔

حاصل ان تمام شرائط کا یہ ہے کہ حدِ شرعی صرف اس صورت میں جاری ہوگی جبکہ شریعت مقدسہ کے مقرر کردہ ضابطہ کے مطابق جرم بھی مکمل ہو اور اس کا ثبوت بھی مکمل۔ اور مکمل بھی ایسا کہ اس کا کوئی پہلو مشتبہ نہ رہے اس سے معلوم ہوا کہ شریعتِ اسلامیہ نے جہاں ان جرائم کی سزائیں بمقتضائے حکمت سخت مقرر کی ہیں، وہیں حدود شرعیہ کے نفاذ میں انتہائی احتیاط بھی ملحوظ رکھی ہے، حدود کا ضابطۂ شہادت بھی عام معاملات کے ضابطۂ شہادت سے مختلف اور انتہائی احتیاط پر مبنی ہے۔ اس میں ذرا سی کمی رہ جائے تو حدِ شرعی تعزیری سزا میں منتقل ہو جاتی ہے، اسی طرح تکمیل جرم کے سلسلہ میں کوئی کمی پائی جائے جب بھی حدِ شرعی ساقط ہو کر تعزیری سزا رہ جاتی ہے، جس کا عملی رُخ یہ ہوتا ہے کہ حدود شرعیہ کے نفاذ کی نوبت شاذ و نادر کبھی پیش آتی ہے۔ عام حالات میں حدود والے جرائم میں بھی تعزیری سزائیں جاری کی جاتی ہیں لیکن جب کہیں تکمیلِ جرم تکمیل ثبوت کے ساتھ جمع ہو جائے گو وہ ایک فیصدی ہی ہو تو سزا نہایت سخت عبرتناک دی جاتی ہے، جس کی ہیبت لوگوں کے قلب و دماغ پر مسلّط ہو جائے اور اس جُرم کے پاس جاتے ہوئے بھی بدن پر لرزہ پڑنے لگے جو ہمیشہ کے

لیے انسدادِ جرائم اور امن عامہ کا ذریعہ بنتی ہے، بخلاف مروّجہ تعزیری قوانین کے کہ وہ جرائم پیشہ لوگوں کی نظر میں ایک کھیل ہیں جس کو وہ بڑی خوشی سے کھیلتے ہیں۔ جیل خانہ میں بیٹھے ہوئے بھی آئندہ اس جُرم کو خوبصورتی سے کرنے کے پروگرام بناتے رہتے ہیں۔

جن ممالک میں حدود شرعیہ نافذ کی جاتی ہیں ان کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت سامنے آجائے گی، کہ وہاں نہ آپ کو بہت سے لوگ ہاتھ کٹے ہوئے نظر آئیں گے، نہ سالہا سال میں آپ کو کوئی سنگساری کا واقعہ نظر پڑتا ہے، مگر ان شرعی سزاؤں کی دھاک قلوب پر ایسی ہے کہ وہاں چوری، ڈاکہ اور بے حیائی کا نام نظر نہیں آتا۔

سعودی عربیہ کے حالات سے عام مسلمان براہِ راست واقف ہیں کیونکہ حج و عمرہ کے سلسلہ میں ہر طبقہ و ہر ملک کے لوگوں کی وہاں حاضری ہوتی ہے دن میں پانچ مرتبہ ہر شخص یہ دیکھتا ہے کہ دکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ لاکھوں کا سامان ان میں پڑا ہے اور ان کا مالک بغیر دکان بند کیے ہوئے نماز کے وقت حرم شریف میں پہنچ جاتا ہے اور نہایت اطمینان کے ساتھ نماز ادا کرنے کے بعد آتا ہے۔ اس کو کبھی یہ وسوسہ بھی پیش نہیں آتا کہ اسکی دکان سے کوئی چیز غائب ہوگئی ہوگی۔ پھر یہ ایک دن کی بات نہیں۔ عمر یوں ہی گزرتی ہے۔ دنیا کے کسی متمدّن اور مہذب ملک میں ایسا کر کے دیکھئے تو ایک دن میں سینکڑوں چوریاں اور ڈاکے پڑجائیں گے۔ تہذیب انسانی اور حقوقِ انسانی کے دعویدار عجیب ہیں۔ کہ جرائم پیشہ لوگوں پر تو رحم کھاتے ہیں مگر پورے عالمِ انسانیت پر رحم نہیں کھاتے۔ جن کی زندگی ان جرائم پیشہ لوگوں نے اجیرن بنا رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک مجرم پر ترس کھانا

پوری انسانیت پر ظلم کرنے کا مترادف اور امنِ عامہ کو مختل کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ رب العالمین جو نیکوں، بدوں، اتقیاء اولیاء اور کفار و فجار سب کو رزق دیتا ہے۔ سانپوں، بچھوؤں، شیروں، بھیڑیوں کو رزق دیتا ہے اور جس کی رحمت سب پر وسیع ہے اس نے جب حدودِ شرعیہ کے احکام قرآن میں نازل فرمائے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ، " یعنی اللہ کی حدود جاری کرنے میں ان مجرموں پر ہرگز ترس نہ کھانا چاہیئے" اور دوسری طرف قصاص کو عالمِ انسانی کی حیات قرار دیا، وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ، معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حدود کے خلاف کرنے والے یہ چاہتے ہی نہیں کہ جرائم کا انسداد ہو ورنہ جہاں تک رحمت و شفقت کا معاملہ ہے وہ شریعت اسلام سے زیادہ کون سکھا سکتا ہے، جس نے عین میدانِ جنگ میں اپنے قاتل دشمنوں کا حق پہچانا ہے اور حکم دیا ہے کہ عورت سامنے آجائے تو ہاتھ روک لو، بچہ سامنے آجائے تو ہاتھ روک لو، بوڑھا سامنے آجائے تو ہاتھ روک لو، مذہبی عالم جو تمہارے مقابلہ پر قتال میں شریک نہ ہو اپنے طرز کی عبادت میں مشغول ہو اس کو قتل نہ کرو۔

اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان اسلامی سزاؤں پر اعتراض کے لیے ان لوگوں کی زبانیں اٹھتی ہیں جن کے ہاتھ ابھی تک ہیروشیما کے لاکھوں بے گناہ، بے قصور انسانوں کے خون سے رنگین ہیں، جن کے دل میں شاید کبھی مقاتلہ اور مقابلہ کا تصور بھی نہ آیا ہو، ان میں عورتیں بچے بوڑھے سب ہی داخل ہیں، اور جن کی آتشِ غضب ہیروشیما ...

سے بھی ٹھنڈی نہیں ہوئی بلکہ روز کسی خطرناک سے خطرناک نئے بم کے بنانے اور تجربہ کرنے میں مشغول ہیں۔ ہم اس کے علاوہ کیا کہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی آنکھوں سے خودغرضی کے پردے ہٹا دے اور دنیا میں امن قائم کرنے کے صحیح اسلامی طریقوں کی طرف ہدایت کرے۔

ضروری مصارف اور مصرف اوّل روزی کھانا

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ	اور اسی نے وہ باغ پیدا کئے
جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ	ہیں جو چھتوں پر چڑھائے جاتے
غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ	ہیں اور جو نہیں چڑھائے
وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ	جاتے اور کھجور کے درخت
وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ	اور کھیتی جن کے پھل مختلف
مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ	ہیں اور زیتون اور انار پیدا کئے
مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا	جو ایک دوسرے سے مشابہ
مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ	اور جدا جدا بھی ہیں ان کے پھل
اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ	کھاؤ جب وہ پھل لائیں اور
حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا	جس دن اسے کاٹو اس کا
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ	حق ادا کرو اور بے جا خرچ
الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَمِنَ	نہ کرو بے شک وہ بے جا
الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً	خرچ کرنے والوں کو پسند
وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا	نہیں کرتا اور بوجھ اُٹھانے

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا	والے مویشی پیدا کئے اور زمین
خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ	سے لگے ہوئے اور اللہ
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ	کے رزق میں سے کھاؤ اور شیطان
مُّبِيْنٌ ۝	کے قدموں پر نہ چلو، بے شک
	وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔
ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ	آٹھ قسمیں پیدا کیں بھیڑ میں سے
الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ	دو اور بکری میں سے دو۔
الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ	آپ پوچھیں کہ دونوں نر
ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ	اللہ نے حرام کئے ہیں یا
الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ	دونوں مادہ یا وہ بچہ
عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ	جو دونوں مادہ کے رحم سے
نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ	ہے مجھے اس کی سند بتلاؤ
صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ	اگر سچے ہو۔ اور اونٹ اور
الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ	گائے سے دو دو قسمیں پیدا
مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ	کیں آپ پوچھیں کہ دونوں نر
قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ	اللہ نے حرام کئے ہیں یا دونوں
حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ	مادہ یا وہ بچہ جو دونوں مادہ
اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ	کے رحم میں ہے۔ کیا
اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ	تم موجود تھے کہ جس
اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ	وقت اللہ نے تمہیں یہ
وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ	حکم دیا تھا پھر اس سے

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی	زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پہ
عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا	جھوٹا بہتان باندھے، تاکہ
لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ	لوگوں کو بلا تحقیق گمراہ کرے
عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي	بے شک اللہ ظالموں
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝	کو ہدایت نہیں کرتا۔

(سورۃ الانعام آیت ۱۴۱ تا ۱۴۴)

تفسیر

یہاں قرآن مجید کی سورۃ انعام کی چار آیتیں دی گئی ہیں اور پہلی آیت میں چار چیزوں کا بیان ہے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے جو مختلف قسم کی نعمتیں پیدا کی ہیں اس کو کھانے کا حکم ہے۔ اب یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی یہ نعمتیں کھانے کا حکم کیوں دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر انسان کی حیثیت ایک ڈپو ہولڈر اور منتظم کی ہے اس کے ذریعہ بعض دوسرے انسانوں اور حیوانوں تک روزی پہنچانا ہے۔ اگر یہ خود روزی نہیں کھائیگا تو ظاہر بات ہے کہ یہ پھر صحیح طور پہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر سکے گا اس لیے اسے روزی کھانا ضروری ہے اور دوسری یہ بات قابل غور ہے کہ اس کو مختلف چیزیں کھانے کا حکم کیوں دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان ہمیشہ کے لیے ایک چیز نہیں کھا سکتا اس لیے اس کے لیے مختلف چیزیں پیدا کی ہیں تاکہ یہ ان سے اپنا پیٹ

بھر سکے پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کے پاس جو دولت یا سرمایہ ہے اسے چاہیئے اسے اپنی ذات پر خرچ کرے۔

اس آیت میں دوسرا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو نعمت اور دولت بخشی ہے اس میں سے اللہ کا حق ادا کرے۔ اس کی مزید تفصیل عنقریب بیان ہوگی۔

تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ انسان کو کھانے پینے کے سلسلہ میں اسراف نہیں کرنا چاہیئے اور اسراف کا لفظ جو قرآن مجید میں کئی مواقع پر استعمال کیا گیا ہے اس کا اصلی معنیٰ تو ہے حد سے بڑھنا اور اب آیت کے معنے یہ ہوئے کہ حد سے بڑھ کر نہ کھائیں اور کھانے کی حد حدیث میں یوں آئی ہے کہ انسان کے پیٹ کے تین حصّے ہیں۔ ایک حصّہ کھانے کے لیئے ایک حصّہ پانی کے لیے اور ایک حصّہ سانس کے لیے اور اس طرح کھانے میں حکمت یہ ہے کہ اس سے کھانا اچھی طرح ہضم ہوگا، جزو بدن بنے گا اور آدمی کی صحت اچھی رہے گی اور انسان اگر اتنا کھائے کہ پیٹ میں پانی اور سانس کی جگہ بھی نہ رہے تو اس سے ایک نقصان تو یہ ہوگا کہ اس سے انسان کا معدہ خراب ہوگا، صحت متأثر ہوگی اور طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوں گی اور دوسرا نقصان یہ ہے کہ یہ اپنی اصلی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوسکے گا اور اس طرح وہ کئی طرح کے ثواب سے محروم رہ جائے گا۔

چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ اسراف کرنے والا آدمی اللہ کو پسند نہیں ہے کیونکہ اس نے اللہ کی قانون شکنی کی ہے اور اس کی مقرر کردہ حد کو توڑا ہے۔

بہر حال سورۃ انعام کی آیت ایک سو اکتالیس میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو مختلف قسم کا اناج اور پھل فروٹ کھانے کا حکم دیا ہے اور آیت ایک سو بیالیس اور ایک سو تینتالیس اور چوالیس میں آٹھ قسم کے مویشیوں کے گوشت کھانے کا حکم دیا ہے۔ بھیڑ مادہ نر، بکری مادہ و نر، اونٹ مادہ و نر اور گائے مادہ و نر اور ساتھ ساتھ مشرکین کی ان بدعات اور اختراعات کی تردید کی ہے جو انہوں نے غیر اللہ کی نذر و نیاز کے ذریعہ بعض انسانوں کو روزی سے محروم کر رکھا تھا۔ بہر حال انسان کو اناج، سبزیات، پھل فروٹ اور گوشت کھلا کر توانا کرنا مقصود ہے تاکہ یہ اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح نبھا سکے لیکن انسان احسان فراموش ثابت ہوا ہے۔ بقول شاعر :-

ثنا خواں پتّہ پتّہ ہے خدایا دم بدم تیرا
زمین و آسمان تیرے یہ موجود و عدم تیرا
جو دنیا میں تیرا کھا کر تیرے شکوے کرے یا رب
تعجب ہے کہ ان پر بھی ہو لطف و کرم تیرا

مصرف دوم

بیوی کے اخراجات خاوند کے سپرد ہیں

وَ اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ	اور ان کے سوا تم پر سب عورتیں
ذٰلِکُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا	حلال ہیں بشرطیکہ انہیں اپنے
بِاَمۡوَالِکُمۡ مُّحۡصِنِیۡنَ	مال کے بدلے میں طلب

غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ط وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (سورۃ النساء آیت ۲۴)

کرو ایسے حال میں کہ نکاح کرنے والے ہو نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو پھر ان عورتوں میں سے جسے تم کام میں لائے ہو تو حق جو مقرر ہوئے ہیں وہ انہیں دے دو البتہ مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے باہمی کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے بیشک اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط (سورۃ نساء آیت ۳۴)
وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ (سورۃ البقرہ)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس واسطے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے اور اس واسطے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں اور دستور کے مطابق ان کا ویسا ہی حق ہے جیسا ان پر ہے

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (سورۃ بقرہ)

وہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم اُن کا لباس ہو۔

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي — کیا اس کے لیے وہ ہے جو
الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ — زیور میں پلتی ہے اور جھگڑے
غَيْرُ مُبِيْنٍ (سورۃ زخرف) — میں بات نہیں کر سکتی۔

تفسیر

یہاں چند سورتوں کے ٹکڑے دیئے گئے ہیں۔ پہلا حصّہ سورۃ النساء کی آیت چوبیس کا ہے اس میں چار چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز مرد کے لیے جو عورتیں حلال ہیں ان کو نکاح میں لانے کے لیے چار شرطیں بیان کی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ دونوں میاں بیوی کے درمیان ایجاب وقبول ہو اس کو ان تبتغوا میں بیان فرمایا ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ عقدِ نکاح مالوں کے بدلے میں ہو اس کو باموالکم میں بیان فرمایا ہے اور تیسری شرط یہ ہے کہ ہمیشہ نکاح میں رکھنا مقصود ہو اس کو محصنین میں بیان فرمایا ہے اور چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ نکاح ایک محدود عرصہ کے لیے (متعہ) نہ ہو اس کو غیر مسافحین میں بیان کیا ہے۔

دوسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ مرد جب عورتوں سے حق زوجیّت کا فائدہ اٹھائیں تو مقرر کردہ مال اُن کو دیں اس کو فما استمتعتم سے لے کر فریضۃ تک میں بیان فرمایا ہے۔

تیسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ مہر وغیرہ کے تقرر کے بعد میاں بیوی باہم رضامندی سے مقرر کردہ مال میں کمی بیشی کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں مگر عقدِ نکاح سے پہلے ایسا نہیں کر سکتے یہ مضمون ولاجناح سے لے کر بعد الفریضۃ تک میں بیان فرمایا ہے۔

چوتھی چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ قانون ایک بہت بڑے ماہر اور دانا کا بنایا ہوا ہے اور سورۃ نساء کی آیت چونتیس کے جملے میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلا یہ ہے کہ اس عقد نکاح کے بعد اس انسانی ترقی کے اس ابتدائی یونٹ کا سربراہ مرد ہوگا۔ اس مضمون کو الرجال قوامون علی النساء میں بیان فرمایا ہے اور دوسری چیز اس کا سبب بیان فرمایا ہے کہ مرد کو عورت پر ذاتی شرف حاصل ہے اس کو مضمون بما فضل اللہ بعضھم علی بعض میں بیان فرمایا ہے اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ مرد چونکہ عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اس لیے انہیں اس حکمرانی کا حق حاصل ہے اور یہ مضمون و بما انفقوا من اموالھم میں بیان فرمایا ہے۔ بہرحال اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ مردوں نے عورتوں پر مال خرچ کرنا ہے۔ مگر یہ تفصیل نہیں کہ کتنا خرچ کرنا ہے اور کیا کیا خرچ کرنا ہے۔ اور سورۃ بقرہ کے مندرجہ ذیل جملے میں اس کی قدرے تفصیل بیان فرما دی ہے۔ کہ دستور کے موافق جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں اسی طرح مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق ہیں اور سورۃ بقرۃ کے جملہ ھن لباس لکم و انتم لباس لھن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معروف طریقہ سے مراد لباس بھی ہے اور سورۃ زخرف کے جملہ سے اشارتاً معلوم ہوتا ہے کہ اس معروف طریقہ سے مراد زیور بھی ہے اور سورۃ طلاق کے اس جملہ سے (اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ان طلاق دی ہوئی عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم اپنے مقدور کے موافق رہتے ہو) سے اشارتاً معلوم ہوتا ہے کہ اس معروف سے مراد مکان

بھی ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ	حکیم بن معاویہ قشیری اپنے
مُعٰوِيَةِ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ	باپ سے روایت کرتے
اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ	ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا	عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں
حَقُّ زَوْجَةِ اَحَدِنَا	سے کسی کی بیوی کا اس پر
عَلَيْهِ قَالَ اَنْ	کیا حق ہے تو آپ نے فرمایا
تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ	تو اسے کھانا کھلا جب وہ کھانا
وَتَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ	کھانا چاہے اور لباس پہنا
وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ	جب وہ لباس پہننا چاہے
وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ	اور اس کے منہ پر مت مار
اِلَّا فِي الْبَيْتِ۔	اور اس کی برائی اور مذمت
(رواہ احمد)	نہ کر مگر اپنے گھر میں۔

تشریح

اس حدیث میں کپڑوں کے ساتھ روٹی کا ذکر بھی آ گیا ہے پس ان آیات اور اس حدیث کا خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ خاوند نے اپنی بیوی کو روٹی، کپڑا اور مکان مہیّا کرنا ہے یہ اس کے فرائض اور ذمہ داریوں میں سے ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ	اور مائیں اپنے بچوں کو پورے

اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

دو برس دودھ پلائیں یہ اس کے لیے ہے جو دودھ کی مدت پورا کرنا چاہے اور باپ پر ان کا رزق اور کپڑے ہیں معروف طریقہ سے کسی کو تکلیف نہ دی جائے مگر اسی قدر کہ اس کی طاقت ہو نہ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے اور وارث پر بھی ویسا ہی نان نفقہ ہے پھر اگر دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر کسی اور سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہیں تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ تم دے دو جو دستور کے مطابق تم نے دینا ٹھہرایا ہے

(سورۃ بقرہ آیت ۲۳۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خاوند اگر بیوی کو طلاق دے دے اور شیر خوار اولاد ہونے کی صورت میں ماں انہیں دودھ پلائے تب بھی اس کی روٹی کپڑا باپ کے سپرد ہے اور اگر وہ کسی مجبوری کی وجہ سے ان بچوں کو دودھ نہ پلا سکے تو پھر کسی اور عورت سے پلوا لیں تو اس کا بھی خرچ وغیرہ بھی اس باپ کو دینا ہوگا اور یہ عورت کے اخراجات شوہر پر اس لیے ڈالے گئے ہیں کہ عورت نے حق زوجیت ادا کرنا ہے۔ گھر کی نگرانی کرنا ہے اولاد کی تربیت کرنا ہے اگر یہ اخراجات شوہر پر نہ ڈالے جائیں تو عورت یہ مشن پورا نہیں کر سکے گی۔

مصرف سوم

اولاد کے اخراجات بھی والد پر ہیں

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْھُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْھُمْ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝	اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے بے سمجھوں کے حوالے نہ کرو البتہ انہیں ان مالوں میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور انہیں نصیحت کی بات کہتے رہو۔
(سورہ النساء آیت ۵)	

تفسیر

اس آیت مبارکہ میں اولاً تو اپنے مال کے تحفظ کا حکم دیا ہے کہ بے وقوفوں کو اپنا مال دے کر اسے ضائع نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو اپنی زندگی کا ذریعہ خود ضائع کرو گے اور بیوقوف عام ہے خواہ اس کی بیوی ہو یا یتیم ہو یا اپنی اولاد ہو اور دوسرا اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ انہیں اس مال میں سے روٹی دیتے رہو اور تیسرا حکم یہ دیا ہے کہ انہیں کپڑے بھی دیتے رہو اور چوتھا حکم یہ دیا ہے کہ انہیں نصیحت کی بات کہتے رہو پس اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اولاد کے اخراجات باپ پر ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بچے کمزور ہیں اور معاشرہ میں والد سے زیادہ اُنکے قریب تر کوئی نہیں ہے مگر یہ آیت جامع ہے اگر باپ مخاطب ٹھہرایا جائے تب یہ تفسیر ہو گی۔

قرآن مجید کی بعض دیگر آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے اخراجات باپ پر عائد ہوتے ہیں جیسا کہ آیت رضاعت اور آیت میراث وغیرہ چونکہ یہ آیات پہلے بیان ہو چکی ہیں اب طوالت سے بچنے کے لیے دوبارہ انہیں ذکر نہیں کرتے اور احادیث میں اولاد پر خرچ کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے جو خلاصہ تفسیر القرآن جلد خامس میں بیان ہو چکی ہے جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

مصرف چہارم

لباس

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝

اے آدم کی اولاد ہم نے تم پر پوشاک اتاری جو تمہاری شرمگاہیں ڈھانکتی ہے اور آرائش کے کپڑے بھی اتارے اور پرہیزگاری لباس وہ سب سے بہتر ہے یہ اللہ کی نشانیوں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ

اے آدم کی اولاد تمہیں شیطان نہ بہکائے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکال دیا ان کے کپڑے اتروائے تاکہ انہیں ان کی شرمگاہیں دکھائے وہ اور اس کی قوم تمہیں دیکھتی ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے ہم نے شیطانوں کو

اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کا دوست بنا دیا
لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔

(سورۃ الاعراف آیت ۲۶-۲۷)

تفسیر

ان آیتوں میں پانچ چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے لباس اُتارا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنی عزت وآبرو اور شرم وحیا کا تحفظ کر سکے دراصل خداوندِ پاک نے تمام جانداروں اور حیوانات کی شرمگاہوں کا تحفظ فرمایا ہے اور انکی شرمگاہوں کو پردے میں رکھا ہے اور ان کے پردے کو ان کے ساتھ ہر وقت پیوست کیا ہوا ہے کیونکہ اس کے سوا ان کی شرمگاہوں کا تحفظ نہیں رہ سکتا اور انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لیے اس کے پردے کا انتظام بھی سب سے اعلیٰ، عمدہ اور خوبصورت ہے مگر اس لباس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ لباس صرف شرمگاہوں تک ہی محدود رہے اور باقی بدن ننگا اور کھلا رہے اس کو لباسًا یواری سوٰاتکم و ریشا میں بیان فرمایا ہے اور ریش سے مراد باقی زیبائش ہے۔

دوسری صورت لباس تقویٰ کی ہے اور اس کو بہتر فرمایا ہے اور لباس تقویٰ یہ ہے کہ انسان کا سارا جسم ملبوس ہو البتہ یہاں عورتوں کے لباس کی تفصیل الگ ہے اور مردوں کے لباس کی الگ ہے اس پر خلاصہ تفسیر القرآن کی جلد خامس کے آخر میں قرآن وسنت کی روشنی میں

پوری بحث گزر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس لباس کو بہتر اس لیے فرمایا کہ یہی لباس انسان کو باقی حیوانات سے مستثنیٰ اور ممتاز کرتا ہے اور اسی لباس سے انسان کی شرافت و کرامت واضح ہوتی ہے ورنہ بندر، سؤر، گدھے، گھوڑے اور کتے اور انسان میں کوئی واضح فرق نظر نہیں آتا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے اس لباس کو اپنی قدرت اور اپنی ذات کا تعارفی نمونہ قرار دیا ہے اور اگرچہ بظاہر یہ رنگ برنگے ملبوسات انسان بناتا ہے لیکن انسان کا خالق اور لباس کے مادے کا خالق بھی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی طرح انسان کو اس صنعت کا شعور بخشنے والا بھی تو اللہ تعالیٰ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ اللہ تعالےٰ کے ہی تعارفی نمونے ہیں۔ ؎

بسا میری نظروں میں تو اس قدر ہے
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تُو ہے

اور آخر میں فرمایا لعلّھم یذکّرون یہ اللہ کے تعارفی نمونے اس لیے بیان فرمائے ہیں تاتمہیں نصیحت آئے۔

تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ شیطان تمہارا ازلی ابدی دشمن ہے تمہارا یہ زینت والا لباس تمہارے بدن پہ دیکھ کر برداشت نہیں کرسکے گا اور تم سے وہ اتروائے گا جیسا کہ تمہارے والدین آدم حوّا کو جنّت سے نکلوایا اور ان سے ان کا جنّت کا لباس اتروایا اس مضمون کو یابنی آدم سے لے کر لباسھما تک میں بیان فرمایا۔

اور چوتھی چیز ایک شبہ کا ازالہ ہے اور وہ یہ ہے کہ شیطان ہم سے

ہمارا لباس کس طرح اتروائے گا تو اس کا جواب دیا کہ وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے اور تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ شیطان اصل میں ایک لطیف طاقت ہے اور قرآن مجید میں ہے کہ یہ انسان کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے اور بُرے خیالات لاتا ہے۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ نیک خیال رحمان کی طرف سے ہوتا ہے اور بُرا خیال شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ شیطان کا حملہ انسان پر بُرے خیالات کی صورت میں ہوتا ہے اور ان برے خیالات میں سے لباس تقویٰ ترک کرنا بھی ہے۔

اور پانچویں چیز یہ بیان فرمائی کہ جو لوگ ضابطہ لباس الٰہی نہیں مانتے وہ اس کے راندۂ درگاہ ہو جاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ انہیں شیطانوں کا ہی دوست بنا دیتے ہیں۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا	اے آدم کی اولاد تم مسجد
زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ	کی حاضری کے وقت زینت
مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا	والا لباس پہن لیا کرو اور
وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ	کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ
لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝	نکلو بے شک اللہ حد سے
قُلْ مَنْ حَرَّمَ	نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا
زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ	آپ فرما دیں اللہ کی زینت کو
اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ	کس نے حرام کیا ہے جو اس
مِنَ الرِّزْقِ ط	نے اپنے بندوں کے واسطے

پیدا کی ہے اور پاکیزہ روزی کس نے حرام کی ہے۔

قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ	آپ فرما دیں دنیا کی زندگی میں
اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ	یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں
الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ	کے لیے ہیں۔ قیامت کے
الْقِیٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ	دن خالص انہیں کے لیے
نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ	ہو جائے گی۔ اسی طرح ہم
لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝	آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں
	ان کے لیے جو جانتے ہیں۔
قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ	آپ فرما دیں میرے ربّ نے
رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا	صرف بے حیائی کی باتوں کو
ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ	حرام کیا ہے خواہ اعلانیہ
(سورۃ اعراف آیت ۳۱-۳۲)	ہوں یا پوشیدہ۔

تفسیر

پہلی دو آیتوں میں لباس پہننے کے فوائد اور نہ پہننے کے نقصانات سے آگاہ فرمایا اور ان آیات میں آیت اکتیس میں دو حکم اور ایک نہی ہے اور آخر میں نہی کے ارتکاب کا نقصان بیان فرمایا ہے۔ پہلا حکم یہ ہے کہ ہر مسجد میں زینت کا لباس پہن کر جاؤ اور زینت کے لباس سے مراد لباس تقویٰ ہے اور دوسرا حکم کھانے پینے کا ہے اور تیسرا کھانے پینے میں اسراف سے ممانعت ہے۔ اور آخر میں اسراف کا نقصان

بتایا ہے کہ اسراف کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے اور آیت بتیس میں یہ فرمایا کہ زینت کا لباس اور پاکیزہ روزی حرام نہیں البتہ اصل میں دنیا میں یہ ایمان والوں کے لیے ہے اور وہی ایسا لباس پہنتے ہیں اور پاکیزہ روزی استعمال کرتے ہیں کافر نہ تو لباس میں امتیاز کرتے ہیں اور نہ روزی میں اور یہ نعمتیں قیامت کے دن ایمان والوں کے لیے مخصوص ہو جائیں گی اور کافران سے محروم ہوں گے اور آخر میں فرمایا کہ اس لباس کا ذکر بطور تعارف ہے کہ اس سے عقیدۂ توحید بھی معلوم ہو جائے اور قیامت بھی اور یہاں آیت تینتیس کا ایک جملہ نقل کیا ہے اس میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بے حیائی حرام کی ہے خواہ علانیہ ہو یا چھپ کر ہو اور دراصل یہ آیتیں مشرکین مکہ کی تردید میں نازل ہوئی ہیں کیونکہ وہ لوگ ننگے بدن طواف کرتے تھے اور حج کے موسم میں کھانا قوت لایموت کھاتے تھے اس سے زیادہ کھانا کھانا اور طواف کی حالت میں لباس پہننے کو حرام سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر اس کے غلط نظریات کی تردید فرمائی کہ یہ حرام نہیں بلکہ ننگے بدن طواف کرنا حرام ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ	حضرت ابوہریرہ نے رسول
قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان
اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَیَاءُ	نقل کیا ہے آپ نے فرمایا حیا
مِنَ الْاِیْمَانِ	ایمان میں سے ہے اور ایمان
وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّةِ	والا جنت میں جائے گا اور
وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ	بے حیائی بُری خو ہے اور بُری
وَالْجَفَاءُ فِی النَّارِ۔	خو والا دوزخ میں جائے گا۔

(رواہ احمد والترمذی)

وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهٗ (متفق علیہ)	اور عمران بن حصین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ حیا صرف بھلائی لاتا ہے اور ایک روایت میں ہے حیا سب سے بہتر ہے۔

تشریح

یہاں دو حدیثیں ہیں ایک ابوہریرہ والی اور دوسری عمران بن حصین والی اور یہ دونوں حدیثیں سورۃ اعراف کی آیت چھبیس اور ستائیس کی تفسیر ہے۔

ابوہریرہ والی حدیث میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ حیا ایمان کی علامت ہے یعنی اللہ کے اتارے ہوئے لباس تقویٰ کو اپنانا علامت ایمان ہے اور جو یہ لباس نہیں پہنتا وہ مومن نہیں ہے اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ ایمان کی بدولت جنت ملے گی اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ بے حیائی بری خصلت ہے کیونکہ اس سے بداخلاقیاں پیدا ہوتی ہیں اور ہزاروں جرائم جنم لیتے ہیں اور چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ اس بے حیائی کے نتیجہ میں دوزخ میں جانا ہوگا۔ خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا، کہ لباس تقویٰ کا بدلہ جنت اور بے حیائی کا بدلہ دوزخ ہے۔

اور عمران بن حصین والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیاء کے مختلف

شعبے ہیں اور ہر شعبہ حیا میں خیر اور بھلائی ہے اور یہ خیر عام ہے خواہ دنیاوی ہو یا اخروی اور یہ حیا اس لیے خیر ہے کہ حیا دار آدمی جرائم سے بچتا ہے اور بے حیا نہیں بچتا گویا کہ حیا نیکی کی جڑ ہے اور بے حیائی ہر برائی کی بنیاد ہے اور اسی کے سدّباب کے لیے اللہ تعالیٰ نے لباس تقویٰ اتارا ہے اور مفسّرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے فرعون کی طرف سے جو جادُوگر آئے تھے انکا لباس حضرت موسیٰؑ جیسا تھا اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمت ایمان عطا فرمائی اور ایمان بھی ایسا مضبوط کہ ایک روایت کے مطابق فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں تک کاٹ دیئے مگر پھر بھی وہ اپنے ایمان سے نہیں لوٹے اور رتبہ شہادت پایا۔ یہ ہیں لباس تقویٰ کی برکات

اچھا اور خوبصورت لباس تقویٰ کے منافی نہیں ہے

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ	ابن مسعود سے مروی ہے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص
لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ	جنت میں داخل نہیں ہوگا
کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ	جس کے دل میں ذرّہ برابر تکبّر
ذَرَّۃٍ مِنْ کِبْرٍ فَقَالَ	ہوگا۔ تو ایک آدمی نے
رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ	آپ سے عرض کیا کہ آدمی پسند

اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ	کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا
حَسَنًا وَّ نَعْلُهٗ حَسَنًا	ہو اور اس کا جوتا اچھا ہو، تو
قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى	آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمیل
جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ	ہے وہ جمال کو پسند کرتا ہے
اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ	تکبری تو حق کو ٹھکرانا اور
وَغَمْطُ النَّاسِ	لوگوں کو مفید جاننا ہے۔

(مسلم)

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ	عمرو ابن شعیب اپنے باپ
عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ	سے اور اس نے اس کے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	دادا سے نقل کیا ہے کہ رسول
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ	کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتے
يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ	ہیں کہ اس کی نعمت کا اثر
عَلٰى عَبْدِهٖ۔	اس کے بندے پر دیکھا جائے

(ترمذی)

عَنْ اَبِي الْاَحْوَصِ	ابی الاحوص نے اپنے باپ
عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ	سے روایت کی ہے انہوں
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيَّ	اللہ علیہ وسلم کی خدمت
ثَوْبٌ دُوْنٌ فَقَالَ	میں حاضر ہوا اور مجھ پر گھٹیا
لِيْ اَلَكَ مَالٌ	لباس تھا تو آپ نے فرمایا

قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مِنْ	مجھے کیا تیرا مال ہے ، میں
أَيِّ الْمَالِ قُلْتُ	نے کہا ہاں تو آپ نے فرمایا
مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ	کون سا مال ہے تو میں نے
أَعْطَانِي اللَّهُ مِنَ	عرض کیا ہر قسم کا مال اللہ نے
الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ	مجھے دیا ہے اونٹ ، گائیں
وَالْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ	بکریاں ، گھوڑے اور غلام تو
قَالَ فَإِذَا آتَاكَ اللَّهُ	آپ نے فرمایا جب اللہ نے
مَالًا فَلْيُرَ أَثَرُ	تجھے مال دیا ہے تو پھر اللہ
نِعْمَةِ اللَّهِ عَلَيْكَ	کی نعمت اور کرامت کا اثر
وَكَرَامَتِهِ (احمد نسائی)	تم پر نظر آنا چاہیئے۔

تشریح

یہاں تین احادیث دی گئی ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ اچھا اور خوبصورت لباس پہننا تکبری اور فخر غرور نہیں ہے اور نہ تقویٰ کے منافی ہے بلکہ جب آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اسے چاہیئے کہ اچھا کھائے اور اچھا پہنے اور اللہ کی دی ہوئی نعمت کا اثر اپنے بدن پر ظاہر کرے ایسے بندے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے جس طرح ماں اور باپ اپنی اولاد کو کھاتے پیتے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اس سے اللہ کے احسانات اور انعامات کا پتہ چلتا ہے کہ جو اللہ کی بندگی کرتا ہے اللہ انہیں ایسی نعمتیں دیتا ہے۔

تکبرانہ لباس تقویٰ کے منافی اور حرام ہے اور اسکی اُخروی سزا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا (متفق علیہ)	ابی ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن نہیں دیکھیں گے اس شخص کو جو تکبّر سے چادر دراز کرے۔
عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِزَارَةُ الْمُؤْمِنِ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْهِ لَا جُنَاحَ عَلَیْهِ فِیْمَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْکَعْبَیْنِ مَا اَسْفَلَ مِنْ ذَالِكَ فَفِی النَّارِ قَالَ ذَالِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَلَا یَنْظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلٰی	ابی سعید خدری نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ مومن کی چادر پنڈلیوں کے نصف تک ہونا چاہیئے اور پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان رکھنے میں حرج نہیں ہے اور اس سے نیچے جو رکھے وہ آگ میں ہوگا، تین مرتبہ آپ نے ایسا فرمایا اور اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن نہیں دیکھے گا جو تکبری سے

مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا — چادر دراز کرے۔

(ابوداؤد وابن ماجہ)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِزَارِيْ يَسْتَرْخِيْ اِلَّا اَنْ اَتَعَاهَدَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَفْعَلُهٗ خُيَلَاءَ

ابن عمر نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ جو تکبر سے اپنی چادر دراز کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے نہیں دیکھے گا تو ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ میری چادر تو لٹکی رہتی ہے مگر کہ اس کی نگرانی کرتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان میں سے نہیں ہے جو تکبر سے ایسا کرتے ہیں۔

(بخاری)

تشریح

یہاں تین احادیث ذکر کی گئی ہیں ایک ابوہریرہ والی دوسری ابی سعید خدری والی اور تیسری ابن عمر والی۔

ابوہریرہؓ والی حدیث میں آپ نے فرمایا جو تکبر سے اپنی تہبند دراز

کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔

ابی سعید خدری والی حدیث میں تہبند رکھنے کی حد بیان فرمائی، کہ مومن کی تہبند پنڈلیوں کے نصف تک ہونا چاہیئے اور پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان رکھنے میں کوئی حرج نہیں اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو قیامت کے روز نظرِ رحمت اور شفقت سے نہیں دیکھیں گے جو تکبر سے اسے نیچے رکھے۔

اور ابن عمر والی حدیث میں بھی آپ نے یہ ہی مضمون بیان فرمایا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری تہبند تو لٹکتی ہی رہتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم ان میں سے نہیں ہو جو تکبّر سے لٹکاتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ جو لوگ تکبری سے اپنی تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکا دیتے ہیں ان کا یہ فعل حرام ہے اور یہ لباس تقویٰ کے منافی ہے اسی لیے ایسے لوگوں کی سزا بھی بیان فرمائی ہے اور جو تکبری کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے بلکہ کسی بیماری کی وجہ سے کرتے ہیں یا سردی کی وجہ سے یا پیٹ بھاری ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں تو وہ اس مذمت اور سزا میں شامل نہیں۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ	ام سلمہ سے مروی ہے کہ میں
لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ	نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ	وسلم سے اس وقت عرض کیا
ذَکَرَ الْاِزَارَ فَالْمَرْاَۃُ	جب آپ تہبند کا ذکر فرما رہے
یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ تُرْخِیْ	تھے کہ پھر عورت یا رسول اللہ
شِبْرًا فَقَالَتْ اِذًا	صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمایا ایک

تَنْكَشِفُ عَنْهَا قَالَ فَذِرَاعًا لَا تَزِيدُ عَلَيْهِ ۔

بالشت تک لٹکائے تو اس نے کہا اس وقت اس کے قدم کھلے رہیں گے تو پھر فرمایا ایک ہاتھ دراز کرے اس پر زیادہ نہ کرے ۔

تشریح

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے لیے تہبند یا شلوار کی لمبائی کی حد بیان فرمائی ہے کہ اس کی لمبائی اتنی ہو کہ اس کے قدم چھپ جائیں اس سے زیادہ عورت کو بھی تہبند لمبا نہیں رکھنا چاہیئے کیونکہ عورت کے لیے پردہ کی حد یہیں تک ہے اس سے زیادہ اگر عورت شلوار یا تہبند لمبا کرے گی تو وہ کپڑا زمین سے لگے گا اور وہ ناپاک ہو جائے گا اس سے نماز نہیں ہو گی اور یہ تکبّری کی علامت ہے اسراف بھی ہے لباس تقویٰ کے خلاف ہے ۔

سونا چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس کے احکامات

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَشْرَبَ فِي اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ

حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چاندی، سونے کے برتنوں میں پانی پینے اور ان میں کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے

وَاَنْ نَّاْكُلَ فِيْهَا	اور حریر اور دیباج پہننے سے
وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ	اور اس پر بیٹھنے سے بھی
وَاَنْ نَّجْلِسَ عَلَيْهِ۔	منع فرمایا۔
(متفق علیہ)	
وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى	اور ابوموسیٰ اشعری سے مروی
الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ	ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	نے فرمایا سونا اور ریشم میری
قَالَ اُحِلَّ الذَّهَبُ	امت کی عورتوں کے لیے حلال
وَالْحَرِيْرُ لِلْاِنَاثِ مِنْ	ہے اور مردوں کے لیے
اُمَّتِيْ وَحُرِّمَ عَلٰى	حرام ہے۔
ذُكُوْرِهَا (ترمذی)	

تشریح

یہاں دو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث حضرت حذیفہ والی اور دوسری ابوموسیٰ اشعری والی ہے۔

حضرت حذیفہ والی حدیث کے دو حصّے ہیں پہلے حصّے میں سونا چاندی کے برتنوں میں پانی پینے اور کھانا کھانے سے آپ نے منع فرمایا ہے یہ ممانعت عام ہے۔ مرد، عورتیں اور بچے سب اس میں شامل ہیں اور دوسرے حصّے میں ریشمی لباس پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے یہ ممانعت مردوں کے لیے مخصوص ہے عورتوں کے لیے ریشمی لباس استعمال کرنے کی اجازت ہے جیسا کہ آنے والی حدیث میں ہے۔

ابو موسیٰ اشعری والی حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ میری امت کی عورتوں کے لیے سونا اور ریشمی لباس حلال ہے۔ یہاں سونے کی اجازت سے مراد صرف زیور ہے اور مردوں کے لیے حرام ہے اور سونا چاندی کے برتنوں کی ممانعت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ سونا چاندی ایک ایسا سرمایہ ہے جس پر نظام عالم کا دارومدار ہے۔ اگر سونا چاندی سے برتن سازی شروع کی جائے تو اس سے ایک طرح کا انجماد پیدا ہوگا جس سے نظام عالم متاثر ہوگا اس لیے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور مرد کو ریشمی لباس سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اس کی ضرورت جب دوسرے لباس سے پوری ہو رہی ہے تو ریشمی لباس استعمال کرنا اس کے لیے فضول خرچی ہے ہاں جہاں ضرورت ہو مثلاً جہاد میں یا خارش یا جوڑوں کی تکلیف دور کرنا مقصود ہو تو جائز ہے جیسا کہ دوسری احادیث میں تفصیل موجود ہے اور عورتوں کو سونے کا زیور یا ریشمی لباس پہننے کی اجازت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے عورت میں جاذبیت پیدا ہوتی ہے اور مقصود یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان محبت کا جذبہ فروغ پائے اور انسانی ترقی کا یہ بنیادی یونٹ مضبوط ہو پس معلوم ہوا کہ میاں اور بیوی کی باہم الفت اور محبت سے انسانی معاشرہ کو جو فائدہ پہنچتا ہے ایسا فائدہ سونے اور چاندی سے نہیں پہنچتا اس لیے اسلام میں اس یونٹ کو مضبوط بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

بہرحال انسان کے پاس جو سرمایہ ہے اس میں سے وہ اپنے لباس پر بھی خرچ کر سکتا ہے۔

مصرف پنجم

مکان

وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ	اور ہم نے کہا اے آدم تم
اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ	اور تمہاری بیوی جنت میں جا
وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا	کر رہو اور اس میں سے جو
حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا	چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ
تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ	اور اس درخت کے نزدیک نہ
فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○	جاؤ پھر ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ	پھر شیطان نے اُن کو وہاں
عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا	سے ڈگمگایا پھر انہیں اس
مِمَّا كَانَا فِيْهِ	عزت اور راحت سے نکالا
وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ	کہ جس میں تھے اور ہم نے
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ	کہا کہ تم سب اترو کہ تم ایک
فِی الْاَرْضِ	دوسرے کے دشمن ہو، اور
مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى	تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا
حِيْنٍ ○	ہے اور سامان ایک وقتِ
(سورۃ البقرۃ آیت ۳۵-۳۶)	معین تک۔
وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ	اور اللہ نے تمہارے گھر (ز)

بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ
لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ
بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا
يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ
اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ
اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا
وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا
وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ
مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا
وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ
الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ
جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ
تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ
سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ
بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ
يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝
(سورۃ النحل آیت : ۸۰ تا ۸۱)

کو تمہارے لیے آرام کی جگہ بنایا
ہے اور تمہارے لیے چارپایوں
کی کھالوں سے خیمے بنائے جنہیں
تم اپنے سفر اور قیام کے
دن ہلکے پاتے ہو اور بھیڑوں
کی اون سے اور اونٹوں کی
روئوں سے اور بکریوں کے
بالوں سے کتنے ہی سامان اور
مفید چیزیں وقت مقرر تک
بنا دیں اور اللہ نے تمہارے
لیے اپنی بنائی ہوئی چیزوں
کے سائے بنا دیئے اور
اس نے تمہارے لیے پہاڑوں
میں چھپنے کی جگہیں بنا دیں اور
تمہارے لیے کرتے بنا دیئے
جو تمہیں گرمی سے بچاتے
ہیں اور زرہیں جو تمہیں لڑائی
سے بچاتی اور اللہ نے تم پر
کیسے کیسے احسانات کئے
ہیں تاکہ تم تابعدار ہو جاؤ۔

تفسیر

یہاں چار آیتیں دی گئی ہیں۔ پہلی دو آیتیں سورۃ بقرہ کی ہیں اور سورہ بقرۃ کی آیت پینتیس میں دو چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنّت میں رہنے کی جگہ عطا فرمائی دوسری چیز یہ ہے کہ انہیں جنت میں سے کھانے کے لیے ہر چیز کی اجازت ملی مگر ایک قسم کے درخت کے پھل کھانے سے منع فرمایا اور ساتھ ساتھ اس کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ اس کا پھل کھانے سے تمہارے اندر ظلم کا مادہ پیدا ہوگا اور سورۃ بقرۃ کی آیت چھتیس میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوّا کو دھوکہ دے کر اس درخت کا پھل کھلایا اور پھر وہی ان کے جنّت سے اخراج کا باعث بنا اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں جنّت سے نکل جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ چونکہ یہ پھل کھانے کی وجہ سے تمہاری آپس میں عداوت پیدا ہو چکی ہے لہٰذا تمہیں اب جنّت میں رہنے کی اجازت نہیں ہے اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ اب تم زمین میں جاؤ اور کچھ عرصہ تک وہاں رہو وہاں تمہارے قرار کی جگہ بھی ہے اور سازوسامان کی بھی۔

سورۃ النحل کی آیت اسّی میں سورۃ بقرہ کی آیت چھتیس میں جو مستقر و مستودع کے الفاظ آئے ہیں۔ ان کی تشریح و توضیح ہے یعنی زمین میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے آرام اور سکون کے لیے اقامتی گھروں کا انتظام بھی فرمایا ہے اور سفری گھروں کا بھی انتظام فرمایا ہے اور وہ سفری

گھر جن چیزوں سے تیار کیئے جاتے ہیں ان کا بھی ذکر فرمایا ہے مثلاً بھیڑوں بکریوں کی اون وغیرہ اور آیت اکیاسی میں پہاڑی گھروں کا ذکر فرمایا ہے اور پھر اس جسم کو سردی، گرمی اور جنگ سے بچانے کے اسباب بھی بیان فرمائے ہیں ۔ ہمارا مقصد یہاں صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہاں جو فرمایا ہے جعل لکم من بیوتکم سکنا ۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے زمین میں تمہارے لیے گھر بنانے کے اسباب پیدا فرما دیئے ہیں اب وہاں جاکر خود اپنے ہاتھوں سے گھر بنا لینا اقامتی بھی، سفری بھی اور پہاڑی بھی مگر اقامتی گھروں کے ساتھ لفظ سکن لگایا ہے جس کے معنیٰ آرام کے آتے ہیں پس معلوم ہوا کہ ہر آدمی کے پاس ایک مکان ہونا چاہیئے جس میں اس کو ہر قسم کا آرام اور سکون میسّر ہو کیونکہ اس نے روزی کی خاطر محنت کرنا ہے اور اس سلسلہ میں اسے کبھی پہاڑی سفر کرنا ہوگا اور کبھی زمینی سفر کرنا ہوگا اور اتنی محنت کے بعد جب وہ واپس اپنے گھر آئے اور اسے آرام میسّر نہ ہو تو ظاہر بات ہے کہ پھر وہ محنت نہیں کر سکے گا ۔

پس ثابت ہوا کہ ہر آدمی کے لیے ایک ایسا مکان ہونا ضروری ہے جو اسے موسم کے موافق سردی اور گرمی سے بچائے اور اس میں اس کا سامان، مال و متاع اور بیوی بچے محفوظ رہ سکیں اور چنانچہ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمانِ عالی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے

آپ نے فرمایا کہ آدمی کی خوش نصیبی اور سعادت کی تین علامتیں ہیں پہلی یہ ہے کہ اس کا رزق اس کے وطن میں اترے ۔ اور دوسری علامت

یہ ہے کہ اس کا گھر وسیع ہو اور تیسری علامت یہ ہے کہ اس کی بیوی نیک بخت ہو پس ثابت ہوا کہ انسان کے پاس جو بھی سرمایہ اور دولت آئے وہ اس میں سے اپنے لیے ایک اچھا اور مضبوط مکان بنا سکتا ہے اور یہ اسراف میں داخل نہیں ہے۔

مصرف ششم

سواری اور اسکا خرچ

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ط اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور تمہارے واسطے چارپایوں کو بھی اس نے بنایا ان میں تمہارے جاڑے کا سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو اور تمہارے لیے ان میں زینت بھی ہے جب شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے لے جاتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ اُٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک تم جان کو تکلیف میں ڈالنے کے سوا نہیں پہنچ

سکتے تھے۔ بے شک تمہارا رب شفقت کرنیوالا مہربان ہے

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ط وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔
(سورہ نحل آیت ۵ تا ۸)

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے ہیں کہ ان پر تم سوار ہو اور زینت کے لیے اور وہ چیزیں پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ○ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ○ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ
(سورۃ النازعات آیت ۳۱ تا ۳۳)

اس سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا اور پہاڑوں کو خوب جمایا تمہارے لیے اور تمہارے چارپایوں کے لیے سامانِ حیات ہے۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ○ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ○
(سورۃ طٰہٰ آیت ۵۳ تا ۵۴)

پھر ہم نے اس سے طرح طرح کی سبزیاں نکالیں، کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک ان میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

تفسیر

یہاں تین مختلف سورتوں کی آیات جمع کی گئی ہیں۔ پہلی چار آیتیں سورۃ

النحل کی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے مویشیوں میں جو فوائد رکھے ہیں ان کا بیان ہے مثلاً جاڑے کا سامان، ان کا گوشت کھانا ان پر بوجھ لاد کر لے جانا، زیب وزینت اور سواری کرنا ہے۔

دوسری تین آیات سورۃ النازعات کی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ تمہارے لیے زمین میں پانی پیدا کیا ہے اور چارا پیدا کیا ہے۔ یہ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کے لیے ہے اور اس کے بعد سورۃ طٰہٰ کی دو آیات ہیں۔ پہلی آیت میں سورۃ النازعات کے مضمون کا اعادہ ہے اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی یہ نعمتیں کھانے کا حکم ہے اور مویشیوں کو چرانے کا حکم ہے اور آخر میں فرمایا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے تعارفی نمونے ہیں۔ غور کریں گے تو اس کی ذات پر یقین ہو جائے گا۔

خلاصہ اور لبِّ لباب یہ نکلا کہ انسان اپنی کمائی اور سرمایہ میں سے اپنے لیے سواری حاصل کر سکتا ہے اور اس پر خرچ بھی کر سکتا ہے اور یہ سواری ضرورت کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اگر سائیکل سے کام چل سکتا ہے تو کار رکھنا فضول خرچی میں شامل ہے۔ اگر ایک معمولی گاڑی سے کام چل سکتا ہے تو بھاری گاڑی رکھنا فضول خرچی میں شامل ہے وغیرہ ذالک اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ العزیز عنقریب آئے گی۔

مصرف ہفتم

غریب والدین کا خرچ اولاد پر ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا	وہ آپ سے پوچھتے ہیں
يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَا	کیا خرچ کریں آپ فرما دیں
اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ	جو اچھا مال تم خرچ کرو وہ
فَلِلْوَالِدَيْنِ (سورہ بقرہ آیت ۲۱۵ کا پہلا حصہ)	والدین کے لیے ہے۔
وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا	اور تیرا رب فیصلہ کر چکا ہے
تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ	کہ اس کے سوا کسی کی عبادت
وَبِالْوَالِدَيْنِ	نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ
اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ	نیکی کرو۔ اگر تیرے سامنے
عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا	ان میں سے ایک یا دو بڑھاپے
اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا	کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف
تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ	بھی نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو
وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ	اور ان سے ادب سے
لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○	بات کرو۔
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ	اور ان کے سامنے شفقت
الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ	سے عاجزی کے ساتھ جھکے
وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا	رہو۔ اور کہو اے میرے

كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا	رب جس طرح انہوں نے مجھے
(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۳-۲۴)	بچپن سے پالا ہے اسی طرح
	تو بھی ان پر رحم فرما۔
وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ	اور ہم نے انسان کو اس کے
بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ	ماں باپ کے متعلق تاکید کی
اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى	ہے اس کی ماں نے ضعف
وَهْنٍ وَّ فِصَالُهٗ فِىْ	پر ضعف اُٹھا کر اسے پیٹ
عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِىْ	میں رکھا اور دو برس میں
وَلِوَالِدَيْكَ اِلَىَّ	اس کا دودھ چھڑانا ہے
الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ	کہ تو میری اور اپنے ماں باپ
جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ	کی شکرگزاری کرے میری ہی طرف
تُشْرِكَ بِىْ مَا	لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ
لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ	تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں
فَلَا تُطِعْهُمَا وَ	کہ تو میرے ساتھ اس کو
صَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا	شریک بنائے جس کو تو جانتا
مَعْرُوْفًا ۝	بھی نہ ہو تو ان کا کہنا نہ مان اور
(سورۃ لقمان آیت ۱۴ اور نصف ۱۵)	دنیا میں ان کے ساتھ نیکی
	سے پیش آ۔

تفسیر

یہاں تین سورتوں کی آیات درج کی گئی ہیں۔ پہلی سورہ بقرہ کی آیت

کا ایک حصہ ہے۔ اس میں صحابہ کے سوال کے جواب میں فرمایا ہے کہ والدین پر خرچ کرنا ہے اور دوسری سورۃ بنی اسرائیل کی آیات ہیں ان میں والدین کے ساتھ احسان اور اُن کے آداب بجالانے کا حکم ہے۔ آداب یہ ہیں مثلاً ان کے سامنے ایسا لفظ نہیں کہنا چاہیئے جس سے وہ آزردہ دل ہوں ان کے ساتھ شفقت اور نرمی سے پیش آنا ہے اور ان کے لیے اللہ سے رحم کی دُعا بھی کرنا ہے۔

اس کے بعد سورۃ لقمان کی آیات ہیں ان میں پہلے تو والدین کے ساتھ حُسن سلوک کے مضمون کو دہرایا ہے اور اس کے بعد خصوصی طور پر ماں جو اولاد کی خدمت میں تکلیف اٹھاتی ہے کا ذکر کیا ہے اور یہ ذکر اس لیے کیا ہے تاکہ اولاد اپنے والدین کی خدمت کا بدلہ چکائے اور آگے یہ فرمایا ہے کہ والدین اگر خدا کے ساتھ شرک کرنے پر مجبور کریں تو پھر ان کی بات نہیں ماننا اور آخر میں فرمایا ہے کہ مشرک والدین کے ساتھ بھی دنیا میں حسن سلوک کرنا ہے۔

پس خلاصۂ مطلب یہ ہوا کہ انسان کے والدین مومن ہوں یا کافر ان کے ساتھ خوش اخلاقی اور نرمی سے پیش آنا ہے۔ اور ان کے اخراجات بھی برداشت کرنا ہے اور ان پر خرچ کرنے کے جو فضائل ہیں وہ خلاصہ تفسیر جلد خامس میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے جو دیکھنا چاہے وہاں دیکھ لے۔ اور مصرف اول سے لے کر ہفتم تک جتنے مصارف بیان ہوئے ہیں ان میں خرچ کرنا تو انسان کے فرائض میں سے ہے اور ان میں خرچ کرنے کے لیے کوئی نصاب شرط نہیں ہے اور اب وہ مدّات اور مصارف بیان ہونگے جن کیلئے شرطیں ہیں۔

مصرف ہشتم

حکم زکوٰۃ اس کے مستحقین اور برکات

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝	نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

(سورۃ النور آیت ۵۶)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (سورۃ البقرہ آیت ۲۶۷)	اے ایمان والو اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو۔
اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (سورۃ توبہ آیت ۶۰)	زکوٰۃ مفلسوں، محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے اور جن کی دل جوئی کرنی ہو اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کو یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔
وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ	اور جو زکوٰۃ دیتے ہو جس سے

تُرِيْدُوْنَ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ اللہ کی رضا چاہتے ہو یہ وہی لوگ ہیں جن کے دُونے ہوئے

(سورۃ الروم آیت ۳۹)

تفسیر

یہاں جو آیات ذکر کی گئی ہیں ان میں سے پہلے آیت سورۃ نور کی ہے اس میں تین احکام ہیں اور آخر میں ان پر عمل کرنے کا فائدہ بیان فرمایا ہے احکامات میں سے پہلا حکم تو نماز کا ہے اس کی تفصیل نماز میں بیان ہو چکی ہے اور دوسرا حکم زکوٰۃ کا ہے۔ زکوٰۃ کے لفظی معنی بڑھنے یا پاک کرنے کے آتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں زکوٰۃ یہ ہے کہ سال کے بعد شریعت کے مقرر کردہ نصاب میں سے شریعت کا ہی مقرر کردہ حصہ نکال دے اس پر عمل کرنے سے انسان کا مال پاک بھی ہوگا اور ترقی بھی کرے گا، چنانچہ تفصیل آرہی ہے۔

دوسرا حکم ہے اطاعت رسول کا۔ یہ حکم قرآن مجید کے مختلف مقامات پر آیا ہے اور ہر جگہ اس کی مناسبت الگ ہے اور یہاں مناسبت یہ ہے کہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو طریقہ بتائیں اس پر عمل کرنا ہوگا اور آخر میں فائدہ بیان فرمایا کہ اگر ان ضابطوں پر عمل کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا یعنی دنیاوی برکات بھی عطا فرمائے گا اور آخروی بھی۔

سورۃ بقرہ کے جملہ میں یہ فرمایا ہے کہ یہ زکوٰۃ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے

نکالنا ہے اور یہاں لفظ کسب استعمال فرمایا ہے اس کے لفظی معنی توکمائی کے ہیں اور یہ عام ہے خواہ سرمایہ ہو یا اناج ہو لیکن یہاں چونکہ بعد میں اناج کے بارے میں مستقل فرمایا ہے۔ و مما اخرجنا لکم من الارض (اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ عنقریب آئے گی) پس اس تقابل کے لحاظ سے یہاں کسب سے مراد سرمایہ ہی لیا جائے گا حاصل یہ ہوا کہ سرمایہ میں سے زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

سورۃ توبہ والی آیت میں یہ زکوٰۃ خرچ کرنے کی مدّات اور مصارف بیان فرمائے ہیں اور آیت کے شروع میں لفظ صدقات لگایا ہے جو صدقہ کی جمع ہے صدق سے بنا ہے۔ صدق کے معنی سچائی کے ہیں اور صدقہ کو اس لیے صدقہ کہتے ہیں کہ یہ صدقہ دینے والے کے سچا مومن ہونے کی علامت ہے اور اس سے مراد یہاں صدقات واجبہ یعنی زکوٰۃ ہے کیونکہ آیت کے آخر میں اس کو فریضہ فرمایا ہے اور اس کی آٹھ مدات بیان فرمائی ہیں اور آیت کے شروع میں لفظ انما لگا کر بتا دیا ہے کہ زکوٰۃ صرف ان آٹھ مدّات میں ہی خرچ کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ یہ انما کلمہ حصر ہے اور ان مدات میں سے پہلی مد فقیر ہے اور دوسری مسکین ہے۔ فقیر تو ایسے نادار کو کہتے ہیں جو سوال نہ کرے اور مسکین ایسے نادار کو کہتے ہیں جو سوال کرے دونوں میں خاصا فرق نہیں ہے مزید تفصیل بعد میں آئے گی۔

اور تیسری مد عاملین ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں حکومت زکوٰۃ فراہم کرنے کے لیے لوگوں پر مقرر کرے اور چوتھی جماعت مؤلفۃ القلوب کی ہے اس سے مراد غیر مسلم غرباء ہیں انکی دل جوئی اور اسلام

سے مانوس کرنے کے لیے زکوٰۃ دینا ہے مگر اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت کا ٹکڑا منسوخ مانا جاتا ہے پانچویں مَدْ رقاب اور چھٹی مد غارمین اور ساتویں مَدْ ابن سبیل کی، ان کی تعریفیں بعد میں آئیں گی اور آٹھویں مد فی سبیل اللہ ہے اس سے مراد مجاہدین اور دینی مدارس کے طلبہ ہیں واللہ اعلم۔

اور سورۃ روم والی آیت میں زکوٰۃ کی دنیاوی برکات بیان فرمائی ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی اور خوش کرنے کے لیے زکوٰۃ دے گا، تو وہ دُگنا پانے والے ہوں گے اور یہ عام ہے خواہ دنیاوی دُگنا ہو یا اخروی کیونکہ اسلوب قرآن یہ ہے کہ جہاں اُخروی برکات بیان کرنا مقصود ہوتا ہے وہاں فی الاخرۃ کا لفظ اضافہ کیا جاتا ہے اور جہاں دنیاوی برکات بیان کرنا مقصود ہوتا ہے وہاں فی الدنیا کا لفظ لگایا جاتا ہے اور جہاں دونوں مقصود ہوں وہاں کوئی قید نہیں لگائی جاتی اور یہاں جب دنیا یا آخرت کی قید نہیں ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مقصود ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ جو شخص رضاء الٰہی کے لیے زکوٰۃ ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیاوی کاروبار کے اندر بھی ترقی عطا فرمائیں گے اور آخرت میں بھی دُگنا اجر عطا فرمائیں گے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی اُخروی سزا کا بیان

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ	اور جو سونا اور چاندی جمع کرتے
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا	ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں

يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ	خرچ نہیں کرتے تو انہیں
اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ	دردناک عذاب کی خوش خبری
اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى	سنا دیں جس دن وہ دوزخ کی
عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ	آگ میں گرم کیا جائے پھر اس
فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ	سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور
وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ	پیٹھیں داغی جائیں گی یہ وہ ہی
هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ	ہے جو تم نے اپنے لیے جمع
لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا	کیا تھا سو اس کا مزہ چکھو جو
مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝	تم جمع کرتے تھے۔

(سورۃ توبہ آیت ۳۴-۳۵)

عَنْ ثَوْبَانَ اَنَّ رَسُوْلَ	ثوبان سے منقول ہے کہ جناب
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ	فرماتے تھے کہ جو اپنے بعد
مَنْ تَرَكَ بَعْدَهٗ	خزانہ چھوڑے گا تو قیامت
كَنْزًا مُثِّلَ لَهٗ يَوْمَ	کے دن اس کی گنجے سانپ کی
الْقِيَامَةِ شُجَاعًا	شکل بنائی جائے گی اس کی
اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ	دونوں آنکھوں پر کالے نکتے
يَتْبَعُهٗ وَيَقُوْلُ وَيْلَكَ	ہوں گے جو اس کے پیچھے
مَا اَنْتَ فَيَقُوْلُ اَنَا	لگے گا اور یہ آدمی اس کو کہے
كَنْزُكَ الَّذِيْ	گا تو ہلاک ہو جائے تو کون
تَرَكْتَهٗ بَعْدَكَ وَلَا	ہے۔ وہ کہے گا کہ میں

يَزَالُ يَتْبَعُهٗ حَتّٰى يَلْتَقِمَ يَدَهٗ فَيَقْضِمُهَا ثُمَّ يَتْبَعُهَا سَائِرَ جَسَدِهٖ -

تو تیرا وہ خزانہ ہوں جو اپنے بعد چھوڑ کر آئے تھے اور وہ مسلسل اس کے پیچھے لگا رہے گا یہاں تک کہ اسکا ہاتھ پکڑ کر چبا جائے گا پھر اس کے سارے جسم کے ساتھ چمٹ جائے گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّیْ زَكٰوةَ مَالِهٖ اِلَّا جُعِلَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهٗ وَجَبْهَتُهٗ وَظَهْرُهٗ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى

ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس مال کے تختے آگ سے بنا کر ان سے ان کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہو گی یہاں تک کہ بندوں میں فیصلہ

بَیْنَ الْعِبَادِ فَیُرٰی — کیا جائے گا پھر وہ اپنا راستہ
سَبِیْلَہٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ — جنت کی طرف دیکھ لے گا
وَاِمَّا اِلَی النَّارِ۔ — یا دوزخ کی طرف۔

(ابن کثیر)

تشریح

یہاں دو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں اور یہ دونوں قرآن مجید کی مذکورہ آیت کی تشریح ہیں کیونکہ آیت میں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ جو لوگ دنیا میں سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو قیامت کے دن انہیں دردناک عذاب دیا جائیگا مگر اس عذاب کی تفصیل نہیں بتائی کہ اس کی نوعیت کیا ہوگی۔ اگرچہ اگلی آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ اسی سونے اور چاندی کو گرم کرکے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں پیٹھوں کو داغا جائے گا مگر اس کے اندر بھی اجمال ہے کہ اس کی کیا صورت ہوگی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تشریح بیان فرمادی کہ اس عذاب کی دو صورتیں ہوں گی۔

ایک تو یہ ہے کہ گنجا سانپ اس پر مسلط کیا جائے گا جو پہلے اس کے ہاتھ کو چبائے گا پھر سارے بدن کے ساتھ چمٹ جائے گا اور ایسا سانپ متعین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا سانپ زیادہ زہریلا اور بھیانک ہوتا ہے اور وہ سانپ سب سے پہلے اس کا ہاتھ اس لیے چبائے گا کہ اس ہاتھ سے ہی تو اس نے دنیا میں زکوٰۃ دینی تھی جو نہیں دی اور روک لی۔

عذاب کی دوسری صورت یہ ہوگی کہ اس سونے اور چاندی کو دوزخ میں گرم کر کے ان کے تختے اور چادریں بنائی جائیں گی اور ان سے انکی پیشانیوں کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور ایسے عذاب کی صورت اس لیے اختیار کی جائے گی کہ چونکہ اس نے دنیا میں زکوٰۃ دینے سے منہ پھیرا اس کی پیشانی پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے پہلوتہی کی اور پیٹھ دکھائی لہٰذا اسی انداز سے اسے عذاب دیا جائیگا اور یہ خزانہ اس کے لیے وبال جان بنے گا۔ اور اس سونا چاندی کی زکوٰۃ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے جو عذاب ہوگا یہ ایک مثال ہے اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ باقی اموال میں سے اگر کوئی زکوٰۃ نہ دے تو اسے عذاب نہیں ہوگا بلکہ شریعت کے بتائے ہوئے اور مقرر کیے ہوئے ہر نصاب میں سے اگر کوئی زکوٰۃ نہیں دے گا تو اس کو بھی عذاب ہوگا چنانچہ اس کی نوعیت مندرجہ ذیل حدیث میں بیان کی جاتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ	ابی ذر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ	سے روایت کی ہے آپ نے
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا	فرمایا کہ جو آدمی کہ اس کے اونٹ
مِنْ رَجُلٍ یَکُوْنُ	ہوں یا گائے یا بکریاں ہوں
لَہٗ اِبِلٌ اَوْ بَقَرٌ	اور وہ حق ادا نہ کرے تو قیامت
اَوْ غَنَمٌ لَا یُؤَدِّیْ	کے دن وہ بہت بڑی اور موٹی
حَقَّھَا اِلَّا اُتِیَ بِھَا	کر کے لائی جائے گی جو اس
یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْظَمُ	کو اپنے پاؤں سے روندے
مَا یَکُوْنُ وَاَسْمَنُہٗ	گی اور اپنے سینگوں سے

تَطَأُهُ بِاَخْفَافِهَا وَ	مارے گی جب بھی ریوڑ کا
تَنْطَحُهُ بِقُرُوْنِهَا	آخری حصّہ گزرے گا تو پہلا
كُلَّمَا جَازَتْ اُخْرٰهَا	لوٹایا جائے گا یہاں تک کہ
رُدَّتْ عَلَيْهِ اُوْلٰهَا	لوگوں میں فیصلہ کیا جائے گا۔
حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ	
النَّاسِ (متفق علیہ)	

تشریح

پہلی احادیث میں سونا اور چاندی سے زکوٰۃ نہ ادا کرنے کی اُخروی سزا بیان ہوئی ہے اور اس حدیث میں اونٹ، گائے اور بکریوں کی زکوٰۃ اگر کوئی نہیں ادا کرے گا تو اس کی سزا بیان فرمائی ہے اور اس عذاب کی صورت یہ بتائی ہے کہ اگر دنیا میں کسی کا اونٹوں کا ریوڑ ہوگا اور اس میں سے اگر زکوٰۃ ادا نہیں کی ہوگی تو ان اونٹوں کو قیامت کے دن اور زیادہ موٹا کیا جائے گا اور پھر یہ ریوڑ اس پر چڑھ دوڑے گا اور اس کو اپنے پاؤں سے روندے گا اور یہاں تک کہ جب اس کا آخری حصّہ ختم ہوگا تو پہلا حصّہ پھر چڑھ دوڑے گا اور اسی طرح گائے اور بکریوں کا ریوڑ اس کو اپنے سینگوں سے مارے گا اور لوگوں کے مابین فیصلہ ہونے تک یہی سلسلہ رہے گا اور یہ بھی مثال ہے پس معلوم ہوا کہ جس بھی قسم نصاب سے اگر انسان زکوٰۃ نہیں دے گا تو اس کو قیامت کے دن ضرور عذاب ہوگا۔

ادائیگی زکوٰۃ سال گزرنے کے بعد واجب ہوتی ہے پہلے ادا کر دے تو بھی جائز ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَکٰوۃَ فِیْہِ حَتّٰی یَحُوْلَ عَلَیْہِ الْحَوْلُ

ابن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ جو مال حاصل کرے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جب تک کہ اس پر سال نہ گزرے۔

(ترمذی)

عَنْ عَلِیٍّ اَنَّ الْعَبَّاسَ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ تَعْجِیْلِ صَدَقَتِہٖ قَبْلَ اَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَہٗ فِیْ ذٰلِكَ

حضرت علی رضؓ سے منقول ہے کہ عباس نے جلدی زکوٰۃ ادا کرنے کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے اس کی اجازت دی۔

(ابوداؤد)

تشریح

یہاں دو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں - پہلی حضرت ابن عمر والی ہے اور

دوسری حضرت علی والی ہے ۔ ابن عمر والی حدیث میں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت بیان فرمایا ہے کہ انسان کے پاس مال جمع ہو اور اس پر سال گزر جائے تو تب زکوٰۃ ادا کرنا ہے پہلے واجب نہیں ہے اور حضرت علی والی حدیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر پہلے ہی کوئی ادا کر دے تو ادا ہو جائے گی۔ یعنی عبادت بدنی وقت سے پہلے اگر کوئی ادا کرنا چاہے تو ادا نہیں ہو گی جیسا کہ نماز روزہ حج اور عبادت مال پہلے ادا کرنا جائز ہے دوبارہ ادائیگی کی ضرورت نہیں ہو گی جیسا کہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر۔

مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد بھی کیا جا سکتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ	ابو ہریرہ سے روایت ہے
قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ	کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	جب فوت ہو گئے اور آپ
وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ	کے بعد ابو بکر خلیفہ بنائے
اَبُوْبَكْرٍ بَعْدَهٗ وَكَفَرَ	گئے اور کافر ہوئے وہ لوگ
مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ	جو کافر ہوئے عرب میں سے
قَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ	تو عمر ابن خطاب نے ابی بکر
لِاَبِیْ بَكْرٍ كَيْفَ	سے کہا تم کس طرح لوگوں سے
تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ	جنگ لڑو گے حالانکہ رسول اللہ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ	کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں
اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ	سے لڑوں یہاں تک کہ وہ
حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ	لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں پس جس
اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ	نے لا الٰہ الا اللہ کہا اس نے بچا
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ	لیا۔ مجھ سے اپنا مال اور جان
مِنِّیْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ	مگر ساتھ حق کے اور اس کا
اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ	حساب اللہ پر ہے تو ابوبکر
عَلَى اللّٰهِ فَقَالَ	نے کہا کہ اللہ کی قسم ہے میں
اَبُوْبَكْرٍ وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ	اس شخص سے ضرور لڑوں گا
مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ	جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریگا
الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَاِنَّ	کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔
الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ	اللہ کی قسم ہے اگر انہوں نے
وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ	مجھ سے ایک بکری کا بچہ
عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا	بھی روکا جو وہ رسول اللہ صلی
اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ	اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	ادا کرتے تھے تو میں اس کو
لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا	روکنے کی وجہ سے ان سے
قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ	لڑونگا۔ عمر نے کہا کہ اللہ کی
مَا هُوَ اِلَّا رَاَيْتُ	قسم میں یہ ہی سمجھا کہ اللہ
اَنَّ اللّٰهَ شَرَحَ صَدْرَ	نے ابوبکر کا سینہ قتال
اَبِیْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ	کے لیے کھول دیا ہے اور

فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ ۔ میں یہ پہچان گیا کہ وہی حق ہے

(متفق علیہ)

تشریح

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ چنا تو کچھ قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو حضرت ابوبکر نے ان کے خلاف اعلانِ جہاد کیا تو صحابہ رضؓ کو جن میں حضرت عمر بھی تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کی وجہ سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ یہ جہاد جائز نہیں ہے اور آپ کے فرمانِ عالی کا ترجمہ یہ ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں اور جب وہ یہ کلمہ کہیں تو پھر انہوں نے مجھ سے اپنا مال اور جان بچالی اور حضرت عمرؓ نے یہ فرمان جب ابوبکرؓ کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریگا تو میں اس سے لڑوں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔

تو خلاصہ یہ نکلا کہ جس طرح عقیدہ توحید کا انکار کفر ہے اسی طرح نماز یا زکوٰۃ کا انکار بھی کفر ہے اور جس طرح عقیدہ توحید کے منکر کے خلاف جہاد جائز ہے اسی طرح نماز یا زکوٰۃ کے منکر کے خلاف بھی جہاد جائز ہے اور جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ مقصد بیان کیا تو سب کی سمجھ میں یہ بات آگئی تو پھر سب نے حضرت ابوبکرؓ سے اتفاق کیا اور آپ کے حکم کے تحت جہاد بھی کیا ۔ پس معلوم ہوا کہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد جائز ہے۔

ہر علاقہ کی زکوٰۃ

اسی علاقہ میں ہی خرچ ہونی چاہیئے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اِنَّكَ تَاْتِىْ قَوْمًا اَهْلَ كِتَابٍ فَادْعُهُمْ اِلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذَالِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوٰتٍ فِى الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذَالِكَ فَاَعْلِمْهُمْ

ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رض کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ تم اہل کتاب قوم کے پاس جارہے ہو تو پہلے انہیں اس شہادت کی طرف دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور کہ محمد اللہ کا رسول ہے پھر اگر وہ اس کی اطاعت کریں تو پھر انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر رات اور دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں پھر اگر وہ اسکی اطاعت کریں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیا سے

اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ
عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ
مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ
عَلٰى فُقَرَائِهِمْ فَاِنْ
هُمْ اَطَاعُوْا لِذَالِكَ
فَاِيَّاكَ وَ كَرَائِمَ
اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ
دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهَا
لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ
اللّٰهِ حِجَابٌ (متفق علیہ)

لے کر انہیں کے فقراء پہ
ہی لوٹایا جائے گا پھر اگر
وہ اس کی اطاعت کریں
تو پھر ان کے عمدہ مال
لینے سے بچنا اور مظلوم
کی بد دعا سے بھی بچنا کیونکہ
اس کے درمیان اور اللہ
کے درمیان کوئی حجاب نہیں
ہے۔

تشریح

یہ حدیث قرآن مجید کی مذکورہ آیات کی تشریح اور توضیح ہے کیونکہ ان آیات میں تو اللہ تعالیٰ جَلَّ مجدہٗ نے صرف اتنا فرمایا ہے کہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے زکوٰۃ ادا کرو اور اس کی آٹھ مدات بتا دی ہیں مگر یہ نہیں بتایا کہ اس زکوٰۃ کی وصولی کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیئے اور پھر کن کن غرباء مساکین پہ خرچ کرنا ہے کیا اسی علاقہ کے رہنے والے ہونے چاہئیں یا دوسرے علاقہ کے غرباء و مساکین کو بھی دی جا سکتی ہے اس سلسلہ میں قرآن خاموش ہے اور اس حدیث میں ترجمان وحی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرما دی اور آپ نے حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنایا اور آپ کو تین فرائض سونپے۔ پہلا فریضہ عیسائیوں کو توحید و رسالت کی دعوت دینا ہے اگر

وہ ان دو عقائد کو تسلیم کرلیں تو پھر انہیں پانچ وقتی فریضۂ نماز سے آگاہ کرنا ہے اور اگر وہ یہ بھی تسلیم کرلیں تو پھر انہیں بتانا ہے کہ تم پر زکوٰۃ فرض ہے اور زکوٰۃ کے سلسلہ میں تین ہدایات دی ہیں۔

پہلی یہ ہے کہ زکوٰۃ غنیوں سے لے کر انہیں کے غرباء میں اور اسی علاقہ میں تقسیم کرنا ہے۔

دوسری ہدایت یہ ہے کہ عمدہ مال نہیں لینا اور بالکل گھٹیا بھی نہیں لینا بلکہ درمیانہ مال لینا ہے۔

اور تیسری ہدایت یہ ہے کہ کسی پر زیادتی نہیں کرنا اور وجہ بیان فرمائی کہ اگر وہ مظلوم بددعا کرے گا تو اللہ کے درمیان اور اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں یعنی وہ بددعا ضرور قبول ہوگی۔

پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر علاقہ کی زکوٰۃ اسی علاقہ کے غرباء اور مساکین میں تقسیم ہونی چاہیئے اور یہ حکومت کا فریضہ ہے کہ اس علاقہ کے امیروں سے زکوٰۃ وصول کرکے غریبوں میں تقسیم کرے کیونکہ یہ غریبوں کا حق ہے اور امراء طبقہ اس پر ناجائز قابض ہوکر بیٹھ جاتا ہے اور یہ قبضہ حکومت ختم کراسکتی ہے اور اگر دوسرے علاقہ میں انسان کے اقرباء رہتے ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینے میں حرج نہیں ہے بلکہ ان کو زکوٰۃ دینا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ احادیث میں تصریح موجود ہے کہ اقرباء کو دینے میں دگنا ثواب ہے ایک صلہ رحمی کا اور دوسرا صدقہ کا اور اسی طرح فقہاء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اگر دوسرے علاقہ میں غربت زیادہ ہو تو پھر بھی وہاں تک زکوٰۃ پہنچانے میں اور ان غرباء کو دینے میں حرج نہیں ہے کیونکہ وہ مستحق زیادہ ہیں۔

اس حدیث سے اشارتاً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب ایک علاقہ کی زکوٰۃ دوسرے علاقہ کے غرباء کو دینا جائز نہیں تو اسی طرح ایک علاقہ کے بقیہ ذرائع پیداوار کے منافع بھی اسی علاقہ کے باشندوں میں تقسیم ہونے چاہئیں اور یہ فریضہ بھی حکومت ہی کا ہے کہ وہ منافع ان میں تقسیم کرے اور ان کا حق ان تک پہنچائے اور اگر کوئی حکومت ایسا نہیں کرے گی تو وہاں کی رعایا اس سے متنفر ہو جائے گی اور اس کی غلامی کا قلادہ اتار پھینکے گی کیونکہ یہ حکومت کی نااہلی یا فرائض سے غفلت کا ثبوت ہے البتہ مرکزی حکومت اپنی طرف سے نگران مقرر کر سکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو مقرر کیا تھا۔

چاندی اور سونے کا نصاب

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ	ابوہریرہ سے مروی ہے کہ
قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا	وسلم نے فرمایا جو بھی سونے
مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ	اور چاندی والا اس کا حق
وَّلَا فِضَّةٍ لَا یُؤَدِّیْ	نہ ادا کرے تو قیامت کے
مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّآ اِذَا	دن اس کے آگ کے تختے
کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ	بنائے جائیں گے، پھر
صُفِّحَتْ لَهٗ صَفَائِحُ	انہیں دوزخ کی آگ میں گرم
مِنْ نَارٍ فَاُحْمِیَ عَلَیْهَا	کیا جائے گا پھر اس سے

فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰی	ان کی کروٹ ، پیشانی اور
بِهَا جَنْبُهٗ وَجَبِيْنُهٗ	پیٹھ کو داغا جائے گا جب
وَظَهْرُهٗ كُلَّمَا رُدَّتْ	بھی اس سے علیحدہ کئے جائیں
أُعِيْدَتْ لَهٗ فِیْ	گے تو پھر اس پر لوٹائے
يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ	جائیں گے اس دن میں جس
خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ	کی مقدار پچاس ہزار سال ہے
حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ	یہاں تک کہ بندوں میں فیصلہ
الْعِبَادِ فَيُرٰى سَبِيْلُهٗ	کیا جائے گا پھر اسے اس
اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ	کا راستہ دکھایا جائے گا
وَاِمَّا اِلَى النَّارِ الحدیث	یا جنت کی طرف یا آگ کی
(مشکوٰۃ)	طرف۔
عن ابی سعیدن الخدری	ابی سعید خدری سے
قال قال رسول اللہ	روایت ہے کہ جناب
صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لیس فیما	وسلم نے فرمایا کہ کھجور کی
دون خمسة اوسق	پانچ وسق سے کم میں صدقہ
من التمر صدقة	نہیں ہے اور چاندی کے
و لیس فیما دون	پانچ اوقیہ سے کم
خمس اواق من	میں صدقہ نہیں ہے اور
الورق صدقة وَلَيْسَ	پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ
فِيْمَا دُوْنَ خَمْسٍ	نہیں ہے۔

ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ

(متفق علیہ)

أَخْرَجَ دَارَقُطْنِيّ مَرْفُوْعًا لَا زَكٰوةَ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْفِضَّةِ حَتّٰى تَبْلُغَ خَمْسَ أَوَاقٍ وَالْأُوْقِيَّةُ أَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا

دارقطنی نے مرفوع حدیث نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا چاندی جب تک پانچ اوقیہ کو نہ پہنچے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اور اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

(حاشیہ ہدایہ)

لِأَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَ إِلٰى مُعَاذٍ أَنْ خُذْ مِنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ وَمِنْ كُلِّ عِشْرِيْنَ مِثْقَالًا مِنْ ذَهَبٍ نِصْفَ مِثْقَالٍ

نبی علیہ السلام نے معاذ کو خط لکھا کہ ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم لینا ہے اور ہر بیس مثقال سونے میں سے نصف مثقال۔

(ہدایہ) بحوالہ دارقطنی

تشریح

یہاں چار احادیث نقل کی گئی ہیں ایک ابوہریرہؓ والی دوسری

ابو سعید خدری والی، تیسری اور چوتھی دار قطنی والی اور یہ چاروں احادیث قرآن مجید کی مذکورہ آیات کی تشریح اور توضیح ہیں کیونکہ ان آیات میں تو صرف اتنا فرمایا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو اور اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو اور آگے آٹھ مدات بتائی ہیں اور سونا چاندی میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرنے والوں کی سزا بیان فرمائی ہے اور اس سے اتنا تو معلوم ہو گیا۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ اس میں کتنی زکوٰۃ ہے اور اس کا طریقۂ کار کیا ہو گا۔

پس یہ آیات سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں مجمل ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اس اجمال کی تفصیل ہیں اور حضرت ابوہریرہ والی حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ جو سونا اور چاندی سے زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے دن اسے حدیث میں مذکور سزا ہو گی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ چاندی اور سونا اگر ٹکڑوں اور اینٹوں کی شکل میں موجود ہوں تو بھی ان میں زکوٰۃ ہے کیونکہ ان میں کسی نہ کسی طرح انسان کا تصرف واقع ہو چکا ہے اور یہ انسان کے کسب میں شامل ہے لیکن تاہم اس حدیث میں بھی تفصیل نہیں ہے کہ کتنی زکوٰۃ دینا ہے اور ابو سعید خدری والی حدیث میں جناب نبی علیہ السلام نے تین چیزوں کا نصاب بیان فرمایا ہے۔ کھجوروں کا اونٹوں کا اور چاندی کا اور اس وقت ہم پہلی دو چیزوں کو نہیں چھیڑتے کیونکہ ان کی بحث مستقل آرہی ہے اس وقت ہم چاندی والے نصاب سے بحث کریں گے اور چاندی کے بارے میں جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چاندی اگر پانچ اوقیہ کو پہنچے تو اس میں زکوٰۃ ہے کم ہو تو نہیں ہے

اور دارقطنی والی حدیث میں اضافہ ہے کہ اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور دارقطنی کی دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ دو سو درہم سے پانچ درہم لینا ہے اور درہم چاندی کا ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ چاندی سے اگر درہم بنا لیے جائیں تو دو سو میں پانچ درہم زکوٰۃ ہوگی لیکن اگر درہم نہ بنائے ہوں تو محدثین نے لکھا ہے کہ ہمارے ملک میں چونکہ چاندی تولے کا حساب چلتا ہے اس حساب سے چاندی کا نصاب چون تولے دو ماشے بھر وزن کی چاندی ہے (اور تولہ سے انگریزی روپے کا وزن مراد ہے) اور زکوٰۃ میں چونکہ چالیسواں حصہ دینا فرض ہوتا ہے پس چون تولے دو ماشے کی زکوٰۃ ایک تولہ ۴ ماشے دو رتی چاندی ہوئی (تعلیم الاسلام مفتی کفایت اللہ) اور سونے کا نصاب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس مثقال بیان فرمایا ہے اور اس میں زکوٰۃ نصف مثقال فرمائی ہے اور اگر تولے کے حساب سے زکوٰۃ دی جائے تو سونے کا نصاب سات تولے ساڑھے آٹھ ماشے سونا ہے اس کی زکوٰۃ دو ماشے ڈھائی رتی سونا ہے ۔ (تعلیم الاسلام مفتی کفایت اللہ)

زیور کی زکوٰۃ

عَنْ زَيْنَبَ امْرَاَةِ	عبد اللہ کی بیوی زینب سے
عَبْدِ اللهِ قَالَتْ	روایت ہے اس نے کہا
خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا

کہ اے عورتوں کی جماعت	فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ
صدقہ دو (زکوٰۃ) اگرچہ تمہارے	تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ
زیور میں سے کیوں نہ ہو بیشک	حُلِيِّكُنَّ فَإِنَّكُنَّ أَكْثَرُ
تم میں سے اکثر دوزخی ہوں گی۔	أَهْلِ جَهَنَّمَ۔ (ترمذی)
عمرو بن شعیب نے اپنے	عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ
باپ سے اور اس نے اس	عَنْ أَبِيهِ عَنْ
کے دادا سے روایت کیا	جَدِّهِ إِنَّ امْرَأَتَيْنِ
ہے کہ دو عورتیں رسول اللہ	أَتَتَا رَسُولَ اللّٰهِ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
آئیں اور ان کے ہاتھوں میں	وَفِي أَيْدِيهِمَا
سونے کے دو کنگن تھے تو	سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ
آپ نے فرمایا انہیں کہ کیا	فَقَالَ لَهُمَا تُؤَدِّيَانِ
تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو	زَكٰوتَهُ قَالَتَا
انہوں نے کہا نہ پھر انہیں	لَا فَقَالَ لَهُمَا
فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
وسلم نے کہ کیا تم پسند کرتی	عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُحِبَّانِ
ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے	أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللّٰهُ
دو کنگن پہنائے انہوں نے	بِسِوَارَيْنِ مِنْ
کہا نہ پھر آپ نے فرمایا کہ	نَارٍ قَالَتَا لَا قَالَ
اس کی زکوٰۃ ادا کرو۔	فَأَدِّيَا زَكٰوتَهُ (ترمذی)

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ	ام سلمہ سے روایت ہے
كُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا	کہ میں سونے کا زیور پہنتی
مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ	تھی تو میں نے کہا یا رسول
يَا رَسُوْلَ اللهِ اَكَنْزٌ	اللہ کیا یہ خزانہ ہے تو آپ
هُوَ فَقَالَ مَا بَلَغَ	نے فرمایا کہ جو مال اس حد کو
اَنْ تُؤَدّٰى زَكٰوتُهٗ	پہنچے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کی
فَزُكِّيَ فَلَيْسَ	جائے اور پھر زکوٰۃ اس کی
بِكَنْزٍ (رواہ مالک)	دی جائے تو وہ خزانہ نہیں ہے۔

تشریح

یہاں تین احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث حضرت زینب والی ہے دوسری حضرت عمر ابن شعیب والی ہے اور تیسری حضرت ام سلمہ والی ہے اور یہ تینوں احادیث باب زکوٰۃ میں مذکورہ آیات کی تشریح ہیں کیونکہ ان آیات میں اتنا آیا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو اپنی پاکیزہ کمائی میں سے دو اور رسول کی اطاعت کرو اس سے آگے مال کی تشریح نہیں ہے کہ کس مال سے ادا کرو اور کتنی ادا کرو اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات سے معلوم ہوتا ہے کہ زیورات میں بھی زکوٰۃ ہے کیونکہ زیور بھی انسان کی کمائی میں سے ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ بقیہ اثاثہ بیت میں زکوٰۃ نہیں ہے مثلاً گھر کے کپڑے سواری وغیرہ کیونکہ وہ حوائج اصلیہ میں سے ہیں اور زکوٰۃ اس مال پر فرض ہوتی ہے جو حوائج اصلیہ سے فاضل ہو اور اس پر سال گزر جائے اور زیور

جو ہے وہ حوائج اصلیہ میں شامل نہیں ہے اس میں گھر میں پڑے ہوئے زیور پر زکوٰۃ فرض ہے جب کہ اس پر سال بھی گزر جائے البتہ اب، زیور کا حال دیکھنا ہوگا کہ اگر وہ چاندی کا ہے تو اس میں نصاب چاندی والا معتبر ہوگا اور اگر وہ زیور سونے کا ہے تو اس میں نصاب سونے کا معتبر ہوگا

اور حضرت امّ سلمہ والی حدیث میں سورۃ توبہ کی آیت چونتیس اور پینتیس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان آیات میں سونا اور چاندی جمع کرنے والوں کے لیے اخروی سزا بیان ہوئی ہے اور حضرت ام سلمہ نے یہ سمجھا کہ زیور بھی تو سونا چاندی کا خزانہ جمع کرنا ہے شاید ان کے لیے بھی یہ سزا ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر زیور کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو وہ اس خزانہ کے ضمن میں نہیں آتا جس کی سزا اس آیت میں بیان فرمائی ہے۔ واللہ اعلم

سونے چاندی کے کسور میں زکوٰۃ نہیں ہے

ذَكَرَ الْبَيْهَقِيُّ فِي بَابِ فَرْضِ الصَّدَقَةِ وَهُوَ كِتَابُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِي بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ مَعَ عَمْرِو ابْنِ حَزْمٍ وَفِيهِ وَفِي كُلِّ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ

بیہقی نے باب فرض صدقہ میں نبی علیہ السلام کی اس تحریر کا ذکر کیا ہے جو آپ نے یمن میں عمر بن حزم کے پاس بھیجی تھی اور اس میں یہ تھا کہ ہر پانچ اوقیہ چاندی میں پانچ درہم ہیں اور جو زیادہ ہو تو پھر ہر

خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَمَا	چالیس درہم میں ایک درہم
زَادَ فَفِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ	ہوگا۔
دِرْهَمًا دِرْهَمٌ عَنْ	محمد باقر نے مرفوع حدیث
مُحَمَّدِ نِ الْبَاقِرِ	نقل کی ہے کہ آپ نے
رَفَعَهُ قَالَ اِذَا	فرمایا جب چاندی پانچ اوقیہ
بَلَغَتْ خَمْسَ اَوَاقٍ	کو پہنچے تو اس میں پانچ
فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ	درہم ہیں اور ہر چالیس
وَفِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ	درہم میں ایک درہم ہے۔
دِرْهَمًا دِرْهَمٌ	

(رواہ ابن ابی شیبۃ)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ	عبدالرحمان بن سلیمان
سُلَيْمَانَ عَنْ عَاصِمِ	نے عاصم احول سے نقل
الْاَحْوَلِ عَنِ الْحَسَنِ	کیا ہے اور انہوں نے
الْبَصْرِيِّ قَالَ كَتَبَ	حسن بصری سے نقل کیا ہے
عُمَرُ اِلٰى اَبِيْ مُوْسٰى فَمَا	کہ عمر نے ابی موسیٰ کو خط لکھا
زَادَ عَلَى الْمِائَتَيْنِ	کہ جو دو سو پر زیادہ ہو تو پھر
فَفِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا	ہر چالیس درہم میں ایک
دِرْهَمٌ (ابن ابی شیبہ)	درہم ہے۔
عَنْ اَنَسٍ قَالَ وَلَّانِيْ	انس سے مروی ہے انہوں
عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ	نے کہا کہ مجھے عمر بن خطاب
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الصَّدَقَاتِ	(رضی اللہ عنہ) نے صدقات

فَاَمَرَنِیْ اَنْ اٰخُذَ	پر مامور کیا اور مجھے حکم دیا
مِنْ کُلِّ عِشْرِیْنَ دِیْنَارًا	کہ میں ہر بیس دینار سے
نِصْفَ دِیْنَارٍ وَمَا	نصف دینار لوں اور جو زیادہ
زَادَ فَبَلَغَ اَرْبَعَةَ دَنَانِیْرَ	ہو اور وہ چار دینار کو پہنچے
فَفِیْهِ دِرْهَمٌ۔	تو اس میں ایک درہم ہے

(اعلاء السنن بحوالہ ز)

وَفِیْ رِوَایَةٍ	ابی داؤد کی ایک روایت
لِاَبِیْ دَاوٗدَ عَنِ الْحَارِثِ	میں ہے جو حارث اعور
الْاَعْوَرِ عَنْ عَلِیٍّ	نے حضرت علی سے روایت
قَالَ زُهَیْرٌ اَحْسِبُهٗ	کی ہے۔ زہیر نے کہا کہ
عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ	میرا گمان ہے کہ اس نے
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
قَالَ هَاتُوْا رُبُعَ	نقل کیا ہے آپ نے فرمایا
الْعُشْرِ مِنْ کُلِّ	چوتھا حصہ دسویں کا ہر
اَرْبَعِیْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ	چالیس درہم میں سے
وَلَیْسَ عَلَیْکُمْ شَیْءٌ	ایک درہم دیا کرو اور تم پر
حَتّٰى تَتِمَّ مِائَتَیْ	کچھ نہیں جب تک کہ دو
دِرْهَمٍ فَاِذَا کَانَتْ	سو درہم نہ پورے ہوں اور
مِائَتَیْ دِرْهَمٍ	جب دو سو پورے ہوجائیں
فَفِیْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ	تو ان میں پانچ درہم ہونگے
فَمَا زَادَ فَعَلٰى حِسَابِ	اور جو اس پر زیادہ ہو تو وہ

ذالك (مشکوٰۃ) اسی حساب پر ہے ۔

تشریح

یہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین فرمان ہیں اور دو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عملی نمونے ہیں اور یہ دونوں باب زکوٰۃ میں مذکورہ آیات کی تشریح اور توضیح ہیں کیونکہ ان آیات میں اتنا فرمایا ہے کہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے زکوٰۃ ادا کرو اور اس کی خلاف ورزی کی سزا بیان فرمائی ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ کتنا ادا کرنا ہے اور کیسے ادا کرنا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ رسول کی اطاعت کرو اور پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جنس مال کا نصاب بیان فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں سونے اور چاندی کا نصاب اور درہم اور دینار کا نصاب پہلے بیان ہوچکا ہے ۔ ان احادیث میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ نصاب کے درمیانے حصہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو فرامین سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ درمیانے حصہ میں زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہر پانچ اوقیہ میں پانچ درہم ہیں اور جو اس سے زیادہ ہو تو ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے تو درمیانے کو آپ نے نکال دیا اور اس پر حضرت حسن بصری اور حضرت انس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عملی نمونہ پیش کیا کہ حضرت عمر نے اپنے دورِ خلافت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرامین پر ہی عمل کرتے رہے مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانے حصہ میں زکوٰۃ ہے ۔

جیساکہ آپ نے فرمایا کہ جو زیادہ ہو تو وہ بھی اسی حساب پر ہے اب دونوں میں تعارض پیدا ہوگیا ہے اور ایسے موقعہ پر محدثین حضرات کا اصول یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ دونوں معمول بھا ہو جائیں اور یہاں احناف نے تطبیق یوں بیان فرمائی ہے کہ یہاں مراد زیادہ ہونے سے دوسو درہم پر چالیس درہم کا زیادہ ہونا ہے اور اس تطبیق سے دونوں حدیثوں پہ عمل ہو سکتا ہے۔

سامانِ تجارت کی زکوٰۃ

عَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا اَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِیْ نُعِدُّ لِلْبَيْعِ۔	سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ اس مال سے زکوٰۃ نکالیں جو ہم نے سوداگری کے لیے رکھا ہے۔

(رواہ ابوداود)

تشریح

یہ حدیث بھی باب زکوٰۃ میں مذکورہ آیات کی تشریح ہے کیونکہ ان آیات میں اتنا فرمایا ہے کہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے زکوٰۃ ادا کرو اور رسول

کی اطاعت کرو مگر یہ ذکر نہیں کہ کس کس مال میں سے زکوٰۃ ادا کرنا ہے آیت مجمل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ سامانِ تجارت میں سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بھی انسان کی کمائی میں شامل ہے اور حدیث میں جو فرمایا ہے جو تجارت کے لیے ہو یہ عام ہے خواہ دکان ہو زمین ہو برتن ہوں وغیرہ ذالک جو بھی سامان تجارت ہو سب میں زکوٰۃ فرض ہے۔ اور اس میں نصاب وغیرہ کا ذکر نہیں ہے مگر فقہاء نے لکھا ہے کہ جس طرح سونے چاندی اور درہم دنانیر کے لیے نصاب اور سال گزرنا شرط ہے اسی طرح سامانِ تجارت کے اندر بھی سال گزرنا بھی شرط ہے اور اس کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہنچ جائے یا درہم دنانیر کے نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی

اور فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان اموال میں سے اگر کسی کا نصاب پورا نہ ہو مثلاً تھوڑی سی چاندی ہو اور تھوڑا سا سونا ہو اور کچھ سامانِ تجارت ہو تو سب کو ملا کر حساب کیا جائے اور جس نصاب کو بھی یہ مال پہنچے اور جس میں فقراء کا بھی زیادہ نفع ہو اس کے موافق زکوٰۃ ادا کی جائے۔

موتی اگر تجارت کیلئے ہوں تو ان میں زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عمرو ابن شعیب نے اپنے
عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ باپ سے اور اس نے

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا زَکٰوۃَ فِیْ حَجَرٍ (زیلعی)	اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پتھر میں زکوٰۃ نہیں ہے۔
عَنْ عَلِیٍّ قَالَ لَا زَکٰوۃَ فِی اللُّؤْلُؤِ (بیہقی)	علی سے منقول ہے کہ موتیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔
عَنْ عِکْرِمَۃَ قَالَ لَیْسَ فِیْ حَجَرِ اللُّؤْلُؤِ وَلَا حَجَرِ الزُّمُرُّدِ زَکٰوۃٌ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ لِلتِّجَارَۃِ فَاِنْ کَانَتْ لِلتِّجَارَۃِ فَفِیْہِ الزَّکٰوۃُ (زیلعی)	عکرمہ سے منقول ہے کہ موتیوں کے پتھروں میں اور زمرد کے پتھروں میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر کہ تجارت کے لیے ہوں اور اگر تجارت کے لیے ہوں تو ان میں زکوٰۃ

یہ تینوں احادیث اعلاء السنن میں مذکور ہیں۔

تشریح

یہاں ایک تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے اور دو قول ہیں۔ ایک حضرت علی سے منقول ہے اور دوسرا حضرت عکرمہ سے اور یہ تینوں باب زکوٰۃ میں مذکور آیات کی تشریح ہیں کیونکہ ان آیات میں اتنا فرمایا ہے کہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ موتیوں کی اور جواہرات وغیرہ کی کوئی قید نہیں

ہے کہ ان میں زکوٰۃ ہے یا نہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پتھریں زکوٰۃ نہیں ہے اور یہ جملہ مجمل ہے پتہ نہیں کہ کون سا پتھر مراد ہے اور بعد میں حضرت علی اور حضرت عکرمہ کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھر سے مراد عام پتھر نہیں بلکہ موتی زمرد وغیرہ مراد ہیں۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ موتیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں اگر موتی تجارت کے لیے ہوں تو پھر ان میں زکوٰۃ ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ موتی بھی تو قیمتی پتھر ہیں اور سونا چاندی بھی قیمتی پتھر ہیں آخر وجہ کیا ہے کہ موتیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے اور سونا چاندی میں زکوٰۃ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سونا اور چاندی عرف عام میں قیمتی پتھر بھی ہیں اور یہ بطور معاوضہ اور قیمت بھی استعمال ہوتے ہیں اور موتی قیمتی تو ہیں مگر بطور قیمت استعمال نہیں ہوتے تو گویا سونے اور چاندی میں نما خلقتہ موجود ہے اور نما کا ذریعہ بھی ہیں اس لیے ان میں زکوٰۃ ہے اور موتیوں میں چونکہ یہ چیز نہیں ہے اس لیے ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

اونٹوں کی زکوٰۃ

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَبَابَکْرٍ	انس سے روایت ہے کہ
کَتَبَ لَهٗ هٰذَا الْكِتَابَ	ابوبکر نے ان کو یہ خط لکھ کر
لَمَّا وَجَّهَهٗ اِلَى	دیا جب انہیں بحرین کی طرف
الْبَحْرَيْنِ بِسْمِ اللّٰهِ	بھیجا کہ اللہ کے نام سے شروع
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذِهٖ	جو بہت بڑا مہربان نہایت

فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ
الَّتِيْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ
وَالَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ
بِهَا رَسُوْلَهٗ فَمَنْ
سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ
عَلٰى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا
وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا
فَلَا يُعْطِ فِيْ
اَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنَ
الْاِبِلِ فَمَا دُوْنَهَا
مِنَ الْغَنَمِ مِنْ كُلِّ
خَمْسٍ شَاةٌ فَاِذَا
بَلَغَتْ خَمْسًا وَّ
عِشْرِيْنَ اِلٰى خَمْسٍ
وَّثَلٰثِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ
مَخَاضٍ اُنْثٰى فَاِذَا
بَلَغَتْ سِتًّا وَّثَلٰثِيْنَ
اِلٰى خَمْسٍ وَّاَرْبَعِيْنَ
فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ اُنْثٰى

رحم والا ہے۔ یہ صدقہ کا
فریضہ وہ ہے جو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے
مسلمانوں پر فرض کیا اور جس
کا اللہ نے اپنے رسول کو
حکم دیا پس مسلمانوں میں سے
جس شخص سے اس طور پر
مطالبہ کیا جائے اسے چاہئے
کہ وہ دے اور جس سے اس
سے زیادہ کا مطالبہ کیا جائے
وہ نہ دے۔ چوبیس اونٹوں
میں یا اس سے کم میں۔
بکریاں ہیں اس طور پر کہ
ہر پانچ اونٹوں میں ایک
بکری اور جب پچیس سے
لے کر پینتیس کو پہنچیں تو ان
میں ایک سال کی مادہ
ہے اور جب چھتیس سے
لے کر پینتالیس کو پہنچے
تو ان میں دو سالہ مادہ
ہے۔ اور جب چھیالیس

وَ اِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّ	سے لے کر ساٹھ کو پہنچیں
اَرْبَعِيْنَ اِلَىٰ سِتِّيْنَ	تو اس میں تین برس کی اونٹنی
فَفِيْهَا حِقَّةٌ طَرُوْقَةُ	ہے جو قابل جست ہو اور
الْجَمَلِ فَاِذَا بَلَغَتْ	جب اکسٹھ سے لے کر
وَاحِدَةً وَّسِتِّيْنَ اِلَىٰ	پچھتر کو پہنچیں تو ان میں چار
خَمْسٍ وَّسَبْعِيْنَ فَفِيْهَا	برس کی اونٹنی ہے اور جب
جَذَعَةٌ فَاِذَا بَلَغَتْ	چھہتر سے لے کر نوے
سِتًّا وَّ سَبْعِيْنَ اِلَىٰ	تک کو پہنچیں تو ان میں دو مادہ
تِسْعِيْنَ فَفِيْهَا	دو برس کی ہوں گی اور جب
لَبُوْنٍ فَاِذَا بَلَغَتْ	اکیانوے سے لے کر ایک سو
اِحْدٰى وَ تِسْعِيْنَ	بیس تک کو پہنچیں تو ان میں
اِلَىٰ عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ	دو اونٹنیاں تین تین برس کی
فَفِيْهَا حِقَّتَانِ طَرُوْقَتَا	ہوں گی جو قابل جست کرنے
الْجَمَلِ فَاِذَا زَادَتْ	ہوں اور جب ایک سو بیس
عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ	پر زیادہ ہوں تو پھر ہر چالیس
فَفِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ	میں دو سالہ مادہ ہے اور ہر
بِنْتُ لَبُوْنٍ وَ فِيْ كُلِّ	پچاس میں تین سالہ مادہ ہے
خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ وَمَنْ	اور جس کے پاس صرف چار
لَّمْ يَكُنْ مَعَهٗ اِلَّا	اونٹ ہوں تو ان میں صدقہ
اَرْبَعٌ مِّنَ الْاِبِلِ فَلَيْسَ	نہیں ہے ہاں اگر مالک
فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ	چاہے تو دے دے اور

يَشَاءَ رَبُّهَا فَإِذَا بَلَغَتْ
خَمْسًا فَفِيهَا شَاةٌ
وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ
الْإِبِلِ صَدَقَةَ الْجَذَعَةِ
وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ جَذَعَةٌ
وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ فَإِنَّهَا
تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ
وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ
إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ
أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا وَمَنْ
بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةَ
الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ
الْحِقَّةُ وَعِنْدَهُ الْجَذَعَةُ
فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ
الْجَذَعَةُ وَيُعْطِيهِ
الْمُصَدِّقُ عِشْرِينَ
دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ
وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ
صَدَقَةَ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ
عِنْدَهُ إِلَّا بِنْتُ لَبُونٍ
فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ

جب پانچ کی تعداد کو پہنچیں
تو ان میں ایک بکری ہے
اور جس کے اونٹوں کا نصاب
زکوٰۃ چار برس کی مادہ کے
نصاب کو پہنچے اور اس کے
پاس چار برس کی مادہ نہ ہو
اور اس کے پاس تین برس
کی مادہ ہو تو اس سے تین
برس کی مادہ ہی قبول کی جائے
اور اس کے ساتھ دو بکریاں
دے اگر میسّر ہوں یا بیس
درہم دے اور جو شخص کہ اسکے
پاس اس قدر اونٹ ہوں کہ ان
میں تین برس کی اونٹنی واجب
ہوتی ہے اور اسکے پاس وہ نہ
ہو اور اس کے پاس چار برس
کی ہو پس قبول کی جائے وہ
اس سے اور زکوٰۃ لینے والا اس
کو بیس درہم دے یا دو بکریاں اور
جو شخص کہ اس کے پاس اس
قدر اونٹ ہوں کہ ان میں تین

بِنْتَ لَبُوْنٍ وَ يُعْطِىَ	برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو
شَاتَيْنِ اَوْ عِشْرِيْنَ	اور وہ اس کے پاس نہ ہو اور
دِرْهَمًا وَمَنْ	اس کے پاس دو برس کی ہو تو
بَلَغَتْ صَدَقَتُهٗ بِنْتَ	قبول کی جائے وہ اس سے
لَبُوْنٍ وَعِنْدَهٗ	اور زکوٰۃ دینے والا دو بکریاں
حِقَّةٌ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ	دے یا بیس درہم دے اور جو
مِنْهُ الْحِقَّةُ وَيُعْطِيْهِ	شخص کہ اس کے پاس اس قدر
الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ	اونٹ ہوں کہ ان میں دو برس
دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ	کی اونٹنی واجب ہو اور اس کے
وَمَنْ بَلَغَتْ	پاس تین برس کی ہو تو وہ اس
صَدَقَتُهٗ بِنْتَ لَبُوْنٍ	سے قبول کی جائے اور صدقہ
وَلَيْسَتْ عِنْدَهٗ	لینے والا اس کو بیس درہم دے
وَعِنْدَهٗ بِنْتُ مَخَاضٍ	یا دو بکریاں اور جو شخص کہ
فَاِنَّهَا تُقْبَلُ	اس کے پاس اس قدر اونٹ ہوں
مِنْهُ بِنْتُ مَخَاضٍ	کہ ان میں دو برس کی اونٹنی
وَيُعْطِىَ مَعَهَا عِشْرِيْنَ	واجب ہو اور وہ اس کے
دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ	پاس نہ ہو اور اس کے پاس ایک
وَمَنْ بَلَغَتْ	سال کی ہو تو وہ اس سے قبول
صَدَقَتُهٗ بِنْتَ	کی جائے اور زکوٰۃ دینے والا
مَخَاضٍ وَلَيْسَتْ	اس کے ساتھ بیس درہم دے
عِنْدَهٗ وَعِنْدَهٗ بِنْتُ	یا دو بکریاں اور جو شخص کہ اس

لَبُوْنٍ فَاِنَّهَا	کے پاس اس قدر اونٹ ہوں کہ
تُقْبَلُ مِنْهُ وَ يُعْطِيْهِ	ان میں ایک برس کی اونٹنی واجب
الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ	ہوتی ہو اور اس کے پاس وہ
دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ	نہ ہو اور اس کے پاس دو برس
فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ عِنْدَهٗ	کی ہو تو قبول کی جاوے اور اس
بِنْتُ مَخَاضٍ عَلٰى	سے اور صدقہ لینے والا اس
وَجْهِهَا وَ عِنْدَهٗ	کو بیس درہم دے یا دو بکریاں
اِبْنُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهٗ	اور اس کے پاس ایک برس
يُقْبَلُ مِنْهُ وَ لَيْسَ	کی اونٹنی دینے کے قابل نہ
مَعَهٗ شَيْءٌ	ہو اور اس کے پاس دو برس
	کی ہو تو وہ اس سے قبول کر
	لی جاتے اور اس کے ساتھ
	اور کوئی چیز نہیں ہے کہ واجب
	ہو دینا یا لینا اس کا۔

تشریح

یہاں چار الفاظ آئے ہیں بنت مخاض، بنت لبون حقہ جذعہ، بنت مخاض اونٹ کی اس مادہ بچی کو کہتے ہیں جس کی عمر ایک سال پوری ہو چکی ہو اور دوسرے سال میں قدم ہو اور بنت لبون اونٹ کی اس مادہ بچی کو کہتے ہیں جس کی دو سال عمر پوری ہو چکی ہو اور تیسرے سال میں قدم ہو اور حقہ اونٹ کی اس مادہ بچی کو کہتے ہیں جس کی

عمر تین سال پوری ہوچکی ہو اور چوتھے سال میں قدم ہو اور جذعہ اونٹ کی اس مادہ بچی کو کہتے ہیں جس کی عمر چار سال پوری ہوچکی ہو اور پانچویں سال میں قدم ہو۔ اور اس حدیث میں آیا ہے کہ اگر اونٹ ایک سو بیس سے بڑھ جائے تو ہر چالیس میں بنت لبون اور ہر پچاس میں حقہ ہے۔

اور صاحب ہدایہ نے عمرو بن حزم والی حدیث سے نقل کی ہے جو نسائی میں موجود ہے آپ نے فرمایا فما کان اقل من ذلك ففي كل خمس ذود شاة جو چالیس اور پچاس سے کم ہے تو پھر ہر پانچ اونٹ میں بکری ہے یہاں بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے اور جہاں بھی دو حدیثوں میں تعارض آئے وہاں علمائے اصولیین کا اصول یہ ہے کہ پہلے ان دونوں میں تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے تو فقہا احناف نے یہاں تطبیق یوں بیان فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک سو بیس اونٹوں کے بعد ہر چالیس میں بنت لبون اور ہر پچاس میں حقہ کا بیان فرمایا ہے تو اپنی جگہ مسلم ہے لیکن درمیانے نصاب کے بارے میں یہ حدیث خاموش ہے اور مجمل ہے۔

عمرو بن حزم والی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی وضاحت فرما دی ہے کہ درمیانے نصاب میں معافی نہیں ہے بلکہ ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری دینا ہے۔ پس خلاصہ یہ نکلا جب کسی آدمی کے پاس ایک سو پچیس اونٹ ہوں تو ان میں زکوٰۃ دو حقے اور دو بکری ہوں گی اور اگر ایک سو پینتیس ہوں تو ان میں زکوٰۃ دو حقے اور تین بکری ہونگی اور بقیہ نصاب کو بھی یوں ہی قیاس کرنا چاہیئے۔

بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب

وَفِیْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِیْ سَائِمَتِهَا اِذَا كَانَتْ اَرْبَعِيْنَ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ اِلٰى مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا شَاتَانِ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى مِائَتَيْنِ اِلٰى ثَلٰثِمِائَةٍ فَفِيْهَا ثَلٰثُ شِيَاهٍ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلٰثِمِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِنْ اَرْبَعِيْنَ شَاةً وَاحِدَةً فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّا

اور چرنے والی بکریوں کی زکوٰۃ میں چالیس سے لے کر ایک سو بیس تک ایک بکری ہے اور جب ایک سو بیس سے بڑھ کر دو سو تک ہو جائیں تو ان میں دو بکریاں ہیں اور جب دو سو سے تین سو تک بڑھ جائیں تو ہر سو میں ایک بکری ہے اور جب آدمی کی چرنے والی بکریاں چالیس میں سے ایک کم ہو تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے ہاں اگر مالک خود چاہے تو دے سکتا ہے اور نہ دی جائے زکوٰۃ میں بوڑھیا اور نہ عیب دار اور نہ بکرا مگر کہ زکوٰۃ لینے والا بکرا پسند کرے اور نہ جمع کیے جائیں متفرق

اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا	جانور اور نہ جمع شدہ
وَلَا تُخْرَجُ فِي	جانوروں کو زکوٰۃ لینے کے
الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ	ڈر سے جدا کیا جائے
عَوَارٍ وَلَا تَيْسٌ اِلَّا مَا	اور جس نصاب میں
شَاءَ الْمُصَدِّقُ وَلَا يُجْمَعُ	دو شریک ہوں تو آپس میں
بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا	برابر تقسیم کرلیں اور چاندی
يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ	میں چالیسواں حصہ
خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا	دینا فرض ہے ۔ اور اگر
كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَاِنَّهُمَا	ایک سو نوے ہوں
يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا	تو ان میں کچھ نہیں ہے
بِالسَّوِيَّةِ وَفِي الرِّقَةِ	مگر کہ مالک چاہے ۔
رُبُعُ الْعُشْرِ فَاِنْ لَمْ	
تَكُنْ اِلَّا تِسْعِيْنَ	
وَمِائَةٍ فَلَيْسَ فِيْهَا	
شَيْءٌ اِلَّا اَنْ	
يَّشَاءَ رَبُّهَا ۔ (بخاری)	

تشریح

حدیث کے شروع میں لفظ سائمہ آیا ہے اس کے معنی چرنے والی ہے یعنی زکوٰۃ ان بکریوں سے لی جائے گی جو چر کر گزارہ کرتی ہوں اور جو چر کر گزارہ نہ کرتی ہوں بلکہ سارا سال یا اکثر سال مالک کے گھر پہ ہی کھا کر

گزارہ کرتی ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

اور محدثین حضرات نے اس پر قیاس کر کے لکھا ہے کہ یہ چرنے کی قید صرف بکریوں کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ اونٹوں اور گائیوں سب کے لیے یہی حکم ہے کہ جو چر کر گزارہ کرتے ہیں ان میں تو زکوٰۃ ہے اور جو سارا سال یا اکثر سال مالک کے گھر پہ کھا کر گزارہ کرتے ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اور حدیث میں لفظ عَوار آیا ہے اس کے معنی عیب دار کے ہیں یعنی زکوٰۃ میں عیب دار جانور نہ لیا جائے اور یہ قید بھی صرف بکریوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اونٹوں اور گائیوں سب کے لیے ہے اور یہ اس وقت ہے جب سارے جانور اچھے ہوں اور ایک عیب دار یا اکثر اچھے ہوں اور بعض عیب دار ہوں تو اس وقت زکوٰۃ میں اچھا جانور لینا ہے عیب دار نہیں لینا اور اگر سارے ہی عیب دار ہوں تو پھر زکوٰۃ میں ایک درمیانہ سا ان میں سے لے لیا جائے۔

اور حدیث میں جو بکرا زکوٰۃ میں لینے کی ممانعت آئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے بکریوں کی نسل بڑھنی ہے اور اگر زکوٰۃ لینے والا بکرا لے گا تو اس سے مالک کا نقصان ہوگا اور حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ متفرق کو جمع نہ کرے اس سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ لینے والا متفرق بکریوں کو جمع نہ کرے یعنی مثلاً دو شخصوں کے پاس بکریاں نصاب سے کم ہوں اور اگر دونوں کی بکریاں ملائیں تو نصاب بنتا ہو تو ان متفرق کو جمع نہ کریں اور یہ جو فرمایا ہے کہ نہ جدا کریں جمع کو اس کا مقصد یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس اسی بکریاں ہوں چالیس ایک جگہ اور چالیس دوسری جگہ تو ان کو جدا نصاب تصوّر نہ کریں تاکہ الگ الگ زکوٰۃ لے بلکہ وہ ایک ہی نصاب

میں شامل ہیں ایک ہی بکری زکوٰۃ میں لی جائے اور متفرّق کو جمع نہ کرنے کی ایک اور بھی صورت ہو سکتی ہے مثلاً ایک شخص کی چالیس بکریاں ہوں اور دوسرے کی بھی چالیس بکریاں ہوں تو اب دونوں کو ایک ایک بکری زکوٰۃ میں دینا ہے اور یہ دونوں اگر زکوٰۃ سے بچنے کے لیے اپنی اپنی بکریوں کو جمع کریں اور اب دونوں ایک بکری زکوٰۃ میں دیں تو ناجائز ہے کیونکہ یہ زکوٰۃ سے بچنے کا ایک دھوکہ ہے اور حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ دو شریک آپس میں رجوع کریں اسکی مثال یہ ہے کہ دو آدمی دو سو بکریوں میں شریک ہوں تو زکوٰۃ لینے والا دو بکریاں لے گا اور ایک بکری کی قیمت کے پانچ حصّے بنا کر دو حصّے چالیس کی زکوٰۃ شمار ہو گی اور بقیہ تین حصّے وہ دوسرا ساتھی لے سکتا ہے۔

گائیوں کی زکوٰۃ کا نصاب

عَنْ مَعَاذٍ اَنَّ النَّبِیَّ	معاذ سے روایت ہے کہ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم
لَمَّا وَجَّھَہٗ اِلَی	نے جب اسے یمن کی طرف
الْیَمَنِ اَمَرَہٗ اَنْ	بھیجا تو حکم دیا کہ ہر تیس
یَّاْخُذَ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ	گائیوں میں سے ایک سال
کُلِّ ثَلٰثِیْنَ تَبِیْعًا	کا بچھڑا یا بچھڑی اور ہر چالیس
اَوْ تَبِیْعَۃً وَمِنْ	میں سے دو سالہ بچھڑی۔
کُلِّ اَرْبَعِیْنَ مُسِنَّۃً	

(ابو داؤد)

وَعَنْ طَاوُسٍ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ اُتِیَ بِوَقْصِ الْبَقَرِ فَقَالَ لَمْ یَاْمُرْنِیْ فِیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِشَیْءٍ (رواه دارقطنی والشافعی وقال الوقص مالم یبلغ الفریضه)

طاؤس سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل کے پاس گائیوں کی وقص لائی گئی تو آپ نے فرمایا مجھے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ حکم نہیں دیا دارقطنی اور شافعی نے یہ حدیث روایت کی ہے اور شافعی نے کہا ہے کہ وقص وہ ہے جو فریضہ کو نہ پہنچے۔

وَعَنْ عَلِیٍّ وَفِی الْبَقَرِ فِیْ کُلِّ ثَلٰثِیْنَ تَبِیْعٌ وَفِی الْاَرْبَعِیْنَ مُسِنَّةٌ وَلَیْسَ عَلَی الْعَوَامِلِ شَیْءٌ (مشکوٰة)

علی سے مروی ہے کہ تیس گائیوں میں ایک سالہ بچھڑا ہے اور چالیس میں دو سالہ بچھڑی ہے اور کام کرنے والوں میں کچھ نہیں ہے۔

تشریح

یہاں پہلے معاذ بن جبل والی حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے کہ تیس گائیوں میں ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی لینا ہے اور چالیس میں دو سالہ بچھڑی لینا ہے اس سے معلوم ہوا کہ گائیوں کے مادہ اور نر میں کوئی فرق نہیں ہے زکوٰۃ لینے والا جو چاہے لے سکتا ہے اور طاؤس والی روایت سے معاذ کا عمل معلوم ہوتا ہے کہ اس

نے وِقص کی زکوٰۃ نہیں لی اور فرمایا کہ اس میں سے زکوٰۃ لینے کا حکم جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا۔ وِقص فریضہ کے درمیانے حصّہ کو کہتے ہیں مثلاً ایک گائے سے لے کر تیس تک۔ اس کو وِقص کہتے ہیں اس میں زکوٰۃ نہیں ہے جب تیس پوری ہوں گی تو اس میں زکوٰۃ ہے اور اسی طرح تیس سے لے کر چالیس تک۔ یہ درمیانہ حصّہ وقص ہے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اور چالیس پوری ہوں گی تو پھر ان میں زکوٰۃ ہے اور چالیس سے لیکر ستر تک یہ درمیانہ نصاب وِقص ہے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اور جب ستر پورے ہو جائیں تو ان میں ایک مُسنّہ اور تبیع زکوٰۃ ہے اور جب اسی ہوں تو دو مُسنّہ واجب ہوں گے۔ جب نوے ہوں تو تین تبیع اور جب سو ہوں تو دو تبیع اور ایک مُسنّہ واجب ہے اور اسی طرح تیس میں ایک تبیع اور ہر چالیس میں ایک مُسنّہ دیا کرے۔

اور حضرت علی والی روایت بھی اس کی تشریح ہے مگر اس میں اتنا اضافہ ہے کہ کام کرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ بھینس کی زکوٰۃ گائے کی طرح ہے اور بھیڑ دنبوں کی زکوٰۃ بکری کی طرح ہے۔

گھوڑوں اور گدھوں کی زکوٰۃ کا نصاب

قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ فَالْخَيْلُ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ
قَالَ فَالْخَيْلُ ثَلٰثَةٌ پس گھوڑے تو آپ نے فرمایا
هِيَ لِرَجُلٍ وِزْرٌ وَ هِيَ گھوڑے تین قسم کے ہیں یہ

لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَهِيَ	آدمی کے لیے بوجھ ہیں اور
لِرَجُلٍ اَجْرٌ فَاَمَّا	یہ آدمی کے لیے پردہ ہیں اور
الَّتِیْ هِيَ لَهٗ وِزْرٌ	یہ آدمی کے لیے اجر ہیں،
فَرَجُلٌ رَبَطَهَا رِيَاءً	بہرحال وہ گھوڑا جو اس کے
وَفَخْرًا وَنِوَاءً	لیے بوجھ ہے پس وہ آدمی
عَلٰی اَهْلِ الْاِسْلَامِ	جو باندھے اس کو بطور ریا فخر
فَهِيَ لَهٗ وِزْرٌ وَاَمَّا	اور اہل اسلام کی دشمنی کے لیے
الَّتِیْ هِيَ لَهٗ	تو اس کے لیے بوجھ ہے
سِتْرٌ فَرَجُلٌ	اور جو گھوڑا اس کے لیے
رَبَطَهَا فِیْ سَبِيْلِ	پردہ ہے پس وہ آدمی جو
اللّٰهِ ثُمَّ لَمْ يَنْسَ	باندھے اسے اللہ کے راستے
حَقَّ اللّٰهِ فِیْ	میں پھر نہ بھولے اللہ کا حق
ظُهُوْرِهَا وَلَا	اس کی پیٹھ میں اور نہ گردن
رِقَابِهَا فَهِيَ	میں تو یہ گھوڑا اس کے لیے
لَهٗ سِتْرٌ وَاَمَّا الَّتِیْ	پردہ ہے اور بہرحال جو
هِيَ لَهٗ اَجْرٌ	گھوڑا جو اس آدمی کے لیے
فَرَجُلٌ رَبَطَهَا	اجر ہے تو وہ آدمی جو باندھے
فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اس کو اللہ کے راستے میں
لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ	اہل اسلام کے لیے چراگاہ
فِیْ مَرْجٍ وَّرَوْضَةٍ	میں یا باغیچے میں پس وہ گھوڑا
فَمَا اَكَلَتْ مِنْ	اس چراگاہ یا اس باغیچے سے

ذَالِكَ الْمَرْجِ	جو کھائے گا تو اس کے بدلے
اَوِ الرَّوْضَةِ مِنْ شَيْءٍ	اس کے عوض میں نیکیاں لکھی
اِلَّا كُتِبَ لَهُ عَدَدَ	جاتی ہیں۔ اور اس کی
مَا اَكَلَتْ حَسَنَاتٌ	لید اور پیشاب کے بدلے
وَكُتِبَ لَهُ عَدَدَ	نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور
اَرْوَاثِهَا وَاَبْوَالِهَا	وہ جو اس کی لمبائی سے
حَسَنَاتٌ وَلَا تَقْطَعُ	کرتا ہے پھر ایک یا دو
طُوَلَهَا فَاسْتَنَّتْ	اونچی جگہ چڑھتا ہے تو
شَرَفًا اَوْ شَرَفَيْنِ	اس کے قدموں کے نشانات
اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ	اور لید کے بدلے نیکیاں
عَدَدَ اٰثَارِهَا	لکھی جاتی ہیں اور اس کا
وَاَرْوَاثِهَا حَسَنَاتٌ	مالک جس نہر پر گزرے
وَلَا مَرَّ بِهَا صَاحِبُهَا	پھر وہ اس سے پانی پیئے
عَلٰى نَهْرٍ فَشَرِبَتْ	یا پلوانے کا ارادہ کرے
مِنْهُ وَلَا يُرِيْدُ اَنْ	تو اس کے پینے کے
يَسْقِيَهَا اِلَّا كَتَبَ	بدلے اس کے لیے نیکیاں
اللّٰهُ لَهُ عَدَدَ مَا	لکھی جاتی ہیں۔
شَرِبَتْ حَسَنَاتٍ	

(مشکوٰۃ)

قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ	نبی علیہ السلام کا فرمان ہے
فِيْ كُلِّ فَرَسٍ سَائِمَةٍ	کہ ہر چرنے والے گھوڑے

دِيْنَارٌ أَوْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ ۔

میں ایک دینار یا دس درہم ہیں ۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ صَدَقَةٌ فِي عَبْدِهِ وَلَا فِي فَرَسِهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ لَيْسَ فِي عَبْدِهِ صَدَقَةٌ إِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ ۔
(متفق علیہ)

اور ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا اس کے غلام میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر صدقہ فطر ہے ۔

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ فِي الْخَضْرَوَاتِ صَدَقَةٌ وَلَا فِي الْعَرَايَا صَدَقَةٌ وَلَا فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ وَلَا فِي الْعَوَامِلِ صَدَقَةٌ

حضرت علی سے روایت ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عاریت کے درختوں میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ وسق اناج ۔ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور کام کرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے اور جبہ میں زکوٰۃ نہیں ہے ۔ صقر راوی نے

وَلَا فِی الْجَبْهَةِ صَدَقَةٌ قَالَ الصَّقْرُ الْجَبْهَةُ اَلْخَيْلُ وَالْبِغَالُ وَالْعَبِيدُ (دارقطنی)

کہا کہ جبہ سے مراد گھوڑے خچر اور غلام ہیں۔

تشریح

یہاں چار احادیث ذکر کی گئی ہیں ——— پہلی حدیث حضرت ابوہریرہ والی ہے یہ ایک لمبی چوڑی حدیث کا حصہ ہے اس میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کا ایک نقصان بیان فرمایا ہے اور دو فائدے بیان فرمائے ہیں۔ نقصان یہ ہے کہ اگر انسان تکبری فخر اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے گھوڑا رکھے تو اس مالک کے لیے بوجھ ہے اور گناہ ہے اور اس کے دو فائدوں میں پہلا فائدہ یہ ہے کہ یہ گھوڑا مالک کے لیے پردہ ہے یعنی آدمی اگر گھوڑا اس نیت سے رکھے کہ اس سے اسکی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ اگر کوئی سواری کے لیے مانگتا ہے تو اس کو دے دے اور اس کی زکوٰۃ ادا کرے تو یہ گھوڑا اس کے لیے پردہ ہے۔ دنیا میں اس کی غربت پر پردہ رہے گا اور آخرت میں دوزخ سے پردہ ہو جائیگا اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آدمی اگر جہاد کی خاطر گھوڑا رکھے تو اس کا ثواب اور فائدہ آگے حدیث میں مفصل مذکور ہے۔

ہماری بحث اس وقت جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ثم لم ینس حق اللہ فی ظهورها ولا رقابها۔ یہاں گھوڑے کی گردن میں

اللہ تعالیٰ کا کونسا حق ہے تو اس حق کے بارے میں دو احتمال ہیں۔ ایک احتمال یہ ہے کہ اس کی گردن میں جو اللہ کا حق ہے ادا کرے یعنی اس کو چارہ، دانہ وغیرہ کھلائے کیونکہ یہ جانور اللہ تعالیٰ نے اس کے ماتحت کیا ہے اس کا خرچ پورا کرنا اس کا فرض ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اللہ کا حق فرما کر اس کی اہمیت واضح فرما دی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے اور وہ فرماتے ہیں اس سے مراد زکوٰۃ نہیں ہے اور اسی احتمالی معنی کے پیش نظر امام شافعی اس کے قائل ہوئے ہیں۔ گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی دوسری روایت اور حضرت علی والی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں حق سے مراد زکوٰۃ ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی احتمال کو ترجیح دی ہے اور اسی کے پیش نظر وہ قائل ہیں کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے۔

اور صاحب ہدایہ والی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ہر چرنے والے گھوڑے میں ایک دینار ہے یا دس درہم ہیں اور باب زکوٰۃ میں جو آیات ہیں ان سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان آیات میں اتنا فرمایا ہے کہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے زکوٰۃ ادا کرو۔ اگر کسی کے پاس گھوڑے ہیں تو یہ اس کی کمائی ہے ان میں زکوٰۃ ہونا چاہیئے مگر اب یہاں دونوں احتمالات کی مؤید احادیث موجود ہیں جو آپس میں متعارض ہیں اور علماء اصولیین کا اصول یہ ہے کہ جہاں دو متعارض حدیثیں آجائیں

تو ان کے مابین اس طرح تطبیق دی جاتی ہے کہ دونوں پر عمل ہو سکے تو یہاں احناف نے تطبیق یوں بیان فرمائی ہے کہ وہ احادیث جن میں گھوڑوں کی زکوٰۃ کی نفی ہے ان سے مراد جہاد کے گھوڑے ہیں اور جن احادیث میں زکوٰۃ دینے کا حکم آیا ہے اس سے مراد ذاتی گھوڑے ہیں پس اس تطبیق سے دونوں حدیثوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے اور کوئی حدیث متروک نہیں رہتی۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ جہاد کے گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے اور ذاتی گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے اور باب زکوٰۃ والی آیات سے بھی اس کی تائید معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ آدمی کی کمائی ہے جس طرح اونٹ، گائے اور بکریوں میں آدمی کی کمائی ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ دینا واجب ہوتی ہے پس ہر چرنے والے گھوڑے میں ایک دینار یا دس درہم زکوٰۃ واجب ہے۔

قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	آپ سے عرض کیا گیا پس
فَالْحُمُرُ قَالَ مَا	گدھے، تو آپ نے فرمایا
اُنْزِلَ عَلَیَّ فِیْ	کہ گدھوں کے بارے میں
الْحُمُرِ شَیْئٌ اِلَّا هٰذِهِ	مجھ پر کوئی چیز نہیں اتاری گئی
الْاٰيَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ	مگر یہ ایک جامع آیت
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ	ہے کہ جو ذرہ برابر نیکی کریگا
ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ	تو وہ اس کو دیکھے گا اور جو
يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا	ذرہ برابر برائی کرے گا تو
يَّرَهٗ (مسلم)	وہ اس کو دیکھے گا۔

قرض اور اُدھار پر زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ لَيْسَ فِي الدَّيْنِ زَكوٰة حَتّٰى يَقْبِضَ فَاِذَا قَبَضَ فَاِنَّمَا فِيْهِ زَكوٰةٌ وَاحِدَةٌ لِمَا مَضٰى مِنَ السِّنِيْنَ (اطفار الفتن)

عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ادھار میں زکوٰۃ واجب نہیں جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرے پھر جب قبضہ کرے تو اس میں گزرے ہوئے سالوں کی ایک ہی زکوٰۃ ہے

قَالَ سَعِيْدُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ لَيْسَ فِي الدَّيْنِ زَكوٰةٌ حَتّٰى يَقْبِضَ فَاِذَا قَبَضَ فَاِنَّمَا فِيْهِ زَكوٰةٌ وَاحِدَةٌ لِمَا مَضٰى مِنَ السِّنِيْنَ۔

سعید بن مسیّب نے فرمایا ہے کہ اُدھار میں زکوٰۃ نہیں ہے جب تک قبضہ نہ کرے پھر جب قبضہ کرے تو اس میں گزرے ہوئے سالوں کی ایک ہی زکوٰۃ ہے۔

(بحوالہ مذکور)

عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِذَا حَلَّتِ

حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے آپ نے

الصَّدَقَةُ فَاحْسِبْ فرمایا جب زکوٰۃ دینا واجب
دَيْنَكَ وَمَا عِنْدَكَ ہو جائے تو پھر اپنے سارے
فَاجْمَعْ ذَالِكَ كُلَّهُ ادھار اور جو تیرے پاس مال
ثُمَّ زَكِّهِ (حوالہ مذکور) ہے سب کا حساب کرکے پھر وہ
جمع کر پھر اس کی زکوٰۃ دے۔

عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدَ سائب بن یزید سے نقل
اَنَّ عُثْمَانَ كَانَ ہے کہ حضرت عثمان فرمایا
يَقُولُ اِنَّ الصَّدَقَةَ کرتے تھے کہ زکوٰۃ نہیں
لَا تَجِبُ فِى الدَّيْنِ واجب ہوتی اس ادھار میں
الَّذِى لَوْ شِئْتَ کہ انسان مدیون سے لینا
تَقَاضِيهِ مِنْ صَاحِبِهِ چاہے تو اس کی تنگ دستی
وَلَا تَقْدِرُ عَلٰى اٰخْذِهِ کی وجہ سے نہ لے سکے۔
مِنْهُ لِكَوْنِهِ مُعْسِرًا اور وہ ادھار جو غنی پر ہو
وَالَّذِى عَلٰى مَلِيٍّ اور تو شرم اور احسان کی
تَدَعُهُ حَيَاءً وَمَصَانِعَةً وجہ سے چھوڑ دے تو اس
فَفِيهِ الصَّدَقَةُ۔ میں زکوٰۃ ہے۔

(بحوالہ مذکورہ)

تشریح

قرض اور ادھار پر زکوٰۃ کے سلسلہ میں اس ناچیز کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کوئی حدیث نہیں مل سکی تین صحابہ اور

ایک تابعی رضوان اللہ علیہم کے اقوال ملے ہیں جو مندرجہ ذیل مذکور ہیں۔
پہلے عبداللہ بن عمر صحابی اور سعید بن تابعی کا قول ہے کہ قرض اور ادھار پر جب وصول ہو جائے تو گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں صرف ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہے اور

اور حضرت عمرؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ دینا واجب ہے اور حضرت عثمانؓ کے قول میں قدرے تفصیل ہے کہ مدیون تنگ دست تھا تو اس قرض اور ادھار میں زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر وہ غنی تھا اور مالک نے حیا اور احسان کی وجہ سے اسے چھوڑے رکھا تو اس میں زکوٰۃ ہے۔

پس ان مختلف اقوال سے معلوم ہوا کہ قرض اور ادھار پر زکوٰۃ واجب ہونے کے سلسلہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اختلاف تھا اور ائمہ میں سے امام مالکؒ نے عبداللہ بن عمر اور سعید بن مسیّب کے اقوال کو ترجیح دی ہے اور وہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ ادھار اور قرض کی وصولی کے بعد صرف ایک سال کی زکوٰۃ دینا واجب ہے اور احناف نے حضرت عمرؓ کے قول کو ترجیح دی ہے اور وہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ دینا واجب ہے اور ناچیز کو ان دونوں اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے کی کوئی دلیل ملی نہیں اس لیے اقوال کے نقل کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے البتہ غایت ما فی الباب یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک سال والے اقوال کو وجوب پر حمل کیا جائے اور جمیع ماضی والے اقوال کو تقویٰ اور بہتری پر حمل کیا جائے تو اس طرح ان اقوال میں تعارض بھی مٹ

جائے گا اور پھر یہ اقوال بابِ زکوٰۃ میں نازل ہونے والی آیات کی تشریح بھی بن جائیں گے اور قرض اور ادھار کی زکوٰۃ پر بقیہ فروعی اختلافی مسائل اور ان کے ادلہ کتب فقہ میں مفصّل مذکور ہیں یہاں ان کے اندراج کی گنجائش نہیں ہے جو دیکھنا چاہے وہاں دیکھ لے۔

پوشیدہ مال میں زکوٰۃ نہیں

عَنْ عَلِیٍّ مَوْقُوْفًا عَلَیْہِ وَ مَرْفُوْعًا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا زَکٰوۃَ فِیْ مَالِ الضِّمَارِ	حضرت علی نے موقوف اور مرفوع حدیث جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے آپ نے فرمایا کہ پوشیدہ مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(مبسوط)

عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ قَالَ اِذَا حَضَرَ الْوَقْتُ یُؤَدِّیْ فِیْہِ الرَّجُلُ زَکٰوتَہٗ اَدّٰی عَنْ کُلِّ مَالٍ وَعَنْ کُلِّ دَیْنٍ اِلَّا مَا کَانَ مِنْہُ ضِمَارًا لَا یَرْجُوْہُ (اعلاء السنن بحوالہ زیلعی)	حسن بصری نے فرمایا جب وہ وقت آئے جس میں آدمی اپنی زکوٰۃ ادا کرتا ہے، تو ہر مال اور ہر قرض سے زکوٰۃ ادا کرے مگر وہ پوشیدہ مال جس کے ملنے کی امید نہیں ہے اس میں زکوٰۃ نہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ ابْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَمْرِو ابْنِ مَيْمُونٍ قَالَ أَخَذَ الْوَلِيدُ ابْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ مَالَ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الرَّقَّةِ يُقَالُ لَهُ أَبُو عَائِشَةَ عِشْرِينَ أَلْفًا فَأَلْقَاهَا فِي بَيْتِ الْمَالِ فَلَمَّا وُلِّيَ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَتَاهُ وَلَدُهُ فَرَفَعُوا مَظْلِمَتَهُمْ إِلَيْهِ فَكَتَبَ إِلَى مَيْمُونٍ أَنْ ادْفَعْ إِلَيْهِمْ مَالَهُمْ وَخُذْ زَكٰوةَ عَامِهِمْ هٰذَا فَإِنَّهُ لَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مَالًا ضِمَارًا أَخَذْنَا مِنْهُ زَكٰوةَ مَا مَضٰى (اعلاء السنن بحوالہ ابن ابی شیبۃ)

عبدالرحیم بن سلیمان نے عمرو بن میمون سے نقل کی ہے اس نے کہا کہ ولید بن عبدالملک نے اہل رقّہ میں سے ابو عائشہ نامی ایک شخص کا بیس ہزار درہم لے کر بیت المال میں داخل کرا دیا اور جب عمر بن العزیز امیر بنائے گئے تو اس کا لڑکا اس کے پاس آیا تو انہوں نے اپنے اوپر ان کی زیادتیوں کا جھگڑا ان کے سامنے اٹھایا تو اس نے میمون کو لکھا کہ ان کو ان کا مال دے دو اور صرف اس مال کی زکوٰۃ ان سے لے لو اگر یہ مال ضمار نہ ہوتا تو ہم گزشتہ تمام برسوں کی زکوٰۃ ان سے لیتے۔

تشریح

امام سرخی نے مبسوط میں مال ضمار کا معنی یہ بیان فرمایا ہے کہ مال یتعذر الوصول الیہ مع قیام مِلکٌ مال ضمار وہ مال ہے کہ جس میں آدمی کا ملک تو ہو مگر وہ اس کو وصول نہ کر سکے اور آگے فرمایا ہے کہ من قولك بعیرٌ ضامرٌ اذا کان نحیفاً مع قیام الحیاۃ فیہ یعنی یہ لفظ اس محاورہ سے لیا ہوا ہے کہ بعیر ضامر کمزور اونٹ عرب یہ محاورہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب اونٹ کمزور ہو جائے مگر اس میں کچھ حیاتی موجود ہو۔

تو خلاصہ یہ نکلا کہ وہ مال جو انسان کے ملک میں تو ہو مگر ملک انتہائی کمزور ہونے کی وجہ سے انسان اس کو وصول نہ کر سکے تو وہ مال ضمار ہے جب وہ وصول ہو جائے تو تب اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں اس کی مثالیں دی ہیں۔ جیسا کہ مال مفقود[1]۔ مغصوب[2] جب اس پر گواہ نہ ہوں اور دریا[3] میں گرنے والا۔ جنگل[4] میں دفن کر کے آدمی اس کی جگہ بھول جائے اور حکومت ظلم[5] زیادتی سے کسی سے چھین لے۔ کسی کو قرض[6] دیا یا ادھار دیا مگر وہ منکر ہو گیا اور مالک کے پاس گواہ نہ ہو اور بعد میں گواہ بھی مل جائے تو یہ مذکورہ مال مالِ ضمار کہلاتا ہے۔ یہ مال اگر آدمی کو مل بھی جائے تو اس میں گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے چنانچہ مندرجہ بالا فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ قول حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز کے عملی نمونے سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ : شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ باب زکوٰۃ میں نازل شدہ آیت میں تو یہ ہے کہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور مذکورہ مال ضمار آدمی کی کمائی ہے تو اس میں زکوٰۃ ہونا چاہیئے اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ ہے کہ قرآن پاک میں جتنے بھی احکامات بنی نوع انسان پر لازم کیئے گئے ہیں ان پر عمل کرنے کے لیے انسان کی وسعت شرط ہے جیسا کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی وسعت کے مطابق اور مال ضمار انسان کی وسعت سے نکل جاتا ہے اس لیے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ باب زکوٰۃ والی آیات میں یہ بھی تو موجود ہے کہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مذکورہ بالا فرمان میں یہ واضح فرما دیا ہے کہ مال ضمار میں زکوٰۃ نہیں ہے (واللہ اعلم)

نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ کی حیثیت

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ	عمرو بن شعیب نے اپنے
عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ	باپ سے اور اس نے اس
اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ	کے دادا سے نقل کیا ہے
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ	کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم
النَّاسَ فَقَالَ اَلَا مَنْ	نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا
وَلِيَ يَتِيْمًا لَهٗ	خبردار جو یتیم کا ولی ہو اور

مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيْهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتّٰى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ۔

اس کا مال بھی ہو تو اس میں تجارت کرے اور ایسے نہ چھوڑے یہاں تک کہ اسے صدقہ کھا جائے۔

(رواہ الترمذی)

وَقَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْتَغُوْا فِيْ اَمْوَالِ الْيَتَامٰى خَيْرًا كَيْلَا تَأْكُلُهَا الصَّدَقَةُ اَوْ قَالَ تَأْكُلُهَا الزَّكٰوةُ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یتیموں کے مالوں میں بہتری طلب کرو تاکہ اسے صدقہ نہ کھائے اور یا فرمایا کہ اسے زکوٰۃ نہ کھائے۔

(مبسوط)

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يَعْقِلَ

حضرت عائشہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ تین آدمیوں سے قلم اُٹھا دی گئی ہے۔ سوئے ہوئے سے یہاں تک کہ وہ بیدار نہ ہو اور بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ نہ ہو اور پاگل سے یہاں تک کہ وہ عقل مند نہ ہو۔

(بحوالہ ابو داود)

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ قَالَ لَيْسَ فِىْ مَالِ الْيَتِيْمِ زَكٰوةٌ (اعلاء السنن بحوالہ کتاب الآثار)

ابن مسعود سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ لَا يَجِبُ عَلٰى مَالِ الصَّغِيْرِ زَكٰوةٌ حَتّٰى تَجِبَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ (اعلاء السنن بحوالہ دارقطنی)

ابن عباس سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نابالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر نماز واجب نہ ہو۔

اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَيْسَ فِىْ مَالِ الْيَتِيْمِ زَكٰوةٌ وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ الزَّكٰوةُ حَتّٰى يَجِبُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ۔ (اعلاء السنن بحوالہ کتاب الآثار)

ابو حنیفہ نے حماد سے خبر دی اور اس نے ابراہیم سے اس نے کہا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں اور اس پر زکوٰۃ واجب نہیں جب تک کہ اس پہ نماز واجب نہ ہو۔

تشریح

یہاں جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ وسلم کے تین فرامین ہیں اور

تین تابعین کے اقوال ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے دو فرامین سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ ہے کیونکہ آپ نے یتیم کے متولیوں کو ہدایت دی ہے کہ اس میں تجارت کرو تاکہ اس کے مال کو صدقہ نہ کھا جائے۔ دوسری حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ تاکہ اس کے مال کو زکوٰۃ نہ کھا جائے اور اس سے معلوم ہوا کہ پہلی حدیث میں جو صدقہ کا ذکر ہے اس سے مراد بھی زکوٰۃ ہے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھا لی گئی ہے اور ان تین میں سے بچہ بھی ہے اور بچہ سے مراد عام ہے خواہ بچہ یتیم ہو یا غیر یتیم اور قلم اٹھانے سے مراد یہ ہے کہ ان پر عبادات فرض نہیں ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اقوال سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں۔ اب یہاں دو قسم کی متعارض احادیث آگئی ہیں اور جہاں بھی دو احادیث کے درمیان تعارض آئے تو وہاں اصول یہ ہے کہ پہلے دونوں میں تطبیق کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ دونوں پر عمل ہو سکے اور یہاں بظاہر تطبیق کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی اس لیے امام شافعیؒ نے تو ان احادیث کو ترجیح دی جن میں مال یتیم میں زکوٰۃ کا حکم ہے اور احناف نے ان احادیث کو ترجیح دی ہے جن میں مال یتیم میں زکوٰۃ کی نفی ہے اور یہاں اصل میں ائمہ کے مابین بنیادی اختلاف تو اس مسئلہ میں ہے کہ آیا یہ زکوٰۃ حق مالی ہے یا کہ عبادت ہے شافعیہ

اس کے قائل ہیں کہ یہ زکوٰۃ حق مالی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جب جہاد کا اعلان کیا تھا تو اس وقت حضرت عمرؓ نے اعتراض کیا تھا کہ آپ لوگوں سے کس طرح جہاد لڑتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں پس جس نے کہا لا الٰہ الا اللہ تو اس نے مجھ سے اپنا مال، اپنی جان بچالی مگر ساتھ حق کے اور اس کا حساب اللہ پر ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ بخدا میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے کیونکہ زکوٰۃ حق مالی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو منع کرنے والوں میں حضرت علیؓ بھی تھے اور بھی صحابہؓ تھے۔ ان میں سے کسی نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ نہیں کہا کہ زکوٰۃ حق مالی نہیں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا حق مالی ہونا اجماعی ہے اور جب یہ حق مالی ہے تو پھر بچہ خواہ یتیم ہو یا غیر یتیم ہو یا آدمی پاگل ہو ان کے مال میں زکوٰۃ ہونی چاہیئے اور اگر زکوٰۃ کو عبادت قرار دیا جائے جیسا کہ احناف قائل ہیں تو پھر ان مذکورین کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ وہ عبادت کے اہل نہیں ہیں پس بہرحال ان احادیث کو اپنی اپنی جگہ صحیح مان کر تعارض رفع کرنا مشکل نظر آتا ہے لیکن ان میں سے کسی کو ضعیف قرار دینے کے بجائے اگر مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کیا جائے تو تعارض رفع بھی ہو جاتا ہے اور کوئی حدیث چھوٹتی بھی نہیں ان سب پر عمل بھی ہو جاتا ہے اور طریقہ یہ ہے کہ اس زکوٰۃ کی دونوں حیثیتوں کو مان لیا جائے

حق مالی ہونا بھی اور عبادت ہونا بھی ۔ اگر یتیم کا یا بچے کا متولی اس کے مال میں تجارت کرے تو پھر اس میں زکوٰۃ واجب ہونی چاہیئے کیونکہ اس وقت اس میں کسب آجائے گا اور مکسوب میں زکوٰۃ فرض ہے جیسا کہ آیت باب زکوٰۃ میں ہے انفقوا من طیبت ما کسبتم اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو مگر یہ زکوٰۃ متولی خود ادا کرے کیونکہ خطاب کاسب کو ہے اور وہ متولی یا بچے کا باپ اگر کسب نہ کرے اس مال میں تجارت وغیرہ نہ کرے تو پھر زکوٰۃ کی ادائیگی کو فرض نہ قرار دیا جائے بلکہ تادیب قرار دی جائے تو احسن ہے کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو جب وہ سات سال کی عمر کو پہنچیں اور جب دس برس کے ہو جائیں تو پھر اگر وہ نماز نہ پڑھیں تو مار کر نماز پڑھاؤ تو جس طرح بچوں پر نماز فرض تو نہیں ہے لیکن عادت ڈالنے کے لیے انہیں سختی کے ساتھ نماز پڑھانے کا حکم ہے تو اسی طرح اس صورت میں زکوٰۃ ان پر فرض تو نہیں ہے لیکن عادت ڈالنے کے لیے انہیں زکوٰۃ کا حکم دینا چاہیئے

پس اس مذکورہ تطبیق سے ان احادیث کا تعارض بھی رفع ہو جاتا ہے اور باب زکوٰۃ میں نازل شدہ آیات کی یہ تشریح بھی بن جاتی ہے اور اس طرح کوئی حدیث متروک العمل نہیں رہتی ۔

قرض پر اسکی مقدار میں زکوٰۃ فرض نہیں

اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت رمضان ہے

حَیۡثُ عُثۡمَانَ رَضِیَ	حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اللّٰہُ عَنۡہُ حَیۡثُ	نے اپنے ایک خطبہ میں جو
قَالَ فِیۡ خُطۡبَتِہٖ	انہوں نے ماہِ رمضان میں
فِیۡ رَمَضَانَ اَلَا اِنَّ	دیا تھا یہ فرمایا کہ تمہارا زکوٰۃ کا
شَھۡرَ زَکَاتِکُمۡ قَدۡ	مہینہ آچکا ہے جس کا مال
حَضَرَ فَمَنۡ کَانَ	ہو اور اس پر قرض بھی ہو
لَہٗ مَالٌ وَعَلَیۡہِ	تو وہ اپنے مال اور قرض کا
دَیۡنٌ فَلۡیَحۡتَسِبۡ مَالَہٗ	حساب کرے پھر اپنے
بِمَا عَلَیۡہِ ثُمَّ	باقی مال کی زکوٰۃ ادا کرے
لِیُزَکِّ بِقِیَّۃَ مَالِہٖ	

(مبسوط)

تشریح

یہ مذکورہ بالا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خطبہ ہے اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مقروض ہے تو قرض کی مقدار پہ زکوٰۃ واجب نہیں اور باقی مال اگر نصاب کو پہنچتا ہو تو اس میں زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں اور دوسری بات یہ معلوم

ہوئی ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت ماہِ رمضان ہے اور یہ دونوں باتیں آپ نے صحابہؓ کی موجودگی میں فرمائی ہیں اور صحابہؓ میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تو معلوم ہو گیا کہ یہ دونوں باتیں صحابہ کی اجماعی ہیں اور ادائیگی زکوٰۃ کے لیے ماہِ رمضان مبارک اس لیے رکھا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت ہجری دو ماہ شعبان میں ہوئی ہے اور بعد میں چونکہ رمضان ہی پڑتا ہے اور اس میں ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے اس لیے ماہِ رمضان کو مقرر کیا گیا ہے اور مکی سورتوں میں جو نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے اس سے مراد اجمالی ہے تفصیل مدینہ میں اتری ہے پس یہ حضرت عثمان کا خطبہ بھی آیات زکوٰۃ کی تشریح ہے کیونکہ آیات زکوٰۃ میں فرض پر زکوٰۃ کا ذکر نہیں اور وقت کا بھی ذکر نہیں تو حضرت عثمان نے اس کی تفصیل بیان فرما دی

زمین کی پیداوار میں عشر وغیرہ کا بیان:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا	اے ایمان والو اپنی پاکیزہ
اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ	کمائی میں سے خرچ کرو اور
مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّا	اس میں سے بھی جو ہم نے
اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ	تمہارے لیے زمین سے
الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا	نکالا ہے اور ردی مال
الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ	خرچ کرنے کا ارادہ مت
وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ	کرو جسے تم خود چشم پوشی

اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ	کے سوا لینے والے نہیں
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ	ہو اور جان لو کہ اللہ غنی
غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○	تعریف کیا ہوا ہے۔

(سورۃ بقرہ آیت ۲۶۷)

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ	اور جس دن اسے کاٹو
حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ	اس کا حق ادا کرو اور
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ	بے جا خرچ نہ کرو بیشک
الْمُسْرِفِيْنَ ○	وہ بے جا خرچ کرنیوالوں

(سورۃ الانعام آیت ۱۴۱) کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر

یہاں دو آیات دی گئی ہیں۔ ایک سورۃ بقرہ کی آیت ہے اور دوسری سورۃ انعام کی ایک لمبی آیت کا ایک حصہ ہے۔

بقرہ والی آیت میں چار چیزوں کا بیان ہے ایک تو یہ ہے کہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو اور اس سے مراد زکوٰۃ ہے اور اس کی پوری تفصیل پہلے مذکور ہو چکی ہے اور دوسری چیز زمین کی پیداوار میں سے خرچ کرنا ہے اور تیسری چیز ناقص اور گھٹیا مال خرچ کرنے کی ممانعت ہے اور چوتھی چیز یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ اللہ غنی ہے، تعریف کیا ہوا ہے اگر اس کا حکم مانو گے تو اور دیگا اس کے خزانوں میں کمی نہیں ہے۔

اور سورۃ انعام کی آیت سورۃ بقرہ کے اس جملہ وما اخرجنا

لکم من الارض کی تشریح ہے کیونکہ اس میں اتنا فرمایا ہے کہ جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے اس میں سے خرچ کرو مگر اس میں وقت نہیں بتایا کہ کس وقت خرچ کرو۔

سورۃ انعام والی آیت نے یہ بتا دیا کہ یہ خرچ کرتے وقت کھیتی کاٹنے کا دن ہے اور نیز ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اس خرچ کرنے کو تاوان نہ سمجھنا بلکہ یہ اس اللہ کا مالکانہ حق ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ دولت کو بے جا خرچ کر کے اس کا حق نہ ضائع نہ کرنا ورنہ اس کے محبوبوں کی فہرست سے نکل جاؤ گے بہر حال زمین کی پیداوار کے سلسلہ میں یہ آیات مجمل ہیں نصاب وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ اپنی مجمل آیات کی تشریح یا تو وہ خود اسی جگہ بیان فرماتے ہیں یا قرآن مجید کے کسی دوسرے حصہ میں بیان فرماتے ہیں اور یا پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک میں اس کی تشریح ڈالتے ہیں اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان فرماتے ہیں اور آپ کی بیان کردہ تفاسیر احادیث کے ذخیرہ کی شکل میں موجود ہے اور چنانچہ آپ نے ان آیات کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے وہ ہم نقل کرتے ہیں اور زمین سے پیدا ہونے والی دو چیزیں ہیں۔ ایک معدنیات اور دوسری اناج اور ہم پہلے معدنیات کی تفسیر عرض کریں گے اور پھر اناج کی۔

(واللہ الموفق والمعین)

کان سے پیدا ہونے والی

جامد پگھلائی جانیوالی چیزوں میں پانچواں حصّہ ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ وَالْبِيْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ اَلْخُمُسُ (متفق علیہ) قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الرِّكَازُ قَالَ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ الَّذِيْنَ خَلَقَهُمَا اللّٰهُ فِي الْاَرْضِ يَوْمَ خَلَقَهَا ○ وَلَمَّا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا يُوْجَدُ فِيْ

ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانور کا زخمی کرنا معاف ہے کنوئیں میں گر کر کوئی مر جائے تو معاف ہے اور کان میں گر کر کوئی مر جائے معاف ہے اور رکاز میں پانچواں حصّہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ رکاز کیا چیز ہے آپ نے فرمایا سونا چاندی جو اللہ نے اس دن پیدا کیے جب زمین پیدا کی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کے بارے میں عرض کیا گیا جو پرانی ویران

اَلْخَرِبِ الْعَادِيِّ	زمین میں پائی جائے تو
قَالَ فِيهِ وَفِي الرِّكَازِ	آپ نے فرمایا کہ اس میں اور
اَلْخُمُسُ (مبسوط)	رکاز میں پانچواں حصہ ہے
عَنْ رَبِيعَةَ ابْنِ	ربیعہ بن ابی عبدالرحمان نے
اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمَانِ	متعدد صحابہ سے روایت
عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ اَنَّ	کی ہے کہ جناب رسول اللہ
رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ	صلی اللہ علیہ وسلم نے
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ	بلال بن حارث مزنی کو قبلیہ
لِبِلَالِ ابْنِ الْحَارِثِ	کی کانیں بطور جاگیر دی
الْمُزَنِيِّ مَعَادِنَ الْقَبَلِيَّةِ	تھیں اور یہ فرع کی جانب
وَهِيَ مِنْ نَاحِيَةِ	ہے پس ان کانوں سے آج
الْفُرْعِ فَتِلْكَ الْمَعَادِنُ	تک صرف زکوٰۃ ہی لی جاتی
لَا تُؤْخَذُ مِنْهَا اِلَّا	ہے۔
الزَّكٰوةُ اِلَى الْيَوْمِ	

(ابوداؤد)

تشریح

یہاں تین احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ ایک ابوہریرہ والی دوسری مبسوط سے منقول ہے اس کے راوی کا علم نہیں ہو سکا اور تیسری ربیعہ والی ہے۔

ابوہریرہ والی حدیث میں چار چیزوں کا ذکر ہے۔ ایک جانور اگر

کسی کو مار کر زخمی کر دے تو معاف ہے اور دوسرا اگر کوئی کنوئیں میں گر کر مرجائے تو معاف ہے اور تیسرا کان میں کوئی گر کر مرجائے تو معاف ہے اور چوتھی چیز یہ ہے کہ رکاز میں پانچواں حصّہ ہے۔

اور مبسوط والی حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکاز کے معنی بیان فرمائے ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا کہ رکاز کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ رکاز اس سونے اور چاندی کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کرتے وقت اس کے اندر پیدا کئے ہیں پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ پرانی ویران زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو پھر اس کے اندر سے جو چیز نکلے اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے تو آپ نے فرمایا اس میں اور رکاز میں پانچواں حصّہ ہے۔

اور ربیعہ بن عبد الرحمان والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی کان میں زکوٰۃ ہے۔ پس ان دونوں قسم کی احادیث میں تعارض نظر آتا ہے مگر حضرت ربیعہ والی حدیث میں یہ جملہ (لا تؤخذ منها الا الزکوٰۃ الی الیوم) مجہول ہے یہ معلوم نہیں ہے کہ بلال بن حارث مزنی پر زکوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی یا کسی اور نے اور ہو سکتا ہے کہ یہ زکوٰۃ ساتھ معنے خمس کے ہو جیسا کہ لا زکوٰۃ فی الحجر میں زکوٰۃ بمعنے خمس ہے

اور ابو ہریرہ والی حدیث یا مبسوط والی میں تو بالکل واضح ہے کہ آپ نے معادن میں پانچواں حصّہ بیان فرمایا ہے اور صاحب مظاہر حق نے جواب لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حکام نے اپنے اجتہاد سے بلال بن حارث مزنی پر زکوٰۃ رکھی ہو اور وجہ اس کی یہ ہے

کہ قبلیہ کی کانیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن مزنی کو دی تھیں۔ حضرت بلال ان پہ پورا کنٹرول نہیں کر سکتے تھے اور ان سے پورا استفادہ نہیں کر سکتے تھے اس لیے حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ان کانوں کو لے کر اور لوگوں میں تقسیم کیا اور باقی حصہ زمین ان کے پاس رہنے دیا۔ قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

حَدَّثَنِیْ بَعْضُ اَشْیَاخِنَا مِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ قَالَ اَقْطَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِلَالَ بْنَ حَارِثِ الْمُزَنِیْ مَا بَیْنَ الْبَحْرِ وَالصَّخْرِ فَلَمَّا کَانَ زَمَنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَہٗ اِنَّکَ لَا تَسْتَطِیْعُ اَنْ تَعْمَلَ ھٰذَا فَطَیَّبَ لَہٗ اَنْ یَقْطَعَھَا مَا خَلَا الْمَعَادِنَ فَاِنَّہٗ اِسْتَثْنَاھَا

میرے اہل مدینہ شیوخ میں سے ایک شیخ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنی کو سمندر اور خشکی کے درمیان وادی کو بطور عطیہ کے دے دیا تھا لیکن جب عمر بن خطاب کا زمانہ آیا تو انہوں نے اسے کہا کہ تم میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اتنے بڑے علاقہ کو کام میں لاسکو پس عمر نے یہ پسند کیا کہ معادن (قبلیہ) کو ان کے ہاتھ سے نکال کر باقی حصہ زمین کو ان کے پاس بطور عطیہ باقی رہنے دیں۔

(منقول از اسلام کا اقتصادی نظام مؤلفہ مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی)

تشریح

اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال کمزور تھے۔ ان کانوں سے وہ استفادہ کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے کیونکہ کانوں سے فائدہ اٹھانا ہر ایک کا بس نہیں ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ کسی حاکم نے ان کی کمزوری دیکھ کر ان پر زکوٰۃ رکھ دی ہو بہرحال ایسی حدیث کو صحیحین کی حدیث کے مقابلے میں ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

لہٰذا ابوہریرہ والی حدیث اور صاحب مبسوط والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معدنیات میں خمس ہے کیونکہ جب آپ سے پرانی غیر آباد زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ ان میں اور رکاز میں خمس ہے اس میں آپ نے رکاز کا عطف عما یوجد پر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رکاز سے مراد بھی معدن ہی ہے اصل میں یہاں دو چیزیں ہیں کنز، رکاز کنز سونا چاندی کے اس دفینہ کو کہتے ہیں جو انسان خود زمین میں دفنا دے اور رکاز اس کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالےٰ نے زمین میں پیدا فرمایا ہے اس کو معدن بھی کہتے ہیں اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ غیر آباد زمین سے جو بھی پیدا ہو یہ عام ہے خواہ سونا چاندی ہو یا لوہا، قلعی پیتل وغیرہ پگھلانے والی چیزیں ہوں سب کو شامل ہے ان سب میں آپ نے فرمایا ہے کہ خمس ہے اور اگرچہ عما یوجد کا جملہ نمک، پانی، آگ، مٹی کا تیل، کوئلہ، جواہرات یاقوت پتھر کو بھی شامل ہے مگر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر فرامین میں انکی

استثنا موجود ہے جن کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب عرض کریں گے یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی مائع چیزوں میں خمس ہے مگر یہ عبارت مجمل ہے یہاں کافی تفصیل کی ضرورت ہے سب سے پہلی چیز کہ اس مال میں خمس کیوں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ زمین کافروں کے قبضہ میں تھی پھر یہ زمین مسلمانوں نے ان سے جنگ لڑ کر حاصل کی تھی اور جو علاقے جنگ سے فتح کئے تھے وہ مال غنیمت میں شامل ہیں اور مالِ غنیمت میں خمس ہے لہٰذا اس زمین کی معدنیات کے اندر بھی خمس ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا	جان لو کہ جو بھی تم نے غنیمت
غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ	حاصل کی ہے تو بے شک
فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ	اللہ کے لیے اس کا پانچواں
وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی	حصّہ ہے اور رسول کے
الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی	لیے اس کے اقربا کے
وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ	لیے اور یتیموں محتاجوں اور
السَّبِیْلِ (سورۃ انفال آیت ۴۱)	مسافروں کے لیے۔

تفسیر

اور جب مالِ غنیمت میں پانچ حصّے کئے جاتے ہیں چار مجاہدین میں تقسیم کئے جاتے ہیں اور پانچواں حصّہ اس آیت میں مذکورین میں تقسیم ہوتا ہے اس کی تفصیل عنقریب آئے گی اسی طرح معدنیات

میں سے نکلنے والے مال کے پانچ حصے کئے جائیں چار حصے تو اس شخص کے ہوں گے جس نے کان سے مال نکالا ہے اور باقی پانچواں حصہ گورنمنٹ وصول کر کے اس آیت میں مذکور مستحقین میں تقسیم کریگی اور نیز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا فرمایا ہے کہ معدن میں خمس ہے جگہ کی تفصیل نہیں بیان فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین عام ہے خواہ اس کی ملکیت ہو یا اس کا گھر ہو وہ زمین عشری ہو یا خراجی ہو اس سے جو بھی خزانہ نکلے اس میں خمس ہے جو گورنمنٹ کو دینا ہے باقی چار حصے اس کے ہیں جس کی زمین یا گھر سے وہ خزانہ نکلا ہے۔

اور یہ بھی عام ہے کہ جسے وہ خزانہ ملا ہے وہ آزاد ہو یا غلام مسلمان ہو یا ذمی، لڑکا ہو یا بالغ، عورت ہو یا مرد اور اس پر سال وغیرہ گزرنے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مطلق چھوڑا ہے اس کی وضاحت نہیں بیان فرمائی لہٰذا ان مذکورین میں سے جسے بھی ایسا خزانہ ملے وہ اس کا مالک ہے صرف پانچواں حصہ اس سے دینا ہے اور جامد نہ پگھلنے والی اور جو چیز جمتی ہی نہیں ان میں کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لا زکوٰۃ فی الحجر پتھر میں زکوٰۃ نہیں ہے اور ظاہر بات ہے کہ اس سے مراد تجارت کا پتھر نہیں ہے کیونکہ تجارت کے لیے جو چیز ہوتی ہے اس میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے تو پھر اس سے مراد معدن ہی ہو سکتی ہے جیسا کہ لؤلؤ عنبر یاقوت، زمرد، فیروزہ، پارہ وغیرہ یہ سب پتھر ہیں اس میں بھی کوئی چیز واجب نہیں ہے کیونکہ اصل اس کا پانی ہے

اور شرعاً سب لوگ اس میں شریک ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے الناس شرکاء فی ثلث فی الماء والکلاء والنار کہ لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں، پانی گھاس اور آگ پس ان میں خمس نہیں ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ زکوٰۃ، خمس اور عشر وغیرہ تو اس چیز میں واجب ہوتے ہیں جو کسی کی ذاتی ملکیت ہو اور یہ تین چیزیں کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں اس لیے ان میں کچھ واجب نہیں (ملخص از مبسوط)

پس اس باب میں جتنی احادیث ذکر کی گئی ہیں یہ سب قرآن مجید کی اس آیت ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث کی تفسیر ہیں کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو چیز ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہے اس میں سے خرچ کرو یہ نہیں بتایا کتنا اور کن اشیاء میں سے خرچ کرو اور کن اشیاء میں سے خرچ نہیں کرنا اور ساتھ اتنا فرمایا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل بیان فرما دی ہے اور آپ نے جن چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی فلاں فلاں چیزوں میں خمس ہے وہ جامد پگھلائی جانے والی چیزیں ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ ایسی چیزوں میں خمس ہے اور آپ نے تاقیامت پیدا ہونے والی ایسی مائع چیزوں کے بارے میں قاعدہ کلیہ بیان فرما دیا ہے اور جن میں خمس کی نفی فرمائی ہے وہ دو قسم کی ہیں یا تو وہ جامد ہیں یہ پگھلائی نہیں جاسکتی جیسا کہ پتھر یاقوت زمرد وغیرہ یا وہ غیر منجمد

ہیں جیسا کہ پانی، آگ، گھاس ۔ بہرحال جن چیزوں میں خمس ہے ان میں عمدگی ہے اس لیے خمس رکھا گیا ہے اور جن چیزوں میں خمس نہیں رکھا ان میں اس درجہ کی عمدگی نہیں ہے اس لیے ان میں خمس بھی نہیں ہے اور اس خمس کے سلسلہ میں جو فروعی اختلافات ہیں وہ پوری بسط کے ساتھ کتب فقہ میں مذکور ہیں یہاں ان کے اندراج کی گنجائش نہیں جو دیکھنا چاہے وہاں دیکھ لے یہاں ہم اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ واللہ الموفق والمعین۔

پھل اور غلّے میں سے دسواں حصّہ دینا ہے

عَنْ سَالِمِ ابْنِ	سالم بن عبد اللہ نے اپنے
عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ	باپ سے روایت کی ہے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم نے فرمایا جس زمین
فِیْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ	کو آسمان، نہریں، چشمے
وَالْاَنْھَارُ وَالْعُیُوْنُ	پانی پلائیں یا اونچی زمین ہو تو
اَوْکَانَ بَعْلًا اَلْعُشْرُ	اس میں دسواں حصّہ ہے
وَ فِیْمَا سُقِیَ	اور جس کو اونٹ سے یا
بِالسَّوَانِیْ اَوِ النَّضْحِ	چھڑک کر پانی پلایا جائے تو
نِصْفُ الْعُشْرِ ۔	اس میں دسویں کا نصف
(ابو داود)	ہے۔

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْمَا سَقَتِ الْاَنْهَارُ وَالْعُيُوْنُ الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِيْ فَفِيْهِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس زمین کو نہریں اور چشمے پانی پلائیں تو اس میں دسواں حصہ ہے اور جس کو اونٹ سے پانی پلایا جائے تو اس میں دسویں کا نصف ہے

(ابوداود)

وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ فَفِيْهِ الْعُشْرُ۔

اور نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ زمین جو بھی نکالے اس میں عشر ہے۔

(ہدایہ)

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ

ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ وسق سے کم میں کھجوریں صدقہ نہیں ہے۔

(متفق علیہ)

تشریح

یہاں چار احادیث نقل کی گئی ہیں ۔ سالم والی، جابر والی، صاحب ہدایہ والی اور ابوسعید خدری والی ۔

پہلی تینوں احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والے ہر قسم کے غلے اور پھل میں سے حصہ نکالنا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ اگر اس زمین کو بارانی، نہری یا چشموں کا پانی لگتا ہو یا کوئی ایسی زمین ہو کہ جس کو پانی نہ لگتا ہو صرف شبنم پر ہی اکتفا کرتی ہو تو اس میں سے دسواں حصہ دینا ہے اور جس زمین کو کسی جانور کے ذریعہ یا چھڑک کر پانی پلایا جاتا ہو تو اس میں سے بیسواں حصہ دینا ہے پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے ۔

ابوسعید خدری والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے اور چاندی کی طرح غلے اور پھلوں میں بھی نصاب ہے اور وہ پانچ وسق ہے اس سے کم میں صدقہ واجب نہیں ہے پس ان دونوں قسم کی احادیث میں تعارض پیدا ہو گیا ہے امام شافعی اور صاحبین نے تو ابوسعید خدری والی حدیث کو اختیار کیا ہے اور وہ اس کے قائل ہیں کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ واجب نہیں ہے مگر اس سے سالم، جابر اور صاحب ہدایہ والی حدیثوں پر عمل رہ جاتا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان لغو ہو جاتا ہے ۔ اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں میں تطبیق یہ بیان فرمائی ہے کہ پانچ وسق والی حدیث سے مراد تجارت ہے کیونکہ اس زمانہ میں لوگ وسق سے

ہی غلے کا کاروبار کرتے تھے اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور صاع آٹھ رطل کا اور رطل آدھ سیر کا ہوتا ہے۔ دہلی کے حساب کے مطابق اور پانچ وسق اس حساب کے مطابق تیس من کی ہوئی پس تیس من کھجوروں میں دسواں حصہ ہے یعنی تین من دینا واجب ہوتا ہے اور تمام احادیث کو تطبیق دینے کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ غلّے اور پھلوں کا نصاب مقرر نہیں ہے تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں عشر ہے۔ غلّے یا پھلوں کا کاروبار کرنے والے وسقوں کے حساب سے دینا چاہیں تو دسویں وسق دیں گے اور اگر منوں کے حساب سے دینا چاہیں تو دسواں من دیں گے اور اگر صاع کے حساب سے دیں تو دسویں صاع دینا ہوگی اور اگر سیروں کے حساب سے دیں تو دسواں سیر دینا ہوگا وغیرہ ذالک

زمین سے پیدا ہونے والا پھل یا غلہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں سے دسواں حصہ دینا واجب ہے اور ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس میں سال گزرنا بھی شرط نہیں ہے اور مالک سے امیر و غریب یا بالغ و نابالغ ہونے کا بھی کوئی فرق نہیں ہے اور اسی طرح عاقل، مجنون غلام حُر مقروض ہونے کا بھی کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ حق مال ہے ہر ایک نے ادا کرنا ہے اور اس کے مصارف بھی وہی ہیں جو مصارف زکوٰۃ ہیں جس کی تفصیل پہلے گزر گئی ہے اور زمین عشری اور خراجی کی تفصیلی بحث جہاد میں آئے گی۔

بہرحال اس باب میں جو احادیث آئی ہیں یہ بھی اس (ممّا اخرجنا لکم من الارض) آیت کی تشریح ہیں کیونکہ یہ آیت مجمل ہے اس میں تو اتنا فرمایا ہے کہ جو ہم نے تمہارے لیئے زمین سے نکالا

ہے اس میں سے خرچ کرو تفصیل نہیں ہے اور زمین سے پیدا ہونے والی کئی چیزیں ہیں سونا چاندی وغیرہ بھی ہے اور اس کی تفصیل پہلے بیان ہو گئی ہے۔ غلہ اور پھل بھی ہیں اس کی تفصیل اس باب میں بیان فرمائی ہے اور اب یہاں ذہن میں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والے سونا چاندی، لوہا پیتل کی کانوں میں پانچواں حصہ رکھا ہے اور غلے اور پھل میں دسواں یا بیسواں اور اسی طرح وہ چار حصے سونا یا چاندی یا ان کے بنائے ہوئے درہم دنانیر ہوں یا سامان تجارت ہو اور ان پر سال گزر جائے تو ان پہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے اس کی کیا وجہ ہے تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا حقیقی مالک ہے اور یہ خمس، عشر، زکوٰۃ وغیرہ جو ہے یہ اس کا مالکانہ حق ہے اور اللہ نے اپنا یہ حق غریب کو دیا ہے اور اس سلسلہ میں جو اسلامی حکومت ہوگی وہ اس کی وصولی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی نائب ہوگی اور اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ حق اغنیاء سے وصول کر کے فقراء تک پہنچانا ہے اور اللہ تعالیٰ (جو حقیقی مالک ہے) نے اغنیاء کی محنت کا لحاظ رکھا ہے جس کی محنت زیادہ ہے اور پیداوار کم ہے اس پہ اپنا مالکانہ حق کم رکھا ہے۔ اور جس کی محنت تھوڑی ہے اور پیداوار زیادہ ہے اس پہ اپنا مالکانہ حق زیادہ رکھا ہے۔

مثال کے طور پر سونا چاندی کی کانوں میں پانچواں حصہ ہے کیونکہ یہاں پیداوار زیادہ ہے اور آدمی کی محنت کم ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس میں انسان کی محنت کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اس کی پیداوار کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور فرمایا ہے

مما اخرجنا لکم من الارض ۔ ہم نے تمہارے لیے جو زمین سے نکالا ہے اس میں سے خرچ کرو ۔ یہاں اخرجنا کا لفظ بولا ہے اس میں یہ بتا دیا ہے کہ زمین سے سونا چاندی پیدا کرنا یہ انسان کا کام نہیں اور غلّے اور پھلوں کا بھی یہ ہی حال ہے کہ انکا اخراج بھی اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے ۔ یہاں اگرچہ انسان کی کچھ تھوڑی سی محنت تو ہے زمین ہموار کرنی ہے لیکن زمین سے غلے اور پھلوں کا اخراج یہ انسان کا کام نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے ۔ پیداوار بھی زیادہ ہے سال میں دو تین مرتبہ فصل اُگ جاتی ہے اس لیے یہاں اللہ تعالےٰ نے اپنا مالکانہ حق دسواں یا بیسواں حصہ رکھا ہے اور جس نصاب میں زکوٰۃ رکھی ہے وہاں انسان کی محنت زیادہ ہے اس لیے وہاں اللہ تعالیٰ نے نسبت ہی انسان کی طرف فرمائی ہے کہ انفقوا من طیبت ما کسبتم خرچ کرو اس پاکیزہ مال سے جو تم نے کمایا ہے ۔

صدقہ فطر کا بیان اور اسکا وقت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ	ابن عمر سے روایت ہے
فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکٰوۃَ	نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور
الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ	اور یا ایک صاع جو مقرر فرمایا
تَمْرٍ اَوْ صَاعًا	ہے غلام پر آزاد پر آدمی پر اور

مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَبِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ ۔

(متفق علیہ)

عورت پر چھوٹے پر اور بڑے پر مسلمانوں میں سے اور حکم دیا ہے کہ لوگوں کے نماز کی طرف نکلنے سے پہلے یہ ادا کیا جائے ۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نُخْرِجُ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ اَقِطٍ اَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيْبٍ ۔

(متفق علیہ)

ابو سعید خدری سے روایت ہے فرمایا کہ ہم فطر کی زکوٰۃ غلے میں سے ایک صاع یا جو میں سے ایک صاع یا کھجور میں ایک صاع یا پنیر میں سے ایک صاع یا خشک انگور سے ایک صاع نکالتے تھے ۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِيْ اٰخِرِ رَمَضَانَ اَخْرِجُوْا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ فَرَضَ

ابن عباس سے روایت ہے آپ نے رمضان کے آخر میں فرمایا کہ اپنے روزے کا صدقہ نکالو رسول اللہ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ	صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذِہٖ	صدقہ فرض کیا ہے
الصَّدَقَۃَ صَاعًا مِنْ	ایک صاع کھجور یا جَو یا
تَمْرٍ اَوْ شَعِیْرٍ اَوْ	نصف صاع گندم
نِصْفَ صَاعٍ مِنْ	ہر آزاد غلام مرد عورت
قَمْحٍ عَلٰی کُلِّ حُرٍّ	چھوٹے اور بڑے
اَوْ مَمْلُوْکٍ ذَکَرٍ	پر۔
اَوْ اُنْثٰی صَغِیْرٍ اَوْ	
کَبِیْرٍ۔ (ابوداؤد)	
وَ عَنْہُ قَالَ فَرَضَ	اور انہی سے روایت ہے
رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ	کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکٰوۃَ	علیہ وسلم نے فطر کی زکوٰۃ
الْفِطْرِ طُھْرَ الصِّیَامِ	روزے کو بے ہودہ اور
مِنَ اللَّغْوِ وَ الرَّفَثِ	بری باتوں کے گناہ سے
وَ طُعْمَۃً لِلْمَسَاکِیْنَ۔	پاک کرنے کے لیے اور
(ابوداؤد)	مسکینوں کے کھانے کے
	لیے مقرر فرمایا ہے۔
لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ	بوجہ فرمان نبی علیہ السلام
لَا صَدَقَۃَ اِلَّا عَنْ	کے کہ صدقہ صرف غنی کی
ظَھْرِ غِنًی	پیٹھ کے پیچھے ہے۔
(ھدایہ)	

تشریح

یہاں پانچ احادیث نقل کی گئی ہیں پہلی حضرت عمر والی اور دوسری ابی سعید خدری والی اور دو ابن عباس سے مروی ہیں اور پانچویں صاحب ہدایہ سے منقول ہے اور یہ احادیث بھی قرآن کریم کی اس آیت (ومما اخرجنا لکم من الارض) کی تشریح ہیں کیونکہ باب زکوٰۃ میں جو آیات مذکور ہیں ان میں یہ فرمایا ہے کہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو اور اس سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے اور ان آیتوں میں یہ بھی ہے کہ رسول کی اطاعت کرو۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں صدقہ فطر کی تفصیل بیان فرما دی ہے آپ کے فرامین کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح زمین کی پیداوار میں سے پانچواں، دسواں یا بیسواں حصہ دینا ہوتا ہے اسی طرح صدقہ فطر بھی دینا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مالکانہ حق ہے۔

اور ابن عمر والی حدیث میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ زمین کی پیداوار میں سے کھجوریں یا جو ہوں تو ان میں سے صاع دینا ہے اور صاع کی تفصیل پہلے بحث عشر میں بیان ہو چکی ہے اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ صدقہ فطر مسلمانوں کے ہر چھوٹے بڑے مرد عورت اور آزاد اور غلام پر فرض ہے اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ یہ صدقہ فطر نماز عید کے لیے جانے سے پہلے پہلے ادا کرنا ہے اور ابوسعید خدری والی حدیث میں دو چیزوں کا

اضافہ ہے کہ یہ صدقہ فطر ایک صاع پنیر اور خشک انگور سے بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور ابن عباس سے مروی پہلی حدیث میں نصف صاع گندم کا اضافہ ہے یعنی صدقہ فطر میں گندم دینا ہو تو نصف دینا ہے اور ابن عباس سے مروی دوسری حدیث میں صدقہ فطر کی دو فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ روزے کی حالت میں انسان کے منہ سے جو غلط باتیں نکل جاتی ہیں ان کی معافی ہو جاتی ہے اور روزہ پاک ہو جاتا ہے اور دوسری فضیلت یہ بیان فرمائی کہ اسی سے مسکین کو غذا مل جائے گی اور صاحب ہدایہ والی حدیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ صدقہ فطر غنی پر واجب ہے غریب پر نہیں ہے

حکومت نظام زکوٰۃ قائم کر سکتی ہے اور رعایا انہیں زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کر سکتی

اگرچہ حکام ظالم کیوں نہ ہوں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ	ابن عباس سے مروی ہے
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى	کہ جناب رسول اللہ صلی
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	اللہ علیہ وسلم نے حضرت
بَعَثَ مُعَاذًا اِلَى	معاذ کو جب یمن کی طرف
الْيَمَنِ فَقَالَ	بھیجا تو فرمایا کہ تم اہل
اِنَّكَ تَاْتِیْ قَوْمًا	کتاب قوم کی طرف جا

اَهْلَ كِتَابٍ فَادْعُهُمْ رہے ہو پہلے انہیں اس
اِلٰى شَهَادَةِ اَنْ شہادت کی دعوت دو کہ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ اللہ کے سوا کوئی معبود
مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہیں اور محمد اللہ کا رسول
فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا ہے پھر اگر وہ اسکی اطاعت
لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ کریں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ
اَنَّ اللّٰهَ قَدْ نے دن اور رات میں ان
فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں
صَلَوٰتٍ فِى الْيَوْمِ اگر وہ اسکی اطاعت
وَاللَّيْلَةِ فَاِنْ کریں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ
هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ تعالیٰ نے ان پر صدقہ
فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ (زکوٰۃ) فرض کیا ہے جو ان
قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ کے غنیوں سے لے کر انہیں
صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ کے فقیروں پر واپس کیا
اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ جائیگا اور اگر وہ اسکی اطاعت
عَلٰى فُقَرَائِهِمْ فَاِنْ کریں تو ان کے عمدہ مال
هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ لینے سے بچنا اور مظلوم
فَاِيَّاكَ وَكَرَائِمَ کی بد دعا سے بھی بچنا کیونکہ
اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ کیوں کہ ان کے درمیان
الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ اور اللہ کے درمیان کوئی
بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حجاب نہیں ہے۔

حدیث ب (متفق علیہ)

عَنْ سَهْلِ ابْنِ — سہل بن ابی صالح نے
أَبِيْ صَالِحٍ عَنْ أَبِيْهِ — اپنے باپ سے روایت
اجْتَمَعَ نَفَقَةٌ عِنْدِيْ — کی ہے کہ میرے پاس
يَعْنِيْ بَلَغَتْ نِصَابَ — زکوٰۃ جمع ہوگئی یعنی نصاب
الزَّكٰوةِ فَسَأَلْتُ — زکوٰۃ پورا ہوگیا تو میں نے
سَعْدَ ابْنَ أَبِيْ — سعد بن ابی وقاص ابی ہریرہ
وَقَّاصٍ وَّأَبَا هُرَيْرَةَ — اور ابن سعید خدری سے
وَأَبَا سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيَّ — پوچھ کر میں اسے تقسیم کروں
أَنْ أَقْسِمَهَا أَوْ أَدْفَعَهَا — یا بادشاہ کو دے دوں
إِلَى السُّلْطَانِ فَقَالُوْا — تو انہوں نے کہا کہ بادشاہ
ادْفَعْهَا إِلَى السُّلْطَانِ — کو دے دے ان میں
مَا اخْتَلَفَ عَلَيَّ — سے کسی نے اختلاف مجھ
مِنْهُمْ أَحَدٌ وَفِيْ — سے نہ کیا اور ایک روایت
رِوَايَةٍ قُلْتُ لَهُمْ — میں ہے کہ میں نے ان
هٰذَا السُّلْطَانُ يَفْعَلُ — سے کہا یہ بادشاہ تم دیکھتے
مَا تَرَوْنَ فَأَدْفَعُ — ہو جو کرتا ہے۔ میں اس
إِلَيْهِ زَكٰوتِيْ فَقَالُوْا — کو اپنی زکوٰۃ دے دوں؟
نَعَمْ (اعلاء السنن بحوالہ سعید بن منصور) — انہوں نے کہا ہاں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ — ابن عمر سے روایت ہے
قَالَ ادْفَعُوْهَا إِلَيْهِمْ — انہوں نے فرمایا کہ زکوٰۃ ان کو

وَاِنْ شَرِبُوا الْخُمُوْرَ (اعلاء السنن بحوالہ بیہقی)

دے دو اگرچہ وہ شراب پئیں۔

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَأْتِيْكُمْ رُكَيْبٌ مُبْغَضُوْنَ فَاِنْ جَاءُوْكُمْ فَرَحِّبُوْا بِهِمْ وَخَلُّوْا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَبْتَغُوْنَ فَاِنْ عَدَلُوْا فَلِاَنْفُسِهِمْ وَاِنْ ظَلَمُوْا فَعَلَيْهِمْ وَاَرْضُوْهُمْ فَاِنَّ تَمَامَ زَكَاتِكُمْ رِضَاهُمْ وَلْيَدْعُوْا لَكُمْ (ابوداود)

جابر بن عتیک سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تمہارے پاس ایسے قافلے آئیں گے جو بغض کیے ہوئے ہونگے اگر وہ آئیں تو انہیں خوش آمدید کہو اور ان کی خواہش کے مابین رکاوٹ ہٹا دو۔ اگر وہ انصاف کریں گے تو ان کے نفسوں کے لیے ہے اور اگر وہ زیادتی کریں گے تو وبال ان پر ہوگا تم انکو راضی کرو کیونکہ تمہاری زکوٰۃ ان کی رضا سے پوری ہوگی اور انہیں چاہیئے کہ تمہارے لیے دُعا کریں۔

عَنْ جَرِيْرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ نَاسٌ يَعْنِىْ مِنَ

جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ کچھ عرب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

الْاَعْرَابِ اِلٰی رَسُوْلِ	
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	
فَقَالُوْا اِنَّ نَاسًا	کے پاس
مِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ یَاْتُوْنَا	آئے اور انہوں نے کہا کہ صدقہ
فَیَظْلِمُوْنَنَا فَقَالَ	وصول کرنے والے کچھ لوگ
اَرْضُوْا مُصَدِّقِیْکُمْ	ہمارے پاس آتے ہیں اور
قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ	ہم سے زیادتی کرتے ہیں تو
وَاِنْ ظَلَمُوْنَا	آپ نے فرمایا کہ ان صدقہ
قَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِیْکُمْ	وصول کرنے والوں کو راضی
وَاِنْ ظُلِمْتُمْ	رکھو تو انہوں نے کہا کہ یا رسول
(ابوداود)	اللہ اگرچہ ہم پر وہ زیادتی کریں
	فرمایا اپنے صدقہ وصول کرنے
	والوں کو تم راضی رکھو اگرچہ تم
	پر زیادتی کی جائے۔

عَنْ بَشِیْرِ ابْنِ	بشیر بن خصاصیّۃ سے روایت
الْخَصَاصِیَّۃِ قَالَ	ہے اس نے کہا کہ ہم نے
قُلْنَا اِنَّ اَھْلَ الصَّدَقَۃِ	کہا کہ صدقہ والے ہم پر زیادتی
یَعْتَدُوْنَ عَلَیْنَا اَفَنَکْتُمُ	کرتے ہیں تو کیا ہم اپنے
مِنْ اَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَا	مالوں میں سے اتنی مقدار چھپا
یَعْتَدُوْنَ قَالَ لَا	لیں جتنی وہ زیادتی کرتے
(ابوداود)	ہیں تو آپ نے فرمایا کہ نہ۔

عَنْ رَافِعِ ابْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلٰى بَيْتِهِ	رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحیح زکوٰۃ لینے والا اللہ کے راستے میں غازی کی مانند ہے یہاں تک کہ اپنے گھر نہ لوٹے۔

(ابوداود)

تشریح

یہاں سات احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی ابن عباس والی ہے اس میں سات چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر بنایا اور دوسری چیز یہ ہے کہ آپ نے ان کی اوّلین ذمہ داری یہ لگائی کہ تم نے اہل یمن کو توحید و رسالت کی دعوت دینا ہے اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو پھر انہیں یہ بتانا ہے کہ رات دن میں ان پہ پانچ نمازیں فرض ہیں اور چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ اگر وہ یہ بھی قبول کر لیں تو پھر انہیں یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے غنیوں سے لے کر غریبوں میں بانٹ دی جائے گی اور پانچویں چیز یہ بیان فرمائی

کہ اگر وہ یہ بھی مان لیں تو پھر زکوٰۃ لینے میں ان سے عمدہ چیز نہیں لینا بلکہ درمیانی چیز لینی ہے تاکہ ان میں ظلم و زیادتی کا وہم نہ پیدا ہو اور چھٹی چیز یہ بیان فرمائی کہ مظلوم کی بد دُعا سے بچنا یعنی زکوٰۃ لینے میں کسی پر زیادتی نہ کرنا اگر ایسا کروگے تو وہ بد دعا دے گا اور ساتویں چیز اس کی علت کا بیان ہے کہ مظلوم کی بد دُعا میں اور اللہ تعالیٰ میں کوئی حجاب نہیں ہے یعنی اس کی قبولیت یقینی ہے اور ہمارا مقصد یہاں پہلی چیز سے متعلق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (جو سربراہِ مملکت تھے) نے زکوٰۃ وصول کرنے کا نظام قائم کیا تھا اور اس کی وصولی کے بڑے زرّیں اصول بھی بتادیئے تھے اور مظالم کا انسداد بھی فرمادیا تھا اور ان مظالم کے نقصانات اور خطرات سے بھی آگاہ فرما دیا تھا اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے تو ایسے مظالم کا صادر ہونا ممکن نہ تھا مگر چونکہ بعد میں آنے والوں سے اس کا امکان تھا اس لیے آپ نے اس کا سدِّباب فرمادیا اور اور نیز چونکہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا مالکانہ حق ہے اور وقتی حکومت اسلامیہ نے اسے وصول کرکے فقراء میں تقسیم کرنا ہے اور یہاں یہ احتمال تھا کہ کچھ لوگ حکامِ بالا کے فسق و فجور اور بعض زیادتیوں کو دیکھ کر اور انہیں بہانہ بناکر اللہ کا یہ مالکانہ حق روک لیتے تو حدیث نمبر دو تین اور چار میں اس کی بھی اجازت نہیں دی جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ حکامِ بالا کتنے ہی بڑے سنگین گناہ اور جرائم میں ملوث کیوں نہ ہوں جب وہ زکوٰۃ وصول کرنے کا کوئی نظام قائم کریں تو ان کے سامنے زکوٰۃ ادا کرنا ہے انکار بھی نہیں کرنا اور

مال چھپانا بھی نہیں۔

اور اگرچہ یہ آثار ہیں جو حضرت سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ، ابوسعید خدری اور ابن عمر سے مروی ہیں لیکن ظاہر بات ہے کہ ان اجلّہ صحابہؓ نے ذاتی طور پر تو یہ نہیں کہا ہوگا بلکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا تب ہی تو کہا ہوگا اور نیز یہ بھی احتمال ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا عملہ ظالم تو نہ ہو لیکن رعایا اپنے وہم وگمان میں انہیں ظالم تصور کرتی ہو اور پھر اس بنا پر وہ زکوٰۃ جو اللہ تعالےٰ کا حق مالکانہ ہے روک لے تو اس کے انسداد کے لیے حدیث نمبر پانچ چھ اور سات میں وضاحت بیان فرمادی ہے جو ترجمہ سے ظاہر ہے جس کا خلاصہ مقصد یہ ہے کہ آپ نے رعایا کو تعلیم دی ہے کہ جب زکوٰۃ وصول کرنے والے تمہارے پاس آئیں تو ان کو خوش آمدید کہو ان کو مال کا حساب کتاب لینے دو انصاف کریں گے تو فائدہ ان کا ہوگا ناانصافی کریں گے تو وبال ان پر پڑے گا۔ تم ان کو راضی کرنے کی کوشش کرو اور ان سے مال نہ چھپاؤ۔

حدیث نمبر آٹھ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اس کی حیثیت اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی ہے اس میں آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو تعلیم دی ہے کہ اگر کسی پر ظلم وزیادتی کرو گے تو اس سعادت سے محروم ہو جاؤ گے

بہرحال یہ احادیث بھی باب زکوٰۃ میں مذکورہ آیات کی تشریح ہیں کیونکہ ان آیات میں اتنا فرمایا ہے کہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ

کرو اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہے اور رسول کی اطاعت کرو اور ان آیات میں یہ تشریح نہیں ہے کہ زکوٰۃ کتنی دینا ہے کیسے دینا ہے رعایا از سر خود زکوٰۃ ادا کرے یا حکومت انتظام کرے زکوٰۃ وصول کرنے والا عملہ کیسا ہونا چاہیئے حکومت کیسی ہونی چاہیئے۔ اگر کوئی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو پھر کیا ضابطہ ہے وغیرہ ذالک۔ اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں پوری تفصیل بیان فرما دی ہے اور آپ نے ہر طرف سے پیدا ہونے والے ظلم کا دروازہ بند کیا حکام کی طرف سے بھی اور رعایا کی طرف سے بھی اور اس سے احادیث کی اہمیت بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ فہم قرآن کے لیے احادیث کا ہونا کتنا ضروری ہے اور اگر آپ ان مجمل آیات کی تشریح بیان نہ فرماتے تو یہ وضاحت کسی اور کی سمجھ میں تو نہیں آ سکتی تھی اور امت ان زریں اصولوں سے محروم رہتی پس آپ نے یہ وضاحت فرما کر امت پر یہ احسانِ عظیم فرمایا ہے۔

مصرف نہ۔ ۶

طاعات اور بھلائی کے کاموں میں حصہ لینا

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا	یہی نیک نہیں کہ تم اپنے
وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ	منہ مشرق اور مغرب کی
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ	طرف پھیرو بلکہ نیکی یہ ہے

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ	کہ جو اللہ اور قیامت کے
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	دن پر ایمان لائے اور
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ	اور فرشتوں اور کتابوں پر
وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى	نبیوں پر اور اس کی
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ	محبت میں رشتہ داروں
ذَوِي الْقُرْبٰى	اور یتیموں اور مسکینوں اور
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	مسافروں اور سوال کرنے
وَابْنَ السَّبِيْلِ	والوں کو اور گردنوں کے
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي	چھڑانے میں مال دے۔
الرِّقَابِ	

(سورہ البقرۃ نصف آیت ۱۷۷)

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى	اور رشتہ دار اور مسکین
حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ	اور مسافر کو اس کا حق دے
وَابْنَ السَّبِيْلِ	دو اور مال کو بے جا خرچ
وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ٥	نہ کرو بے شک بے جا
اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا	خرچ کرنے والے شیطانوں
اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط	کے بھائی ہیں اور شیطان
وَكَانَ الشَّيْطٰنُ	اپنے رب کا ناشکرا ہے
لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ٥ وَاِمَّا	اور اگر تجھے اپنے رب
تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ	کے فضل کے انتظار میں
ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ	کہ جس کی تجھے امید ہے

(ابتغاء رحمۃ من ربک) ترجوها فقل
لهم قولاً میسوراً ۝
ولا تجعل یدک
مغلولۃ الی عنقک
ولا تبسطها کل
البسط فتقعد ملوماً
محسوراً ۝ ان ربک
یبسط الرزق لمن
یشاء و یقدر انه
کان بعباده خبیراً
بصیراً ۝ (سورۃ بنی اسرائیل
آیت ۲۶ تا ۳۰)

منہ پھیرنا پڑے تو ان سے
نرم بات کہہ دو اور اپنا
ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ
بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے
کھول دے بالکل ہی کھول
دینا پھر تو پشیمان تہی دست
ہوکر بیٹھ رہے گا بے شک
تیرا رب جس کے لیے چاہے رزق
کشادہ کرتا ہے اور تنگ بھی
کرتا ہے بے شک وہ اپنے
بندوں کو جاننے والا دیکھنے
والا ہے۔

والذین اذا انفقوا
لم یسرفوا ولم
یقتروا وکان بین
ذالک قواما ۝
(سورۃ الفرقان آیت ۶۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے
ہیں تو فضول خرچی نہیں
کرتے اور نہ تنگی کرتے
ہیں اور انکا خرچ ان دونوں
کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے

و یسئلونک ماذا
ینفقون قل
العفو ط (سورہ بقرہ
کی آیت ۲۱۹ کا جملہ)

اور آپ سے پوچھتے ہیں
کہ کیا خرچ کریں فرما دیں
کہ جو زائد ہو۔

تفسیر

یہاں مختلف سورتوں کی آیات کو ترتیب دی گئی ہے پہلی تو سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۷ کا ایک حصہ ہے اس میں پہلے اہل کتاب کے ایک غلط نظریہ کی تردید ہے وہ یہ کہتے تھے کہ جب ہم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو ہماری نجات اور بخشش کے لیے یہ کافی ہے قرآن حکیم پر ہمارے لیے عمل کرنا ضروری نہیں ہے تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ صرف اس کا نام نیکی نہیں ہے کہ تم مشرق و مغرب کی طرف رُخ کر لو بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ آدمی اللہ کو آخرت کے دن کو فرشتوں کو اللہ کی تمام کتابوں کو اور انبیاءؑ کو ماننے اور اللہ کی محبت میں اپنے اقربا یتیم مساکین مسافر سوال کرنے والوں اور گردن آزاد کرانے میں مال خرچ کرے تب اس کی نجات ہو گی ورنہ نہیں ہو گی۔

سوال اور جواب

اب یہاں ذہن میں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمانیات کو رکھا ہے یعنی توحید، رسالت، قیامت، فرشتوں اور تمام منزل من اللہ کتابوں پر ایمان لانا اور اس کے بعد اقربا، یتامیٰ اور مساکین وغیرہ پر خرچ کرنے کی تعلیم دی ہے اس کی وجہ کیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ علامات ایمانیات میں سے ہے اگر کوئی شخص ان مدات اور مصارف میں خرچ کرتا ہے تو یہ اسکا خرچ کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ مومن ہے اور اسی لیے ان مدّات میں خرچ کرنے کو صدقہ کہتے ہیں کیونکہ صدقہ صدق سے بنا ہے

اور صدق سچائی کو کہتے ہیں تو ان مدّات میں خرچ کرنے سے انسان سچّا مومن بن جاتا ہے اس لیے اس کو صدقہ کہتے ہیں ۔ بہرحال سورۃ بقرہ کے اس حصّہ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان مدات میں خرچ کرنا نیکی ہے اور سورۃ بنی اسرائیل والی آیتوں میں سے پہلی آیت میں ایک ان مدّات میں خرچ کرنے کا حکم ہے اور دوسرا اسراف اور فضول خرچی سے منع فرمایا ہے اور صیغہ امر وجوب کے لیے آتا ہے ۔ پس معلوم ہوا کہ ان مدات اور مصارف میں خرچ کرنا بھی ضروری ہے اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ عنقریب بیان ہوگی ۔

فضول خرچی سے منع کرنے کی وجہ اگلی آیت میں بیان فرمائی ہے کہ فضول خرچ شیطان کا بھائی ہے اور شیطان اپنے رب کا ناشکرگزار ہے تو مقصد یہ ہوا کہ ان مدّات میں خرچ کرنے سے انسانوں میں اخوت اور محبّت پیدا ہوگی ۔ اتفاق و اتحاد ہوگا اور شیطان یہ پسند نہیں کرتا اس لیے وہ مال داروں سے فضول خرچی کرا کے غرباء کی حق تلفی کراتا ہے

سورۃ بنی اسرائیل کی تیسری آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اقربا، یتامیٰ، اور مساکین وغیرہ اگر اپنے حق کا تقاضا کریں اور امیر کے پاس اس وقت کچھ نہ ہو لیکن مال آنے کی امید ہو تو پھر بھی سختی سے انکار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ نرم بات کہہ کر واپس کر دینا چاہیئے اس سے وعدے کا پہلو نکلتا ہے ۔

اور یہاں سورۃ بنی اسرائیل کی چوتھی آیت میں دو چیزوں سے منع فرمایا ہے ایک یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ بندھا ہوا نہ رکھ یہ کنایہ ہے کنجوسی سے اور دوسری چیز یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو

بالکل کھلا ہوا مت چھوڑ یہ کنایہ ہے فضول خرچی سے اور آخر میں اس کا نقصان بیان فرمایا ہے کہ اگر ایسا کرو گے تو ندامت اٹھانی پڑے گی اور یہاں سورۃ بنی اسرائیل کی پانچویں آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے وقت یہ خیال نہ کرنا کہ غریب ہو جاؤں گا بلکہ رزق کی فراوانی اور تنگی اسی کے ہاتھ میں ہے اگر اس کی مرضی کے مطابق خرچ کرو گے تو وہ خدا تمہیں اور دے گا وہ دیکھتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے اور سورۃ فرقان والی آیت سورۃ بنی اسرائیل کی چوتھی آیت کی تشریح ہے کیونکہ اس آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا نہ رکھو اور بالکل کھلا ہوا بھی نہ چھوڑو اور سورۃ فرقان والی آیت میں اس کی وضاحت فرمادی ہے کہ خرچ کے سلسلہ میں اعتدال چاہیئے اور آخر میں سورۃ بقرہ کے جملہ میں مزید وضاحت فرمادی کہ اپنی حوائج اصلیہ سے زائد اور فاضل مال اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے اور حوائج اصلیہ کی تفصیل اس سے پہلے سات مصارف میں بیان ہو چکی ہے۔

غریب اقربا کو صدقہ دینے سے دہرا ثواب ملتا ہے

عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ	سلیمان بن عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا مسکین پر صدقہ کرنے سے صرف صدقے کا ثواب

وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ (احمد)

ملے گا اور قریبی رشتہ دار پر دگنا صدقہ کا بھی اور صلۂ رحمی کا بھی۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ ابو طَلْحَةَ اَكْثَرُ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالاً مِنْ نَخْلٍ وَكَانَ اَحَبُّ اَمْوَالِهِ اِلَيْهِ بَيْرَحَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ قَامَ اَبُوْ طَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

انس سے روایت ہے کہ ابوطلحہ انصار مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور کھجوروں کے باغ کی وجہ سے اور اس کا سب سے پسندیدہ مال بیرحاء نامی جائداد تھی اور تھی بھی مسجد کے سامنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جاتے تھے اور اس کا عمدہ پانی نوش فرماتے تھے انس نے فرمایا جب یہ آیت اتری کہ تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کرسکو گے جب تک کہ اپنا پسندیدہ مال خرچ نہ کرو تو ابوطلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوئے اور

وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى
يَقُوْلُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ
حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا
تُحِبُّوْنَ وَاِنَّ اَحَبَّ
مَالِىْ اِلَىَّ بَيْرَحَاءُ
وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ
تَعَالٰى اَرْجُوْ بِرَّهَا
وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ
فَضَعْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
حَيْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بَخْ بَخْ ذٰلِكَ
مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ
سَمِعْتُ مَا قُلْتَ
وَاِنِّىْ اَرٰى اَنْ
تَجْعَلَهَا فِى
الْاَقْرَبِيْنَ فَقَالَ اَبُوْ
طَلْحَةُ اَفْعَلُ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا

عرض کیا یا رسول اللہ اللہ
تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں
کہ تم ہرگز نیکی حاصل نہیں
کروگے یہاں تک اپنا محبوب
مال خرچ نہ کرو اور میرا
پسندیدہ مال بیرحاء ہے
اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا
کے لیے صدقہ ہے اور
مجھے امید ہے کہ اللہ کے
دربار میں یہ نیکی ہے اور
ذخیرہ ہے آپ اس کو
خرچ کریں جہاں اللہ نے
آپ کو بتایا ہے تو رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا واہ واہ یہ تو نفع والا
مال ہے اور یقیناً میں نے
سن لیا ہے جو تو نے
کہا ہے اور میں یہ مناسب
سمجھتا ہوں کہ تو اسے اپنے
رشتہ داروں میں تقسیم کرے
تو ابوطلحہ نے کہا یا رسول اللہ

ابُوْ طَلْحَۃُ فِیْ	ایسا ہی کرونگا تو پھر ابوطلحہ
اَقَارِبِہٖ وَبَنِیْ	نے وہ جائداد اپنے قریبی
عَمِّہٖ ۔	رشتہ داروں میں اور چچا کے
(متفق علیہ)	بیٹوں میں تقسیم کی ۔

تشریح

یہاں دو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں ایک سلیمان ابن عامر والی اور دوسری انس والی ۔ سلیمان بن عامر والی حدیث میں آپ کا فرمان ہے کہ قریبی رشتہ دار پر خرچ کرنے سے دگنا ثواب ہوتا ہے اور انس والی حدیث میں آپ کا عمل ہے کہ حضرت ابوطلحہ نے جب آپ کو اپنی جائداد خرچ کرنے کے اختیارات سونپے تو آپ بہت خوش ہوئے اس پر انہیں مبارک باد دی اور انہیں مشورہ دیا کہ یہ جائداد تم اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرو تو ابوطلحہ نے آپ کے مشورہ کے مطابق ایسا ہی کیا اور اس جائداد کو اپنے غریب ورثار میں تقسیم کیا ۔

پس یہ دونوں حدیثیں سورۃ بقرہ کے جملہ وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ اور سورۃ بنی اسرائیل کے اس جملہ وآتِ ذا القربیٰ حقہ کی تفسیر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں جو ترتیب بیان فرمائی ہے اس میں اقربار کو پہلے نمبر پر رکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی یتامیٰ اور مساکین کی بہ نسبت اقربا جب غریب ہوں تو ان کا حق مقدم ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان اور عمل سے اسکی توضیح

اور توثیق فرمادی اور اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو ان کی تائید کرتی ہیں مگر اختصار کے پیش نظر یہاں دو پر ہی اکتفا کیا ہے۔

یتامیٰ کا حق

یہاں اللہ تعالیٰ نے اقربا کے بعد دوسرا نمبر یتامیٰ کا رکھا ہے اور یہ لفظ یتامیٰ یتیم کی جمع ہے۔ یتیم اسے کہتے ہیں کہ جسکا باپ مرجائے اور بلوغت کو نہ پہنچا ہو۔ بلوغت کے بعد آدمی یتیم نہیں رہتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لا یتم بعد الاحتلام بلوغت کے بعد یتیم نہیں رہتا اور یہاں جس یتیم پر صدقہ کرنے کا حکم ہے اس سے مراد غریب اور غیر رشتہ دار ہے ایسے یتیم پر خرچ کرنا ہر مسلمان کا فریضہ رکھا گیا ہے اور اگر وہ یتیم امیر ہو تو اس کی تفصیل خلاصہ تفسیر القرآن جلد خامس میں بیان ہو چکی ہے ملاحظہ فرمالیں۔

مساکین کا حق

تیسرا نمبر مساکین کا ہے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور غریبی نے اس کو قوت اور حرکت سے بھی روک دیا ہو ایسے فقراً اور محتاجوں کا بقدر حاجت مالی تعاون کرنا مخیر حضرات کا فریضہ رکھا گیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ ابوہریرہ نے رسول اللہ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ بِھٰذَا الطَّوَّافِ الَّذِيْ تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَاللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ لَهٗ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ۔	صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا وہ گھومنے والا مسکین نہیں ہوتا جسے ایک یا دو کھجوریں ایک یا دو لقمے واپس کر دیں لیکن مسکین وہ ہے جس کے پاس بقدر کفایت مال نہ ہو اور اسے وہ مال کمانے کا شعور بھی نہ ہو ایسے پر صدقہ کیا جائے

(ابن کثیر)

تشریح

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گداگر مسکین نہیں ہے کیونکہ وہ حرکت تو کر سکتا ہے مسکین وہ ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور وہ کسب کرنا جانتا نہ ہو یا کسب کی طاقت نہ رکھتا ہو یا کسب اسے ملتا نہ ہو ان صورتوں میں وہ مسکین ہے مخیر حضرات کو چاہیئے اس پر صدقہ کریں ایسے مسکین کا ان کے مال میں حق ہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اسے محروم سے تعبیر فرمایا ہے یعنی ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔

غنی مسافر کا حق

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ	ابی سعید خدری سے روایت
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	ہے کہ جناب رسول اللہ
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ
وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ	کسی غنی کے لیے حلال
الصَّدَقَۃُ لِغَنِیٍّ	نہیں مگر اللہ کے راستے
اِلَّا فِیْ سَبِیْلِ	میں اور مسافر پر یا تنگدست
اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ	پڑوسی پر کہ پھر وہ تجھے
اَوْ جَارٍ فَقِیْرٍ فَیُھْدِیْ	ہدیہ دے یا تیری
لَکَ اَوْ یَدْعُوْکَ	دعوت کر دے۔

(ابن کثیر)

تشریح

چوتھا نمبر غنی مسافر کا ہے اس حدیث میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے غنی پر تین صورتوں میں صدقہ کا جواز بتایا ہے ایک اللہ کے راستے میں چلنے والا، مسافر اور فقیر پڑوسی جب غنی پڑوسی کی دعوت کرے یا اسے ہدیہ دے دے یہاں اس وقت صرف مسافر کی تفصیل بیان کرنا مقصود ہے اور دوسرے دو کی تفصیل انشاء اللہ العزیز عنقریب بیان ہو گی اور مسافر کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً ایک

شہر کا امیر اور غنی مسلمان کسی دوسرے شہر میں چلا جائے اور اس کا اپنا خرچ ختم ہو جائے یا چوری ہو جائے یا کسی وجہ سے اس کا نقصان ہو جائے یا کسی کا کوئی مہمان آیا ہوا ہو اور اس کا اس طرح نقصان ہو جائے تو اس کو اتنا صدقہ دینا جائز ہے کہ وہ اپنے گھر تک پہنچ جائے اسے اس سے زیادہ دینا جائز نہیں ہے۔

اگر آدمی کے پاس ایک دن کا کھانا نہ ہو تو اُسے سوال کرنا جائز ہے

عَنْ سَهْلِ ابْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ وَعِنْدَهُ مَا يُغْنِيْهِ فَاِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنَ النَّارِ قَالَ النُّفَيْلِيُّ وَهُوَ اَحَدُ رُوَاتِهِ فِيْ مَوْضِعٍ اُخَرَ وَمَا الْغِنَى الَّذِيْ لَا يَنْبَغِيْ مَعَهُ الْمَسْئَلَةُ قَالَ

سہل بن حنظلیہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سوال کرے حالانکہ اس کے پاس بقدر حاجت کھانا موجود ہو تو بے شک وہ آگ زیادہ مانگ رہا ہے نفیلی نے جو اس حدیث کے ایک راویوں میں سے ہے ایک دوسری جگہ کہا ہے اور وہ کون سی غنا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے

بِقَدْرِ مَا يُغَدِّيهِ وَيُعَشِّيهِ وَقَالَ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ أَنْ يَكُونَ لَهُ شِبَعُ يَوْمٍ أَوْ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ۔	سوال مناسب نہیں" تو آپ نے فرمایا کہ صبح کے کھانے کا اندازہ اور شام کے کھانے کا اندازہ اور ایک دوسری جگہ فرمایا کہ اس کے پاس ایک دن کی پیٹ بھرائی ہو یا ایک رات اور دن کی پیٹ بھرائی ہو۔
(ابوداود)	

تشریح

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائلین کی تشریح بیان فرمائی ہے کہ کیسے سائل کو صدقہ دینا ہے اور یہ مستحقین کا پانچواں نمبر ہے۔ اس کے پہلے حصہ میں جو فرمایا ہے مَنْ سَأَلَ وَعِنْدَهٗ مَا يُغْنِيهِ یہ مجمل ہے اور آخر میں جو فرمایا ہے ما یغدیہ وما یعشیہ یا اسی طرح لہ شبع یوم او لیلۃ و یوم یہ اس کی تشریح ہے تو حاصل مقصد یہ ہوا کہ جس کے پاس ایک دن کی خوراک ہو تو اس کے لیے سوال جائز نہیں اور جس کے پاس نہ ہو اس کے لیے جائز ہے کہ سوال کرے

بعض احادیث میں پچاس درہم کا ذکر ہے اور بعض میں چالیس اوقیہ کا ذکر ہے۔ احناف نے یغدی اور یعشیہ والی حدیث کو ترجیح

دی ہے اور دوسری دونوں کو منسوخ قرار دیا ہے اور یہی انسب ہے کیونکہ یہ تعریف جامع زیادہ ہے کیونکہ بعض گھروں کے افراد تھوڑے ہوتے ہیں تو ان کے لیے پچاس یا چالیس اوقیہ دو دن کی خوراک سے بھی زیادہ ہو جائے گی اور بعض گھروں میں افراد زیادہ ہوتے ہیں اور گرانی بھی ہوتی ہے تو وہاں وقت پر دو سو درہم بھی کفالت نہیں کریں گے۔

ضامن آفت زدہ اور فاقہ زدہ سوال کر سکتا ہے

عَنْ قَبِيصَةَ ابْنِ	قبیصہ بن مخارق نے کہا
مُخَارِقٍ قَالَ تَحَمَّلْتُ	کہ مجھ پر دیت کی ضمانت
حَمَالَةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ	دینی آگئی تو میں رسول اللہ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
وَسَلَّمَ اَسْئَلُهٗ	میں سوال کرنے کے لیے
فِيْهَا فَقَالَ اَقِمْ	اس سلسلہ میں آیا تو
حَتّٰى تَاْتِيَنَا الصَّدَقَةُ	آپ نے فرمایا ٹھہر جا صدقہ
فَنَاْمُرُ لَكَ بِهَا	آئے گا تو تجھے اس سلسلہ
ثُمَّ قَالَ يَا قَبِيصَةُ	میں دینے کا حکم دیں گے
اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ	پھر آپ نے فرمایا قبیصہ
اِلَّا لِاَحَدِ ثَلٰثَةٍ ۔	سوال کرنا صرف تین آدمیوں
رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً	کے لیے حلال ہے ایک
فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ	وہ آدمی جسے خون بہا کی

حَتّٰى يُصِيبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ أَوْ قَالَ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُومَ ثَلٰثَةٌ مِنْ ذَوِي الْحِجٰى مِنْ قَوْمِهِ لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ أَوْ قَالَ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ يَا قَبِيصَةُ سُحْتٌ يَأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا (مسلم)

ضمانت برداشت کرنی پڑ گئی ہو تو اس کے لیے سوال صرف اتنا حلال ہے کہ پہنچے، اس کو پھر رک جائے اور دوسرا وہ شخص کہ اس پر ایسی آفت آئے جو اس کا سارا مال ہلاک کر دے تو اس کے لیے سوال جائز ہے یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے یا فرمایا دفع کرے محتاجگی کو اور تیسرا وہ شخص کہ اس پر فاقہ آجائے یہاں تک کہ اس کی قوم سے تین عقلمند کھڑے ہو جائیں کہ فلاں پر فاقہ آگیا ہے تو اس کے لیے سوال حلال ہے یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہو یا فرمایا محتاجگی دفع کرنے میں اس کے سوا سوال کرنا اے قبیصہ حرام ہے کھا جاتا ہے صاحب اس کا حرام۔

تشریح

اس حدیث میں بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائلین کی تشریح بیان فرمائی ہے کہ کیسے سائل کو صدقہ دینا ہے اور کیسے آدمی کے لیے سوال کرنا حلال ہے چنانچہ قبیصہ بن مخارق کو جب ایک دیت کے بدلے انہیں ضمانت دینی پڑگئی تھی اور امداد کی غرض سے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ ٹھہر جاؤ صدقہ آئے گا تو تجھے دیں گے تو پھر آپ نے انہیں مسئلہ سمجھایا کہ تین آدمیوں کے لیے سوال کرنا حلال ہے ایک وہ آدمی جس کو دیت کی ضمانت دینی پڑ گئی ہو اور دوسرا وہ آدمی کہ کسی آفت ارضی یا سماوی نے اس کا سارا مال و متاع تباہ کر دیا ہو اور تیسرا وہ آدمی جس پہ فاقہ آگیا ہو اور اسکی قوم کے تین عقلمند آدمی یہ گواہی دیں کہ فلاں فاقہ زدہ ہو گیا ہے تو ان تین آدمیوں کو سوال کرنا حلال ہے اور وہ بھی اتنا کہ ان کی وہ ضرورت پوری ہو جائے ان تین کے ماسوا جو سوال کرے گا تو اس کے لیے وہ مال کھانا حرام ہے دو مرتبہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سحت سحت حرام ہے حرام ہے کھانا اس کا۔

غنی اور صحت مند کے لئے سوال کرنا جائز نہیں بھاری قرض والے کیلئے جائز ہے

عَنْ حُبْشِیِّ ابْنِ جُنَادَۃَ قَالَ قَالَ

حبشی بن جنادہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ اِلَّا لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ وَمَنْ سَاَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهٖ مَالَهٗ كَانَ خُمُوْشًا فِيْ وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَرَضْفًا يَاْكُلُهٗ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَآءَ فَلْيُكْثِرْ ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غنی اور صحت مند کے لیے سوال کرنا حلال نہیں مگر زمین پر گرا دینے والے فقر یا رسوا کرانے والے قرض کی وجہ سے اور جو لوگوں سے اس لیے مانگتا ہے کہ اس کا مال زیادہ ہو تو قیامت کے دن اس کے چہرے پر زخم ہوں گے اور وہ دوزخ کا ایک گرم پتھر کھائے گا پس اب جس کا جی چاہے کم مانگے اور جس کا جی چاہے زیادہ مانگے۔

(ترمذی)

تشریح

یہ حدیث بھی قرآن مجید میں جو لفظ سائلین آیا ہے اسکی توضیح اور تشریح ہے۔ اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں بیان فرمائی ہیں ایک تو یہ ہے کہ غنی اور صحت مند کے لیے

سوال کرنا حلال نہیں ہاں اگر ان پر ایسا فقر اور غربت آجائے کہ انہیں زمین پر گرا دے یعنی چلنے پھرنے کے قابل بھی نہ رہیں یا ان پر اتنا بھاری قرض آجائے کہ وہ ادا نہ کر سکتے ہوں اور قرض خواہ ان کو ذلیل کرتے پھریں تو اس وقت ان کو سوال کرنا جائز اور حلال ہے اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ جو شخص صرف اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کرے گا تو قیامت کے دن ایک تو اس کا چہرہ زخمی ہوگا اور دوسرا اس کو دوزخ کی آگ کے پتھر کھانے پڑینگے کیونکہ اس نے دنیا میں غریبوں کی حق تلفی کی ہوگی

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ	حضرت ابی سعید نے فرمایا
قَالَ اُصِیْبَ رَجُلٌ	ہے کہ جناب رسول اللہ
فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ	صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	میں ایک شخص کو پھل میں
فِیْ ثِمَارٍ اِبْتَاعَھَا	نقصان ہوگیا جو اس نے
فَکَثُرَ دَیْنُہٗ فَقَالَ	خریدا تھا پھر اس کا قرض بہت
النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ	ہوگیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا	نے فرمایا اس پر صدقہ کرو
عَلَیْہِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ	تو پھر لوگوں نے اس پر صدقہ
عَلَیْہِ فَلَمْ یَبْلُغْ	کیا مگر اس صدقہ سے
ذَالِكَ وَفَاءَ دَیْنِہٖ	اس کا قرض پورا نہ ہوا پھر
فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِہٖ	اس کے قرض خواہوں کو

خُذُوْا مَا وَجَدْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ اِلَّا ذَالِكَ

فرمایا کہ تمہیں جو مل گیا ہے وہ لے لو تمہارے لیئے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (ابن کثیر)

تشریح

یہ حدیث بھی قرآن مجید کے اس جملہ سائلین کی تشریح ہے اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ بیان فرمایا گیا ہے کہ آپ کے زمانہ میں ایک شخص کو پھلوں میں نقصان ہوا پھر اس پر قرضے بہت ہو گئے تو آپ نے اس پر صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ پس معلوم ہوا کہ قرض دار کو صدقہ دینا جائز ہے اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قرض دار کو صدقہ دینا جائز ہے اور اس کے لیے سوال جائز ہے کہ کسی آفت کی وجہ سے اس کا نقصان ہو جائے اور پھر اس سلسلہ میں وہ مقروض بھی ہو جائے اور اگر کوئی ایسا شخص جو لوگوں سے صرف اس نیت سے قرض لیتا ہے تاکہ پھر لوگ اس کو صدقہ دیں یا وہ اس بہانے سے لوگوں سے سوال کرے تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

غلام کی آزادی کے لیے صدقہ جائز ہے

عَنِ الْبَرَآءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ

براء بن عازب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک،

اللّٰہِ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ	آدمی آیا اور عرض کیا کہ آپ
یُقَرِّبُنِیْ مِنَ الْجَنَّۃِ	مجھے ایک ایسا عمل بتا دیں
وَیُبَاعِدُنِیْ مِنَ	جو جنت کے قریب کرے
النَّارِ فَقَالَ اَعْتِقِ	اور دوزخ سے دور کرے
النَّسَمَۃَ وَفُکَّ	تو آپ نے فرمایا غلام آزاد کر
الرَّقَبَۃَ فَقَالَ یَا	اور گردن چھڑا تو اس نے
رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَیْسَا	کہا کہ یا رسول اللہ کیا یہ دونوں
وَاحِدًا قَالَ لَا	ایک نہیں ہیں ۔ تو آپ
عِتْقُ النَّسَمَۃِ اَنْ	نے فرمایا نہ ۔ جان آزاد کرنا
تَفَرَّدَ بِعِتْقِهَا	یہ ہے کہ تو اکیلا ہی اسے
وَفَکُّ الرَّقَبَۃِ اَنْ	آزاد کرے اور گردن چھڑانا
تُعِیْنَ فِیْ ثَمَنِهَا	یہ ہے کہ اس کی قیمت میں
(ابن کثیر)	تعاون کرے ۔

تشریح

یہ حدیث قرآن مجید کے لفظ فک الرقاب کی تشریح ہے کیونکہ فک الرقاب کے لفظی معنی ہیں گردنیں آزاد کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن آزاد کرنے کی تشریح یہ بیان فرمائی کہ اسکا مقصد یہ کہ اگر انسان کے پاس غلام ہو تو اسے آزاد کردے ایک صورت تو یہ ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ غلام خرید کر آزاد کرے اور تیسری صورت یہ ہے کہ اس کی قیمت میں حسب توفیق کچھ تعاون کر

دے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ مسلمان کافروں کے قبضہ میں ہوں تو ان کا تاوان ادا کر دے اور اس کا ثواب یہ بیان فرمایا کہ اس سے انسان جنت کے قریب ہوتا ہے اور دوزخ سے دور ہوتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل

مَثَلُ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی مثال جو اللہ
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ	کی راہ میں مال خرچ کرتے
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ	ہیں ایسی ہے جیسے ایک
حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ	دانہ کہ اگائے سات بالیں ہر
سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ	بالی میں سو سو دانے ہوں
مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ	اور اللہ جس کے واسطے چاہے
يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ	بڑھاتا ہے اور اللہ بڑی
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ	وسعت والا جاننے والا
(سورہ بقرہ آیت ۲۶۱)	ہے۔

تفسیر

اس آیت کریمہ میں انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل ایک مثال کے ذریعہ کاشت کاری کے اصول پر سمجھائے گئے ہیں مثلاً ایک دانہ جب کاشت کار زمین میں بوتا ہے تو زمین اگر اچھی ہو اور بیج بھی اچھا ہو مل کے ذریعہ اسے خوب آراستہ کیا جائے ضرورت

کے مطابق اس کو پانی اور کھاد بھی مہیا کی جائے تو ایسی زمین میں بوئے ہوئے ایک دانے سے پیدا ہونے والے ایک پودے سے کے ساتھ کبھی تو سات خوشے لگتے ہیں کبھی کم اور زیادہ بھی لگتے ہیں اور ہر خوشے کے ساتھ دانے کبھی سات سو کبھی کم اور زیادہ بھی ہوتے ہیں یہاں اس مثال میں صرف سات سو کا ذکر ہے اور پھر ان دانوں میں سے بعض دانے بطور بیج پھر زمین میں بو دیئے جاتے ہیں جو پودوں کی شکل وصورت اختیار کرتے ہیں اور بعض دانوں کو انسان اور جانور کھا جاتے ہیں اور پھر وہ کھاد کی صورت میں ان پودوں کے معاون اور مددگار ثابت ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ پھلتے اور پھولتے ہیں غرضیکہ یہ ایک ایسا لمبا چوڑا سلسلہ ہے جس کی انتہا اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ۔ اسی طرح اس مثال میں صدقہ دینے والے کو کاشتکار اور صدقہ کو بیج اور جسے صدقہ دیا گیا ہے اسے زمین سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی یہاں بھی صدقہ دینے والا جتنا زیادہ مخلص ہوگا اور اس کا دیا ہوا مال بھی پاکیزہ، حلال اور طیب مال سے ہو اور جس کو دیا ہے وہ بھی جتنا زیادہ نیک ہوگا اتنا ہی زیادہ صدقہ دینے والے کو ثواب ملے گا مثلاً اگر وہ نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہے تو صدقہ دینے والا بھی اس کے نماز اور روزے کے ثواب میں شریک ہے اور اگر اس نے اس کے دیئے ہوئے صدقہ سے حج بھی کیا یا جہاد میں بھی شریک ہوگیا تو صدقہ دینے والا ان تمام عبادات کے ثواب میں شریک ہے اور اس کے ثواب میں کمی نہیں ہوتی اور اگر جس کو صدقہ دیا ہے اس کی اولاد بھی نیک ہے تو وہ نیکی نسل در نسل

جب تک چلتی رہے گی جتنا ثواب ان کو ہوگا اتنا ہی ثواب اس صدقہ دینے والے کو ہوگا غرضیکہ اس دانے کی طرح یہاں بھی نیکیوں کے کئی ابواب کھل جاتے ہیں جو تا قیامت جاری رہ سکتے ہیں۔

یہ مضمون واللہ یضاعف لمن یشاء میں بیان فرمایا ہے اور اس سے اشارتاً یہ معلوم ہوا کہ صدقہ نیک آدمی کو دینا چاہیئے کیونکہ نیک آدمی کو صدقہ دینے سے ایک صدقہ جاریہ کی صورت بن جاتی ہے کیونکہ یہ تعاون علی البر کی صورت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی بھی ہے کہ تیرا صدقہ متقی کھائے اور اگرچہ کسی فاسق وفاجر کو بھی صدقہ دینا جائز ہے۔

بعض احادیث سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے مگر بہتر نہیں ہے کیونکہ ایک تو اس سے بدی پر تعاون ہوتا ہے اور دوسرا دینے والے کا صدقہ جاریہ بھی نہیں بنتا اور یہاں تک اس آیت کی جو تشریح بیان ہوئی ہے یہ تو وہ ہے جو مثال سے معلوم ہوتی ہے اور اب اس کی تائید میں احادیث نبویہ (علیہ السلام) پیش کی جائیں گی۔
(واللہ الموفق والمعین)

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ	قسم ہے اس ذات کی جس
لَوْ كَانَ لِاَحَدِهِمْ	کے دست پاک میں میری
جَبَلٌ مِّنْ ذَهَبٍ	جان ہے اگر ان میں سے
يُّنْفِقُهٗ مَا اَدّٰى	کسی کے پاس پہاڑ جیسا سونا
مُدَّ اَحَدِكُمْ وَلَا	ہو جسے وہ خرچ کرے نہیں
نَصِيْفَهٗ (ابن کثیر)	پہنچ سکتا وہ تمہارے مُدّ (چوتھا

حصہ صاع کا) کو اور نہ اس کے
نصف کو۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ	ابوہریرہ سے مروی ہے کہ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	نے فرمایا جس نے ایک
مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ	کھجور کے برابر پاکیزہ مال
تَمْرَةٍ مِنْ کَسْبٍ	میں سے خرچ کیا اور اللہ
طَیِّبٍ وَلَا یَقْبَلُ	تعالیٰ صرف پاکیزہ ہی قبول
اللّٰهُ اِلَّا الطَّیِّبَ	کرتے ہیں پس بے شک
فَاِنَّ اللّٰهَ یَتَقَبَّلُهَا	اللہ اسے اپنے دائیں ہاتھ
بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یُرَبِّیْهَا	میں قبول کرتے ہیں پھر
لِصَاحِبِهَا کَمَا	مالک کے لیے اسے بڑھاتے
یُرَبِّیْ اَحَدُکُمْ فَلُوَّهٗ	ہیں جیسا تم میں سے کوئی
حَتّٰی تَکُوْنَ	گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے
مِثْلَ الْجَبَلِ ۔	یہاں تک کہ وہ پہاڑ جیسا
(متفق علیہ)	ہو جاتا ہے۔

تفسیر

یہاں پہلی حدیث ابن کثیر سے منقول ہے اور دوسری امام بخاریؒ اور مسلمؒ کی اتفاقی ہے۔

ابن کثیر والی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اٹھا کر فرمایا

ہے کہ فتح مکہ کے بعد فی سبیل اللہ خرچ کرنے والے اگر پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردیں تو فتح مکہ سے پہلے خرچ کرنے والے کے آدھ سیر کے برابر نہیں ہو سکتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد تو پورے جزیرہ عرب پر اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے کوئی رکاوٹ نہیں تھی اور فتح مکہ سے پہلے کا دور صحابہ کے لیے بڑی مشکلات کا دور تھا اس لیے بعد والوں کا خلوص پہلوں کے خلوص کو نہیں پہنچ سکتا۔

پس معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے پر جس ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ خلوص پر موقوف ہے جس کا جتنا زیادہ خلوص ہوگا اسے اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا اور کم خلوص ہوگا تو کم اجر ملے گا۔ اور ابوہریرہ والی حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں ایک کھجور بھی خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھا کر پہاڑ کے برابر کر دیتے ہیں اور بڑھانے کی تفسیر پہلے آیت کی تشریح میں گزر چکی ہے اور آیت کے آخر میں واللہ واسع علیم لگا کر دو شبے دور فرماتے ہیں۔

ایک شبہ تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے خزانے کہاں سے دیگا تو جواب میں فرمایا اللہ بڑی وسعت والا ہے۔ اس کے بے شمار خزانے ہیں اور دوسرا شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو کسی کے خلوص کا پتہ چلتا ہے کہ کس کا خلوص زیادہ ہے اور اس کا کم ہے تو اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ اللہ بڑے وسیع علم والا ہے وہ دلوں کے خیالات کو اور سربستہ رازوں کو جانتا ہے کوئی لطیف سی لطیف

چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے مگر یہ اتنا بڑا ثواب پانچ شرطوں کے ساتھ مخصوص ہے جو مندرجہ ذیل آیات میں عنقریب انشاء اللہ بیان ہوں گی۔

انفاق فی سبیل اللہ کے ثواب کی پانچ شرائط ہیں

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ	جو لوگ اپنے مال اللہ کی
أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ	راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر
اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ	خرچ کرنے کے بعد نہ احسان
مَا أَنْفَقُوا مَنًّا	رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں
وَلَا أَذًى لَهُمْ	انہیں کے لیے اپنے رب
أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ	کے ہاں ثواب ہے ان پہ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ	نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝	غمگین ہوں گے۔ مناسب
قَوْلٌ مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ	بات کہہ دینا اور درگزر کرنا اس
خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ	خیرات سے بہتر ہے جس
يَتْبَعُهَا أَذًى ط	کے بعد ستانا ہو۔ اللہ بے پروا
وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ۝	نہایت تحمل والا ہے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	اے ایمان والو احسان رکھ
آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ	کر اور ایذا دے کر اپنی
بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ	خیرات کو ضائع نہ کرو اس

كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ	شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں	
رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا	کو دکھا کر خرچ کرتا ہے اور	
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	اللہ پر اور قیامت کے دن	
الْاٰخِرِ ط فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ	پر یقین نہیں رکھتا پس اس	
صَفْوَانٍ عَلَيْهِ	کی مثال ایسی ہے جیسے صاف	
تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ	پتھر کہ اس پر کچھ مٹی پڑی ہو	
فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ط	پھر اس پر زور کا مینہ برسا پھر	
لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى	اس کو بالکل صاف کر دیا ایسے	
شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ط	لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ	
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ	نہ لگے گی اور اللہ کافروں کو	القوم
الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ	سیدھی راہ نہیں دکھاتا اور ان	
الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ	لوگوں کی مثال جو اپنے مال	
اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ	اللہ کی رضا حاصل کرنے کے	
مَرْضَاتِ اللّٰهِ	لیے اور اپنے دلوں کو مضبوط	
وَتَثْبِيْتًا مِّنْ	کرکے خرچ کرتے ہیں ایسی	وتثبیتا
اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ	ہے جس طرح بلند زمین پر	
جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا	ایک باغ ہو اس پر زور	
وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا	کا مینہ برسا تو وہ باغ اپنا	
ضِعْفَيْنِ ج فَاِنْ	پھل دگنا لایا اور اگر اس پر مینہ	
لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ	نہ برسا تو شبنم ہی کافی	
فَطَلٌّ ط وَاللّٰهُ بِمَا	ہے اور اللہ تمہارے کاموں	

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○	کو خوب دیکھنے والا ہے کیا تم
اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ	میں سے کسی کو یہ بات پسند
تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ	آتی ہے کہ ایک باغ کھجور
نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ	اور انگور کا ہو جس کے
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	نیچے نہریں بہتی ہوں اسے
لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ	اس باغ میں اور بھی ہر طرح
الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ	کا میوہ حاصل ہو اور اس
الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ	پر بڑھاپا آگیا ہو اور اس کی
ضُعَفَاۗءُ فَاَصَابَهَآ	اولاد ضعیف ہو تب اس
اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ	باغ پر ایک بگولہ آپڑا جس
فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ	میں آگ تھی جس سے وہ باغ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ	جل گیا اللہ تمہیں اس طرح
الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ	اپنی نشانیاں سمجھاتا ہے
تَتَفَكَّرُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا	تاکہ تم سوچا کرو - اے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا	ایمان والو اپنی کمائی میں سے
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ	ستھری چیزیں خرچ کرو
وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ	اور اس چیز میں سے بھی جو
مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا	ہم نے تمہارے لیے زمین
تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ	سے پیدا کی ہے اور اس
مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ	میں سے ردی چیز کا ارادہ
بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ	نہ کرو کہ اس کو خرچ کرو

تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۚ وَاعْلَمُوْٓا	حالانکہ تم اسے کبھی نہ لو
اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ	مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ
حَمِيْدٌ ۝ (سورہ لبقرہ	اور سمجھ لو کہ بے شک اللہ
آیت ۲۶۲ تا ۲۶۷)	بے پروا تعریف کیا ہوا ہے

تفسیر

ان آیات میں صدقہ کے ثواب کی پانچ شرطیں بیان کی گئی ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ صدقہ دینے کے بعد احسان نہ جتلایا جائے اور دوسری شرط یہ ہے کہ اسے کوئی تکلیف نہ دی جائے اور دوسری آیت میں یہ بتایا ہے کہ جس صدقے کے بعد احسان جتلانا ہو اور تکلیف پہنچانی ہو اس سے نہ دینا بہتر ہے اور تیسری آیت میں یہ بتلایا کہ منّ اور اذٰی سے صدقہ باطل ہو جائے گا یہ تو منفی شرطوں کا بیان تھا آگے وجودی شرطوں کا بیان ہے ۔ چوتھی آیت میں ان کا ذکر ہے پہلے شرط یہ ہے کہ صدقہ رضا الٰہی حاصل کرنے کے لیے دیا جائے اور دوسری شرط یہ ہے کہ ایمان مضبوط کرنا مقصد ہو۔ اور پانچویں آیت میں یہ بتایا ہے کہ اگر رضا الٰہی کے خیال سے صدقہ نہ دیا بلکہ ریا کے طور پر دیا تو آخرت میں اس کا ثواب نہیں ملے گا اور چھٹی آیت میں پانچویں شرط بیان فرمائی کہ اللہ کے راستے میں عمدہ چیز خرچ کرو ردی مال خرچ نہ کرو۔

سوال : اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ رعایا سے زکوٰۃ

وصول کر کے غرباء میں تقسیم کرنے کی ذمہ داری تو اسلامی حکومت پر رکھی ہے لیکن صدقات کے سلسلے میں ایسا کوئی ضابطہ نہیں ہے اور اسی طرح زکوٰۃ کے لیے نصاب بھی شرط ہے اور سال گزرنا بھی شرط ہے مگر صدقات کے لیے ایسی کوئی شرط بھی نہیں اور سال گزرنا بھی کوئی شرط نہیں اس کی کیا وجہ ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ نے اپنا مالکانہ حق رکھا ہے اور اس کا مصرف اللہ تعالیٰ نے غریب کو بنایا ہے اور اسلامی حکومت اس کی نائب ہے اس نے اللہ کا حق وصول کر کے غرباء میں تقسیم کرنا ہے اس لیے زکوٰۃ کے لیے ایسی شرطیں رکھی گئی ہیں اور زکوٰۃ نکالنے کے بعد آدمی کے پاس جو بھی مال بچ جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا مالک قرار دیا ہے اور اس میں اپنا حق نہیں رکھتا البتہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو غرباء پر خرچ کرنے کی ترغیبات دی ہیں اور فضائل بتائے ہیں اب اگر اس پر کوئی عمل کرے گا تو اجر پائے گا اور اگر عمل نہیں کرے گا تو ثواب سے محروم ہو جائے گا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حق تلفی کی ہے یا غرباء کی حق تلفی کی ہے بہرحال صدقات، اسلام کا غرباء کے ساتھ ہمدردی کرنے کا بہت بڑا، اونچا اور زریں اصول ہے جو ہر انسان نے از سر خود اپنانا ہے۔

اسراف کرنیوالے اللہ کو اچھے نہیں لگتے

اور انہیں ہدایت بھی نصیب نہیں ہوتی

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ	اور اسی نے وہ باغ پیدا
جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ	کئے ہیں جو چھتوں پر
وَّ غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ	چڑھائے جاتے ہیں اور جو
وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ	نہیں چڑھائے جاتے اور
مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ	کھجوروں کے درخت اور
وَ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ	کھیتی جس کے پھل مختلف
مُتَشَابِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ	ہیں اور زیتون اور انار پیدا کئے
كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ	جو ایک دوسرے سے مشابہ
اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ	اور جدا جدا بھی ہیں ان کے
یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَ لَا	پھل کھاؤ جب وہ پھل لائیں
تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا	اور جس دن اسے کاٹو اس
یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۙ	کا حق ادا کرو اور بے جا خرچ
(سورہ انعام آیت ۱۴۱)	نہ کرو بے شک وہ بے جا
یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا	خرچ کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا
زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ	اے آدم کی اولاد تم مسجد کی
مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا	حاضری کے وقت اپنا لباس
وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا	پہن لیا کرو اور کھاؤ اور پیو

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ	اور حد سے نہ نکلو بے شک
الْمُسْرِفِيْنَ ٥ (سورة	اللہ حد سے نکلنے والوں کو
الاعراف آیت ٣١)	پسند نہیں کرتا۔
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى	رشتہ دار مسکین اور مسافر
حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ	کو اس کا حق دے دو اور
السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ	ذرہ بھر مال بے جا خرچ
تَبْذِيْرًا ٥ اِنَّ	نہ کرو بے شک بے جا
الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ	خرچ کرنے والے شیطانوں
الشَّيٰطِيْنِ ط وَكَانَ	کے بھائی ہیں اور شیطان
الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ٥	اپنے رب کا ناشکر گزار
وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ	ہے اور اگر تجھے اپنے
عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ	رب کے فضل کے انتظار
رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ	میں کہ جس کی تجھے امید
تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ	ہے منہ پھیرنا پڑے تو
قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ٥ وَلَا	ان سے نرم بات کہہ دو
تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً	اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے
اِلٰى عُنُقِكَ	ساتھ بندھا ہوا نہ رکھ اور
وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ	نہ اسے کھول دے بالکل
الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا	کھول دینا پھر تو پشیمان
مَّحْسُوْرًا ٥	تہی دست ہو کر بیٹھ رہے

(سورۃ بنی اسرائیل آیت ٢٦ تا ٢٩) گا۔

ولا تبذر

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (سورۃ من آیت ۲۸)
بے شک اللہ اسراف کرنے والے جھوٹے کو ہدایت نہیں دیتا۔
سورۃ المؤمن آیت ۲۸

تفسیر

یہاں سات آیات نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ الانعام کی ہے اور دوسری سورۃ الاعراف کی ہے اور چار آیات سورۂ بنی اسرائیل کی ہیں اور آخر میں سورۃ مومن کی آیت اٹھائیس کا ایک جملہ ہے۔

سورۃ الانعام کی آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے فلاں فلاں نعمتیں پیدا کی ہیں وہ کھاؤ اور ان میں سے اللہ کا حق بھی ادا کرو اور اسراف نہ کرو اگر اسراف کرو گے تو اللہ تعالیٰ نے جو اپنا حق رکھا ہے وہ متاثر ہوگا اس کی مکمل تفصیل پہلے بیان ہوگئی ہے کہ اللہ کا کتنا حق ہے اور آخر میں فرمایا ہے کہ اسراف کرنے والے اللہ تعالیٰ کو اچھے نہیں لگتے اور سورۃ الاعراف والی آیت میں دو چیزوں کا بیان ہے۔ ایک یہ ہے کہ مسجد میں خوبصورت لباس پہن کر جاؤ اس کی تفصیل بھی پہلے بیان ہو چکی ہے۔

اور سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں سورۃ انعام کی آیت میں جس حق کا ذکر ہے اس کے مصارف بیان فرماتے ہیں کہ وہ اللہ کا حق تم نے اپنے اقرباء مساکین اور مسافروں پر خرچ کرنا ہے اور فضول خرچی نہیں کرنا اور سورۃ بنی اسرائیل کی دوسری آیت ہیں

فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے گویا یہ آیت بھی لا یحب المسرفین کی تشریح ہے اور سورۃ بنی اسرائیل کی تیسری آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا وہ حق ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں لیکن آنے کی امید ہے تو پھر اللہ کے حق کا تقاضا کرنے والوں کو نرمی سے واپس کرو نہ کہ سختی سے اور سورۃ بنی اسرائیل کی چوتھی آیت میں دو چیزوں سے منع فرمایا ہے ایک تو یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کو گردن کے ساتھ مت باندھ یہ کنایہ ہے کنجوسی سے یعنی کنجوس مت بنو اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اس میں سے مستحقین پر خرچ کرو اور دوسری چیز یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو کھلا ہوا مت چھوڑو یہ جملہ کنایہ ہے فضول خرچی سے اور آخر میں اسکا نقصان بیان فرمایا ہے کہ خالی ہاتھ ہو جاؤ گے اور بدحال ہو جاؤ گے یہ تو دنیاوی نقصان ہے۔

اور سورۃ مومن کے جملہ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو اور جھوٹوں کو ہدایت بھی نہیں دیتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے ایمان بڑھتا ہے اور ہدایت میں ترقی ہوتی ہے اور اگر انسان خرچ نہیں کرے گا تو وہ اس سعادت سے محروم رہے گا تو یہ آخرت کا نقصان ہے کیونکہ ہدایت سے محروم دوزخ میں جاتے گا چنانچہ اس کی مزید تفصیل اس کے ساتھ متصل ہی سورۃ طٰہٰ کی آیات میں آرہی ہے۔

مسرف دنیا میں بدحال اور آخرت میں اندھا ہوگا

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ
ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ
مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى
قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْ
اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ
بَصِيْرًا ٥ قَالَ
كَذٰلِكَ اَتَتْكَ
اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا
وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ٥
وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ
مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ
يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ
وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ
اَشَدُّ وَاَبْقٰى ٥

(سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۴ تا ۱۲۷)

اور جو میرے ذکر سے منہ
پھیرے گا تو اس کی زندگی
بھی تنگ ہوگی اور اسے
قیامت کے دن اندھا کر
کے اٹھائیں گے کہے گا اے لِمَ
میرے رب تو نے مجھے
اندھا کر کے کیوں اُٹھایا
حالانکہ میں بینا تھا اللہ تعالیٰ اَتَتْكَ
فرمائیں گے اسی طرح تیرے
پاس ہماری آیتیں پہنچی تھیں
پھر تو نے انہیں بُھلا دیا تھا
اسی طرح آج تو بھی بُھلایا گیا
ہے اور اسی طرح ہم بدلہ
دیں گے جو حد سے نکلا اور
اپنے رب کی آیتوں پر ایمان
نہیں لایا اور البتہ آخرت
کا عذاب بڑا سخت اور
دیرپا ہے۔

تفسیر

یہاں چار آیات ذکر کی گئی ہیں - پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا اس کو دو قسم کا نقصان ہو گا - ایک دنیاوی اور دوسرا اخروی اور ذکر سے مراد قرآن ہے تو مقصد یہ ہوا کہ جو قرآن سے مُنہ پھیرے گا اس کو دو قسم کا نقصان ہو گا ایک تو دنیا میں اس کی معیشت تنگ ہو گی اس کے دو معنے ہیں ایک تو یہ ہے کہ اس کو اسباب روزی میسّر نہیں ہوں گے تنگ دست ہو جائے گا اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اسباب روزی تو موجود ہوں گے مگر کھانے کی توفیق نہیں ہو گی -

اور دوسرا نقصان آخرت کا ہے کہ قیامت کے دن اسے اندھا کرکے اُٹھایا جائے گا پھر اللہ کے حضور میں عرض کریگا اے اللہ آپ نے مجھے اندھا کیوں اُٹھایا، میں تو دنیا میں دیکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائیں گے کہ میری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں تو نے ان کو بُھلا دیا تو آج تو بھی بھلا دیا گیا ہے اور ہم اسی طرح بدلہ دیں گے اسے جو اسراف کرے اور ہماری آیتوں پر ایمان نہ لائے اور آخرت کا عذاب بڑا سخت اور باقی رہنے والا ہے -

پس ان آخری جُملوں سے معلوم ہوا کہ اسراف کرنے والا دنیا میں بدحال اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو گا اور اگر کوئی قوم بحیثیت قوم اسراف کریگی تو اس قوم کا بھی یہ ہی حشر ہو گا اور سورہ بنی اسرائیل کی چوتھی آیت میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے اور مسرف کو آخرت میں

اندھا کر کے اٹھانے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ دنیا میں عیاشی اور فحاشی میں اندھا ہو چکا تھا اس لیے اسے قیامت کے دن بھی اندھا ہی اٹھایا جائے گا یا اس نے دنیا میں مستحقین کے حقوق سے صرف نظر کر کے مال کو خرچ کیا اور ان کی پروا نہ کی اس لیے اسے اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خرچ کرنے کے سلسلہ میں اعتدال اختیار کرنا چاہیے

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا	اور وہ لوگ جب خرچ کرتے
لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ	ہیں تو فضول خرچی نہیں
يَقْتُرُوْا وَكَانَ	کرتے اور نہ تنگی کرتے
بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا	ہیں اور ان کا خرچ ان
(سورۃ الفرقان آیت ٦٧)	دونوں کے درمیان اعتدال
	پر ہوتا ہے۔
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ	اے نبی اپنی بیویوں سے
لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ	کہہ دو اگر تمہیں دنیا کی زندگی
كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ	اور اس کی آرائش منظور
الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا	ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ
فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ	دے دلا کر اچھی طرح
وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا	رخصت کر دوں گا اور اگر
جَمِيْلًا ○ وَاِنْ	تم اللہ اور اس کے رسول

كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ	اور آخرت کا گھر چاہتی ہو
رَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ	تو اللہ نے تم میں سے
فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ	نیک بختوں کے لیے بڑا
لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ	اجر تیار کیا ہے۔
اَجْرًا عَظِيْمًا ٥	

(سورۃ الاحزاب آیت ۲۸-۲۹)

تشریح

یہاں تین آیات ذکر کی گئی ہیں پہلی سورۃ فرقان والی ہے اور دوسری دو آیات سورۃ احزاب کی ہیں۔ سورۃ فرقان والی آیت جو ہے اس سے قبل اور اس کے بعد بھی عباد الرحمان کے اوصاف بیان ہوتے ہیں اور ان اوصاف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خرچ کے سلسلہ میں فضول خرچی بھی نہیں کرتے اور کمی بھی نہیں کرتے بلکہ وہ درمیانی حالت میں رہتے ہیں۔

سورۃ احزاب کی آیتوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ بیان فرمایا گیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب آپ کے پاس بہت سامال غنیمت آیا تو آپ نے وہ قرآنی اصول کے موافق مستحقین میں تقسیم فرمایا اور اپنی ازواجِ مطہرات کے اخراجات میں اضافہ نہ کیا تو انہوں نے اضافہ کا مطالبہ کیا اور اس سلسلہ میں انہوں نے رومیوں کی عورتوں کا نمونہ پیش کیا اور آپ کو یہ بات ناگوار گزری اور ناراض ہو گئے اور ایک ماہ تک ان سے علیحدہ رہے تو آخر

میں یہ آیات اتریں ۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اے نبی کی بیویو اگر تم دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہو تو پھر تم اس نبی کے گھر میں نہیں رہ سکتی ہو ۔ نبی تمہیں کچھ دے دلا کر رخصت کر دے گا اور تم اگر اللہ اور اس کے رسول کی رضا چاہتی ہو اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو پھر نبی جو تمہیں خرچ دے اس پر قناعت کرو چنانچہ آپ کی بیویوں نے اس پر قناعت کی اور آپ کے گھر میں رہنا ہی پسند کیا پس اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ باوجود سربراہ مملکت ہونے کے آپ کے گھر میں اسراف نہیں تھا حالانکہ لوگوں کو جب اقتدار ملتا ہے تو وہ ملکی سرمایہ اپنے بیوی بچوں کے لیے سمیٹتے ہیں مگر آپ نے اوروں کو تو دیا مگر اپنوں کو ضروریات سے زیادہ کچھ نہ دیا اللہ ہم سب کو آپ کی اتباع کی توفیق دے ۔

منشیات اسراف میں شامل ہیں

اسراف کا لفظ قرآن مجید میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً قتل، زنا، مال کو بے جا خرچ کرنا اسراف کا اصل معنی بے جا اور بے محل ہے ۔ اس سے پہلے جو آیات نقل کی گئی ہیں یہ صرف وہی ہیں جن کا اطلاق مال کو بے جا خرچ کرنے پر ہوا ہے اور مال کو خرچ کرنے کی مدات چونکہ متعین ہیں لہٰذا ان مدات کے خلاف جو بھی مال خرچ ہوگا وہ اسراف میں ہی شامل ہوگا اور شراب نوشی چونکہ ان مدات میں نہیں ہے اس لیے یہ اسراف میں شامل ہے ۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (سورۃ البقرہ آیت ۲۱۹)

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرما دیں ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں اور انکا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (سورۃ النساء آیت ۴۳)

ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ تم سمجھ سکو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

اے ایمان والو بیشک شراب، جوا، بُت پرستی اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تم میں عداوت

فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ اور بعض ڈال دے
وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اور تمہیں اللہ کی یاد سے
اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ اور نماز سے روکے سو
فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○ اب بھی باز آجاؤ۔

(سورۃ المائدہ آیت ۹۰ - ۹۱)

تفسیر

یہاں پہلے سورۃ بقرہ کی آیت ۲۱۹ کا ایک حصہ ہے اس میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے صحابہؓ نے شراب کے بارے میں جو سوال کیا تھا پہلے اس سوال کا بیان ہے کہ وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں اس کے بعد اس کا جواب دیا ہے کہ ان میں گناہ بھی ہے اور منافع بھی مگر گناہ منافع کی بہ نسبت زیادہ ہے اور دوسرا سورۃ النساء کی آیت ۴۳ کا ایک حصہ ہے اس میں شراب کے گناہ کی تھوڑی سی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اس سے نشہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس حالت میں انسان الفاظ بھی صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتا لہٰذا اس حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ نشہ کی حالت اتر جائے تو پھر نماز پڑھو۔

سورۃ مائدہ کی آیت نوے میں دو چیزوں کا بیان ہے ایک شراب کے ساتھ جوئے بت پرستی اور فال کے تیروں کو شامل کر کے، انہیں گندگی شیطانی عمل قرار دیا اور دوسری چیز آخر میں ان سے بچنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تمہاری کامیابی اسی میں مضمر ہے اور

آیت اکیانوے میں تیسری چیز کا بیان ہے کہ اس جوئے اور شراب کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان عداوت ڈالتا ہے اور چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ وہ ان کے ذریعہ اللہ کے ذکر اور نماز سے بھی روکتا ہے لہٰذا اب تو تمہیں باز آنا چاہیئے

پس بقرہ والی آیت میں جو گناہ کا ذکر ہے نساء اور مائدہ والی آیتوں نے اس گناہ کی تشریح بیان فرما دی ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ شراب اور جوا ذکر اللہ اور نماز سے کس طرح روکتے ہیں اور ان سے معاشرہ میں کس طرح عداوت پیدا ہوئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ نساء والی آیت میں یہ موجود ہے کہ اس سے آدمی کو نشہ ہو جاتا ہے اور پھر اس سے آدمی کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ منہ سے کیا کہہ رہا ہے چنانچہ ان آیات کے شانِ نزول سے بھی یہ مضمون واضح ہو جاتا ہے اور اس سلسلہ میں مزید تفصیل مندرجہ ذیل احادیث میں ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر

عَنِ ابْنِ عُمَرَ	ابن عمرؓ سے روایت ہے
قَالَ خَطَبَ عُمَرُ	کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ
عَلٰی مِنْبَرِ رَسُوْلِ	صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	پر خطبہ دیا پس فرمایا کہ شراب
وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهٗ	کی حرمت اتر چکی ہے اور
قَدْ نَزَلَ تَحْرِيْمُ	یہ پانچ چیزوں سے بنتی ہے
الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ	انگور، کھجور، گندم، جو اور

خَمْسَةِ اَشْيَاءَ اَلْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالْعَسَلِ وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ (بخاری)

شہد اور شراب وہ ہے جو عقل میں فتور ڈالے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِتْعِ وَهُوَ نَبِيْذُ الْعَسَلِ فَقَالَ كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتع کے بارے میں پوچھا گیا اور وہ شہد کا نبیذ ہے تو آپ نے فرمایا کہ جو مشروب نشہ کرے وہ حرام ہے

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِى الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ

اور ابن عمر سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور دنیا میں جو ہمیشہ شراب پینے والا مرجائے توبہ نہ کرے

لَمْ يَشْرَبْ بِهَا فِي الْآخِرَةِ (مسلم)	تو آخرت میں وہ شراب نہیں پیئے گا۔
عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ (ترمذی)	جابر سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ دے تو وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے۔
عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَالْكُوْبَةِ وَالْغُبَيْرَاءِ وَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ	عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب جوئے کوبہ اور غبیراء سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

تشریح

یہاں پانچ احادیث ذکر کی گئی ہیں اور یہ شراب کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کی تشریح ہیں کیونکہ وہ آیات مجمل ہیں ان آیات میں اتنا فرمایا ہے کہ شراب اور جوئے سے انسان سے نماز بھی رہ جاتی ہے اور اللہ کا ذکر بھی رہ جاتا ہے اور معاشرہ میں عداوت پیدا ہوتی ہے۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

احادیث میں پوری تفصیل بیان فرما دی ہے۔

پہلی حدیث ابن عمر سے مروی ہے اس میں حضرت عمرؓ کا خطبہ نقل کیا گیا ہے جو اپنے دورِ خلافت میں انہوں نے دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ حرمت شراب کی آیات اُتر چکی ہیں اور شراب پانچ چیزوں سے بنتی ہے انگور، کھجور، گندم، جو اور شہد، اور شراب اس وقت ہوگی جب وہ عقل میں خلل اور فتور پیدا کرے۔ پس معلوم ہوا ان چیزوں سے تیار ہونے والا شیرہ وغیرہ جب تک عقل میں فتور نہ ڈالے تو وہ شراب نہیں ہے اور دوسری حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کے بیئر کو بھی جب نشہ آور ہو جائے تو اس کو شراب میں شامل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اور تیسرے نمبر پر پھر ابن عمر والی حدیث ہے اس میں آپ نے ہر نشہ آور چیز کو شراب فرمایا ہے اور فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور فرمایا کہ شراب نوش اگر اسی حالت میں مر گیا تو وہ آخرت کی شراب سے محروم ہوگا۔

اور چوتھے نمبر پر جابر والی حدیث ہے کہ جس چیز کی کثیر مقدار سے نشہ آتا ہو وہ قلیل بھی حرام ہے۔

اور پانچویں نمبر پہ عبداللہ بن عمر والی حدیث ہے اس میں شراب کے ساتھ جوئے، کوبہ (کھیل ہیں) اور غبیرا (قسم شراب ہے) کو بھی شامل فرمایا ہے۔

علاج، دفع سردی اور تقویت بدن کے لیے شراب پینا حرام ہے

عَنْ دَيْلَمِ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضٍ بَارِدَةٍ وَ نُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلًا شَدِيْدًا وَاِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهٖ عَلٰى اَعْمَالِنَا وَعَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قُلْتُ اِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ قَالَ اِنْ لَمْ يَتْرُكُوْهُ فَقَاتِلُوْهُمْ۔ (ابوداود)

دیلم حمیری سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سرد ملک میں رہتے ہیں اور اس میں ہم سخت کام کرتے ہیں اور ہم اس گندم سے شراب بناتے ہیں تاکہ ہم اس کے ذریعہ تقویت حاصل کریں اور سردی کا دفاع کریں تو آپ نے پوچھا کیا وہ نشہ آور ہے۔ میں نے کہا ہاں تو فرمایا کہ اس سے بچو۔ میں نے کہا کہ لوگ تو اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ نہ چھوڑیں تو ان سے قتال کرو۔

عَنْ وَائِلِ الْحَضْرَمِيِّ أَنَّ طَارِقَ ابْنَ سُوَيْدٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ (مسلم)	وائل حضرمی سے روایت ہے کہ طارق بن سوید نے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اُسے منع فرمایا تو اس نے کہا، میں دوائی کے لیے بناتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ وہ دوا نہیں ہے بلکہ وہ بیماری ہے۔

تشریح

یہ دونوں احادیث باب شراب میں وارد آیات کی تشریح ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج، دفع سردی اور تقویت بدن کے لیے بھی شراب پینا حرام ہے اور یہاں بظاہر اگرچہ کچھ نہ کچھ منافع نظر آتا ہے مگر گناہ زیادہ ہونے کی وجہ سے آپ نے اس سے منع فرمایا ہے

شراب پینے کا دُنیاوی نقصان

جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ میں بھی شراب اور قمار یعنی جُوا کھیلنے کا رواج تھا، عام لوگ تو ان دونوں چیزوں کی صرف ظاہری فوائد کو دیکھ کر اُن پر فریفتہ تھے، ان

کے اندر جو بہت سے مفاسد اور خرابیاں ہیں ان کی طرف نظر نہیں تھی لیکن عادۃ اللہ یہ بھی ہے کہ ہر قوم اور ہر خطہ میں کچھ عقل والے بھی ہوتے ہیں جو طبیعت پر عقل کو غالب رکھتے ہیں، کوئی طبعی خواہش اگر عقل کے خلاف ہو تو وہ اس خواہش کے پاس نہیں جاتے، اس معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو بہت ہی بلند تھا، کہ جو چیز کسی وقت حرام ہونے والی تھی آپؐ کی طبیعت اس سے پہلے ہی نفرت کرتی تھی، صحابہ کرام میں بھی کچھ ایسے حضرات تھے جنہوں نے حلال ہونے کے زمانے میں بھی کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا، مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد چند حضرات صحابہ کو ان کے مفاسد کا زیادہ احساس ہوا۔ حضرت فاروق اعظمؓ اور معاذ بن جبلؓ اور چند انصاری صحابہؓ اسی احساس کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ شراب اور قمار انسان کی عقل کو بھی خراب کرتے ہیں اور مال بھی برباد کرتے ہیں، ان کے بارے میں آپؐ کا کیا ارشاد ہے۔ اس سوال کے جواب میں آیت مذکورہ نازل ہوئی، یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب اور جوئے سے مسلمانوں کو روکنے کا ابتدائی قدم اٹھایا گیا۔

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ شراب اور جوئے میں اگرچہ لوگوں کے کچھ ظاہری فوائد ضرور ہیں، لیکن ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کے منافع اور فوائد سے بڑھی ہوئی ہیں اور گناہ کی باتوں سے وہ چیزیں مراد ہیں جو کسی گناہ کا سبب بن جائیں، مثلاً شراب میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ عقل و ہوش زائل ہو جاتا ہے جو تمام کمالات اور شرف انسانی کا اصل اصول ہے کیونکہ

عقل ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسانوں کو بُرے کاموں سے روکتی ہے جب وہ نہ رہی تو ہر بُرے کام کے لیے راستہ ہموار ہوگیا۔

اس آیت میں صاف طور پر شراب کو حرام تو نہیں کہا گیا، مگر اس کی خرابیاں اور مفاسد بیان کر دیئے گئے، کہ شراب کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں اور خرابیوں میں مبتلا ہو سکتا ہے گویا اس کے ترک کرنے کے لیے ایک قسم کا مشورہ دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ کرام تو اس مشورہ ہی کو قبول کر کے اسی وقت شراب کو چھوڑ بیٹھے، اور بعض نے یہ خیال کیا کہ اس آیت نے شراب کو حرام تو کیا نہیں، بلکہ مفاسد دینی کا سبب بننے کی وجہ سے اس کو سبب گناہ قرار دیا ہے۔ ہم اس کا اہتمام کریں گے کہ وہ مفاسد واقع نہ ہوں، تو پھر شراب میں کوئی حرج نہیں، اس لیے پیتے رہے، یہاں تک کہ ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام میں سے چند اپنے دوستوں کی دعوت کی، کھانے کے بعد حسب دستور شراب پی گئی، اسی حال میں نماز مغرب کا وقت آگیا، سب نماز کے لیے کھڑے ہوگئے تو ایک صاحب کو امامت کے لیے آگے بڑھایا، انہوں نے نشہ کی حالت میں جو تلاوت شروع کی تو سورۃ قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ کو غلط پڑھا، اس پر شراب سے روکنے کے لیے دوسرا قدم اٹھایا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	یعنی اے ایمان والو تم
لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ	نشہ کی حالت میں نماز کے

سُکَارٰی پاس نہ جاؤ۔

اس میں خاص اوقاتِ نماز کے اندر شراب کو قطعی طور پہ حرام کر دیا گیا، باقی اوقات میں اجازت رہی۔ جن حضرات صحابہ نے پہلی آیت نازل ہونے کے وقت شراب کو مطلقاً ترک کر دیا کہ جو چیز انسان کو نماز سے روکے اس میں کوئی خیر نہیں ہو سکتی، جب نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہو گئی تو ایسی چیز کے پاس نہ جانا چاہیئے جو انسان کو نماز سے محروم کر دے، مگر چونکہ علاوہ اوقاتِ نماز کے شراب کی حرمت صاف طور پر نازل نہیں ہوئی تھی، اس لیے کچھ حضرات اب بھی اوقات نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں پیتے رہے، یہاں تک کہ ایک اور واقعہ پیش آیا۔ عتبان بن مالک رضؓ نے چند صحابۂ کرام کی دعوت کی، جن میں سعد بن ابی وقاص رضؓ بھی تھے، کھانے کے بعد حسب دستور شراب کا دَور چلا، نشہ کی حالت میں عرب کی عام عادت کے مطابق شعر و شاعری اور اپنے اپنے مفاخر کا بیان شروع ہوا، سعد بن ابی وقاص رضؓ نے ایک قصیدہ پڑھا، جس میں انصار مدینہ کی ہجو اور اپنی قوم کی مدح و ثنا تھی، اس پر ایک انصاری نوجوان کو غصہ آگیا اور اونٹ کے جبڑے کی ہڈی سعد رضی اللہ عنہ کے سر پہ دے ماری جس سے ان کو شدید زخم آگیا۔ حضرت سعد رضؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس انصاری جوان کی شکایت کی، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی: "اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا فِی الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا۔" یعنی یا اللہ شراب کے بارے میں ہمیں کوئی واضح بیان اور قانون عطا فرما دے"، اس

پر شراب کے متعلق تیسری آیت سورۂ مائدہ کی مفصل نازل ہوگئی، جس میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا، آیت یہ ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	" یعنی اے ایمان والو بات
آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ	یہی ہے کہ شراب اور جوا
وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ	اور بت اور جوئے کے
رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ	تیر، یہ سب گندی باتیں
الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ	شیطانی کام ہیں، سو اس
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝	سے بالکل الگ رہو
إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ	تاکہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو
أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ	یہ چاہتا ہے کہ شراب اور
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ	جوئے کے ذریعہ تمہارے
فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ	آپس میں بغض اور عداوت
وَيَصُدَّكُمْ عَنْ	پیدا کر دے اور اللہ تعالےٰ
ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ	اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے نماز
الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ	سے تم کو باز رکھے سو کیا اب
مُنْتَهُونَ -	بھی باز آؤ گے۔"

(سورۃ المائدہ آیت ۹۰-۹۱)

حرمت شراب کے تدریجی احکام

احکام الٰہیہ کی اصلی اور حقیقی حکمتوں کو تو احکم الحاکمین ہی جانتا ہے مگر احکام شرعیہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلام

نے احکام میں انسانی جذبات کی بڑی رعایت فرمائی ہے تاکہ انسان کو ان کے اتباع میں زیادہ تکلیف نہ ہو، خود قرآن کریم نے فرمایا: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا، " یعنی اللہ تعالیٰ کسی انسان کو ایسا حکم نہیں دیتا جو اس کی قدرت اور وسعت میں نہ ہو" اسی رحمت و حکمت کا تقاضا تھا کہ اسلام نے شراب کے حرام کرنے میں بڑی تدریج سے کام لیا۔

شراب کی تدریجی ممانعت اور حرمت کی قرآنی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں شراب کے متعلق چار آیتیں نازل ہوئی ہیں، جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان میں سے ایک آیت سورۂ بقرہ کی ہے جس کی تفسیر آپ اس وقت دیکھ رہے ہیں، اس میں تو شراب سے پیدا ہو جانے والے گناہوں اور مفاسد کا ذکر کر کے چھوڑ دیا گیا ہے، حرام نہیں کیا، گویا ایک مشورہ دیا کہ یہ چھوڑنے کی چیز ہے مگر چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔

دوسری آیت سورۂ نساء کی لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی میں خاص اوقاتِ نماز کے اندر شراب کو حرام کر دیا گیا باقی اوقات میں اجازت رہی۔

تیسری اور چوتھی دو آیتیں سورۂ مائدہ کی ہیں، جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں ان میں صاف اور قطعی طور پر شراب کو حرام قرار دے دیا۔

شریعت اسلام نے شراب کے حرام کرنے میں اس تدریج سے اس لیے کام لیا کہ عمر بھر کی عادت خصوصاً نشہ کی عادت کو چھوڑ دینا انسانی طبیعت پر انتہائی شاق اور گراں ہوتا، علماء نے فرمایا۔ فطامُ العَادَۃِ اَشَدُّ مِنْ فِطَامِ الرَّضَاعَۃِ " یعنی جیسے

بچے کو ماں کا دودھ پینے کی عادت چھوڑ دینا بھاری معلوم ہوتا ہے انسان کو اپنی کسی عادت مستمرہ کو بدلنا اس سے زیادہ شدید اور سخت ہے" اس لیے اسلام نے حکیمانہ اصول کے مطابق اوّل اس کی برائی ذہن نشین کرائی، پھر نمازوں کے اوقات میں ممنوع کیا، پھر ایک خاص مدت کے بعد قطعی طور پر حرام کر دیا گیا۔

ہاں جس طرح ابتداء تحریم شراب میں آہستگی اور تدریج سے کام لینا حکمت کا تقاضا تھا اسی طرح حرام کر دینے کے بعد اسکی ممانعت کے قانون کو پوری شدت کے ساتھ نافذ کرنا بھی حکمت ہی کا تقاضا تھا اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں اوّل سخت وعیدیں عذاب کی بتلائیں، ارشاد فرمایا کہ یہ امّ الخبائث اور امّ الفواحش ہے، اس کو پی کر آدمی بُرے سے بُرے گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ شراب اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے یہ روایتیں نسائی میں ہیں اور جامع ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی۔ نچوڑنے والا، بنانے والا، پینے والا، پلانے والا، اس کو لاکر دینے والا اور جس کے لیے لائی جاتی، اور اس کا بیچنے والا، خریدنے والا، اس کو ہبہ کرنے والا، اس کی آمدنی کھانے والا۔ اور پھر صرف زبانی تعلیم وتبلیغ پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ عملی اور قانونی طور پر یہ اعلان فرمایا کہ جس کے پاس کسی قسم کی شراب موجود ہو اس کو فلاں جگہ جمع کر دے۔ فرماں بردار صحابۂ کرام نے پہلا حکم پاتے ہی

اپنے اپنے گھروں میں جو شراب استعمال کے لیے رکھی ہوئی تھی اس کو تو اُسی وقت بہا دیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے مدینہ کی گلیوں میں یہ آواز دی کہ شراب حرام کر دی گئی ہے تو جس کے ہاتھ میں جو برتن شراب کا تھا اس کو وہیں پھینک دیا، جس کے پاس کوئی سبو یا خم شراب کا تھا اس کو گھر سے باہر لاکر توڑ دیا۔ حضرت انسؓ اُس وقت ایک مجلس میں دَور جام کے ساقی بنے ہوئے تھے، ابو طلحہ، ابو عبیدہ بن جراح، ابی بن کعب، سہیل رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ موجود تھے، منادی کی آواز کان میں پڑتے ہی سب نے کہا کہ اب یہ شراب سب گرا دو، اس کے جام و سبو توڑ دو، بعض روایات میں ہے کہ اعلانِ حرمت کے وقت جس کے ہاتھ میں جام شراب لبوں تک پہنچا ہوا تھا اس نے وہیں سے اس کو پھینک دیا، مدینہ میں اُس روز شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے بارش کا رُکا پانی، اور مدینہ کی گلیوں میں عرصۂ دراز تک یہ حالت رہی کہ جب بارش برستی تو شراب کی بُو اور رنگ مٹی میں نکھر آتا تھا۔

جس وقت ان کو یہ حکم ملا کہ جس کے پاس کسی قسم کی شراب ہے وہ فلاں جگہ جمع کر دے، اس وقت صرف وہ ذخیرے کچھ رہ گئے تھے جو مال تجارت کی حیثیت سے بازار میں تھے، اُن کو فرمانبردار صحابۂ کرام نے بلا تأمل مقررہ جگہ پر جمع فرما دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ سے شراب کے بہت سے مشکیزوں کو چاک کر دیا اور باقی دوسرے صحابۂ کرام کے حوالے کرکے چاک کرا دیا،

ایک صحابی جو شراب کی تجارت کرتے تھے اور ملک شام سے شراب برآمد کیا کرتے تھے اتفاقاً اس زمانے میں ابھی ساری رقم جمع کرکے ملک شام سے شراب لینے کے لیے گئے ہوئے تھے اور جب یہ تجارتی مال لے کر واپس ہوئے تو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی اُن کو اعلانِ حرمت کی خبر مل گئی، جاں نثار صحابی نے اپنے پورے سرمائے اور محنت کی حاصلات کو جس سے بڑے نفع کی امیدیں لیے ہوئے آرہے تھے اعلانِ حرمت سن کر اسی جگہ ایک پہاڑی پر ڈال دیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ اب میرے اس مال کے متعلق کیا حکم ہے اور مجھ کو کیا کرنا چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمانِ خداوندی کے مطابق حکم دے دیا کہ سب مشکیزوں کو چاک کرکے شراب بہادو۔ فرمانبردار محبّ خدا اور رسولؐ نے بلا کسی جھجک کے اپنے ہاتھ سے اپنا پورا سرمایہ زمین پر بہا دیا، یہ بھی اسلام کا ایک معجزہ اور صحابۂ کرام کی حیرت انگیز و بے مثال اطاعت ہے جو اس واقعہ میں ظاہر ہوئی۔ کہ جس چیز کی عادت ہو جائے سب جانتے ہیں کہ چھوڑنا سخت دشوار ہے اور یہ حضرات بھی اس کے ایسے عادی تھے کہ تھوڑی دیر اس سے صبر کرنا دشوار تھا، ایک حکم الٰہی اور فرمانِ نبویؐ نے ان کی عادات میں ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا کہ اب یہ شراب اور جوئے سے ایسے ہی متنفر ہیں، جیسے اس سے پہلے ان کے عادی تھے۔

اسلامی سیاست اور عام ملکی سیاستوں کا فرقِ عظیم

مذکورہ آیات، پھر واقعات میں حرمتِ شراب کے حکم پر مسلمانوں کے عمل کا ایک نمونہ سامنے آگیا ہے جس کو اسلام کا معجزہ کہو یا پیغمبرانہ تربیت کا بے مثال اثر، یا اسلامی سیاست کا لازمی نتیجہ کہ نشہ کی عادت جس کے چھوڑنے کا انتہائی دشوار ہونا ہر شخص کو معلوم ہے اور عرب میں اس کا رواج اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ چند گھنٹے اس کے بغیر صبر نہیں کر سکتے تھے، وہ کیا چیز تھی جس نے ایک ہی اعلان کی آواز کان میں پڑتے ہی ان سب کے مزاجوں کو بدل ڈالا، ان کی عادتوں میں وہ انقلاب پیدا کر دیا کہ اب سے چند منٹ پہلے جو چیز انتہائی مرغوب بلکہ زندگی کا سرمایہ تھی وہ چند منٹ کے بعد انتہائی مبغوض اور فحش و ناپاک ہو گئی۔

اس کے بالمقابل آج کی ترقی یافتہ سیاست کی ایک مثال کو سامنے رکھ لیجئے کہ اب سے چند سال پہلے امریکہ کے ماہرینِ صحت اور سماجی مصلحین نے جب شراب نوشی کی بے شمار اور انتہائی مہلک خرابیوں کو محسوس کر کے ملک میں شراب نوشی کو قانوناً ممنوع کرنا چاہا تو اس کے لیے اپنے نشر و اشاعت کے وہ نئے سے نئے ذرائع جو اس ترقی یافتہ سیاست کا بڑا کمال سمجھے جاتے تھے سب ہی شراب نوشی کے خلاف ذہن ہموار کرنے پر لگا دیئے۔ سینکڑوں اخبارات اور رسائل اس کی خرابیوں پر مشتمل ملک میں لاکھوں کی تعداد میں شائع کیے گئے، پھر امریکی دستور میں ترمیم کر کے امتناعِ شراب کا قانون نافذ کیا گیا مگر ان سب کا اثر جو کچھ امریکہ

میں آنکھوں نے دیکھا، اور وہاں کے ارباب سیاست کی رپورٹوں سے دُنیا کے سامنے آیا وہ یہ تھا کہ اس ترقی یافتہ اور تعلیمیافتہ قوم نے اس ممانعت قانونی کے زمانے میں عام زمانوں کی نسبت بہت زیادہ شراب استعمال کی، یہاں تک کہ مجبور ہو کر حکومت کو اپنا قانون منسوخ کرنا پڑا۔

عرب مسلمانوں اور موجودہ ترقی یافتہ امریکیوں کے حالات و معاملات کا یہ عظیم فرق تو ایک حقیقت اور واقعہ ہے، جس کا کسی کو انکار کرنے کی گنجائش نہیں، یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس عظیم الشان فرق کا اصلی سبب اور راز کیا ہے۔

ذرا سا غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ شریعت اسلام نے صرف قانون کو قوم کی اصلاح کے لیے کبھی کافی نہیں سمجھا، بلکہ قانون سے پہلے ان کی ذہنی تربیت کی اور عبادت و زہادت اور فکر آخرت کے کیمیاوی نسخے سے ان کے مزاجوں میں ایک بڑا انقلاب لاکر ایسے افراد پیدا کر دیئے جو رسول ﷺ کی آواز پر اپنی جان و مال آبرو سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ مکی زندگی کے پورے دور میں یہی افراد سازی کا کام ریاضتوں کے ذریعے ہوتا رہا، جب جاں نثاروں کی جماعت تیار ہو گئی اس وقت قانون جاری کیا گیا، ذہنوں کو ہموار کرنے کے لیے تو امریکہ نے بھی اپنے بے مثال ذرائع استعمال کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، ان کے سامنے سب کچھ تھا مگر فکر آخرت نہیں تھی، اور مسلمانوں کے رگ و پے میں فکر آخرت سمائی ہوئی تھی۔

کاش! آج بھی ہمارے عقلاء اس نسخہ کیمیا کو استعمال کرکے دیکھیں تو دنیا کو امن و سکون نصیب ہو جائے۔

شراب کے مفاسد اور فوائد میں موازنہ

اس آیت میں شراب اور قمار دونوں کے متعلق قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ ان دونوں میں کچھ مفاسد بھی ہیں اور کچھ فوائد بھی، مگر اس کے مفاسد فوائد سے بڑھے ہوئے ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ اس پر نظر ڈالی جائے کہ ان کے فوائد کیا ہیں اور مفاسد کیا، اور پھر یہ کہ فوائد سے زیادہ مفاسد ہونے کے کیا وجوہ ہیں۔ آخر میں چند فقہی ضابطے بیان کئے جائیں گے جو اس آیت سے مستفادہ ہوتے ہیں۔

پہلے شراب کو لے لیجئے، اس کے فوائد تو عام لوگوں میں مشہور و معروف ہیں کہ اس سے لذت و فرحت حاصل ہوتی ہے اور وقتی طور پر قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ رنگ صاف ہو جاتا ہے مگر ان حقیر وقتی فوائد کے مقابلے میں اس کے مفاسد اتنے کثیر و وسیع اور گہرے ہیں کہ شاید کسی دوسری چیز میں اتنے مفاسد اور مضرات نہ ہوں گے، بدنِ انسانی پر شراب کے مضرات یہ ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ معدے کے فعل کو فاسد کر دیتی ہے۔ کھانے کی خواہش کم کر دیتی ہے، چہرے کی ہیئت بگاڑ دیتی ہے، پیٹ بڑھ جاتا ہے مجموعی حیثیت سے تمام قویٰ پر یہ اثر ہوتا ہے جو ایک جرمنی ڈاکٹر نے بیان کیا ہے کہ "جو شخص شراب کا عادی ہو چالیس سال کی عمر میں اس کے بدن کی ساخت ایسی ہو جاتی ہے، جیسے ساٹھ سالہ بوڑھے کی" جسمانی اور قوت کے اعتبار سے سٹھیائے ہوئے

بوڑھوں کی طرح ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ شراب جگر اور گردوں کو خراب کر دیتی ہے، سل کی بیماری شراب کا خاص اثر ہے، یورپ کے شہروں میں سل کی کثرت کا بڑا سبب شراب ہی کو بتلایا جاتا ہے، وہاں کے بعضے ڈاکٹروں کا قول ہے کہ یورپ میں آدھی اموات مرض سل میں ہوتی ہیں اور آدھی دوسرے امراض میں، اور اس بیماری کی کثرت یورپ میں اسی وقت سے ہوئی جب سے وہاں شراب کی کثرت ہوئی۔

یہ تو شراب کی جسمانی اور بدنی مضرتیں ہیں، اب عقل پہ اس کی مضرت کو تو ہر شخص جانتا ہے، مگر صرف اتنا ہی جانتے ہیں، کہ شراب پی کر جب تک نشہ رہتا ہے اس وقت تک عقل کام نہیں کرتی، لیکن اہل تجربہ اور ڈاکٹروں کی تحقیق یہ ہے کہ نشہ کی عادت خود قوت عاقلہ کو بھی ضعیف کر دیتی ہے، جس کا اثر ہوش میں آنے کے بعد بھی رہتا ہے، بعض اوقات جنون تک اس کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اطبا اور ڈاکٹروں کا اتفاق ہے کہ شراب نہ جزو بدن بنتی ہے اور نہ اس سے خون بنتا ہے، جس کی وجہ سے بدن میں طاقت آئے بلکہ اس کا فعل صرف یہ ہوتا ہے کہ خون میں ہیجان پیدا کر دیتی ہے جس سے وقتی طور پر قوت کی زیادتی محسوس ہونے لگتی ہے اور یہی خون کا دفعتہً ہیجان بعض اوقات اچانک موت کا سبب بھی بن جاتا ہے جس کو ڈاکٹر ہارٹ فیل ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔

شراب سے شرائین یعنی وہ رگیں جن کے ذریعے سارے بدن میں روح پہنچتی ہے سخت ہو جاتی ہیں جس سے بڑھاپا جلدی آجاتا ہے

شراب کا اثر انسان کے حلقوم اور تنفس پر بھی خراب ہوتا ہے جس کی وجہ سے آواز بھاری ہو جاتی ہے اور کھانسی دائمی ہو جاتی ہے، اور وہی آخر کار سل تک نوبت پہنچا دیتی ہے، شراب کا اثر نسل پر بھی بُرا پڑتا ہے، شرابی کی اولاد کمزور رہتی ہے اور بعض اوقات اس کا نتیجہ قطع نسل تک پہنچتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شراب پینے کی ابتدائی حالت میں بظاہر انسان اپنے جسم میں چستی و چالاکی اور قوت محسوس کرتا ہے اسی لیے بعض لوگ جو اس میں مبتلا ہوتے ہیں وہ ان طبّی حقائق کا انکار کرتے ہیں، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ شراب کا یہ زہر ایسا زہر ہے جس کا اثر تدریجی طور پر ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد یہ سب مضرّتیں مشاہدہ میں آجاتی ہیں، جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

شراب کا ایک بڑا مفسدہ تمدّنی یہ ہے کہ وہ اکثر لڑائی جھگڑے کا سبب بنتی ہے اور پھر یہ بغض و عداوت دور تک انسان کو نقصان پہنچاتی ہیں، شریعت اسلام کی نظر میں یہ مفسدہ سب سے بڑا ہے، اس لیے قرآن نے سورۂ مائدہ میں خصوصیت کے ساتھ اس مفسدہ کا ذکر فرمایا ہے، اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ، "یعنی شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں بغض و عداوت پیدا کر دے"۔

شراب کا ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ مدہوشی کے عالم میں بعض

اوقات آدمی اپنا پوشیدہ راز بیان کر ڈالتا ہے۔ جس کی مضرّت اکثر بڑی تباہ کن ہوتی ہے، خصوصًا وہ اگر کسی حکومت کا ذمہ دار آدمی ہے اور راز بھی حکومت کا راز ہے، جس کے اظہار سے پورے ملک میں انقلاب آسکتا ہے اور ملکی سیاست اور جنگی مصالح سب برباد ہو جاتے ہیں ہوشیار جاسوس ایسے مواقع کے منتظر رہتے ہیں۔

شراب کا ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو ایک کھلونا بنا دیتی ہے جس کو دیکھ کر بچے بھی ہنستے ہیں، کیونکہ اس کا کلام اور اس کی حرکات سب غیر متوازن ہو جاتی ہیں، شراب کا ایک عظیم تر مفسدہ یہ ہے کہ وہ اُمّ الخبائث ہے، انسان کو تمام بُرے سے بُرے جرائم پر آمادہ کر دیتی ہے، زنا اور قتل اکثر اس کے نتائج ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عام شراب خانے زنا اور قتل کے اڈے ہوتے ہیں، یہ شراب کی جسمانی مضرتیں ہیں اور اس کی رُوحانی مضرت تو ظاہر ہی ہے کہ نشہ کی حالت میں نہ نماز ہو سکتی ہے نہ اللہ کا ذکر نہ اور کوئی عبادت، اسی لیے قرآن کریم میں شراب کی مضرّت کے بیان میں فرمایا: وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ "یعنی شراب تم کو ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہے"۔

اب مالی مضرّت اور نقصان کا حال سنئے جس کو ہر شخص جانتا ہے، کسی بستی میں اگر ایک شراب خانہ کھل جاتا ہے تو وہ پوری بستی کی دولت کو سمیٹ لیتا ہے، اس کی قسمیں بے شمار ہیں اور بعض اقسام تو بے حد گراں ہیں، بعض اعداد و شمار رکھنے والوں نے صرف ایک شہر میں شراب کا مجموعی خرچہ پوری مملکت فرانس کے مجموعی

خرچ کے برابر بتلایا ہے۔

یہ شراب کے دینی، دنیوی، جسمانی اور روحانی مفاسد کی مختصر فہرست ہے جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کلمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ "اُمّ الخبائث" یا "اُمّ الفواحش" ہے، جرمنی کے ایک ڈاکٹر کا یہ مقولہ ضرب المثل کی طرح مشہور ہے کہ اس نے کہا کہ اگر آدھے شراب خانے بند کر دیئے جائیں تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ آدھے شفا خانے اور آدھے جیل خانے بے ضرورت ہو کر بند ہو جائیں گے (تفسیر المنار لمفتی عبدہ، ص ۲۲۶ ج ۲)

علامہ طنطاوی نے اپنی کتاب الجواہر میں اس سلسلے کی چند اہم معلومات لکھی ہیں ان میں سے بعض یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

ایک فرانسیسی محقق ہنری اپنی کتاب "خواطر وسوانح فی الاسلام" میں لکھتے ہیں:

"بہت زیادہ مہلک ہتھیار جس سے اہل مشرق کی بیخ کنی کی گئی اور وہ دو دھاری تلوار جس سے مسلمانوں کو قتل کیا گیا ---- یہ شراب تھی ---- ہم نے الجزائر کے لوگوں کے خلاف یہ ہتھیار آزمایا، لیکن ان کی اسلامی شریعت ہمارے راستہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو گئی، اور وہ ہمارے اس ہتھیار سے متاثر نہیں ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی نسل بڑھتی ہی چلی گئی، یہ لوگ اگر ہمارے اس تحفہ کو قبول کر لیتے جس طرح کہ ان کے ایک منافق قبیلے نے اس کو قبول کر لیا ہے تو یہ بھی ہمارے سامنے ذلیل وخوار ہو جاتے، آج جن لوگوں

کے گھروں میں ہماری شراب کے دور چل رہے ہیں وہ ہمارے سامنے اتنے حقیر و ذلیل ہو گئے ہیں کہ سر نہیں اُٹھا سکتے"۔

ایک انگریز قانون داں بنتام لکھتے ہیں کہ:

" اسلامی شریعت کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں شراب حرام ہے، ہم نے دیکھا کہ جب افریقہ کے لوگوں نے اسے استعمال کرنا شروع کیا تو ان کی نسلوں میں پاگل پن سرایت کرنے لگا، اور یورپ کے جن لوگوں کو اس کا چسکہ لگ گیا ان کی بھی عقلوں میں تغیّر آنے لگا، لہٰذا افریقہ کے لوگوں کے لیے بھی اس کی ممانعت ہونی چاہیئے، اور یورپین لوگوں کو بھی اس پر شدید سزائیں دینی چاہیئں"۔

غرض جس بھلے مانس نے بھی ٹھنڈے دل سے غور کیا وہ بے اختیار پکار اُٹھا کہ یہ رجس ہے، شیطانی عمل ہے، زہر ہے، تباہی اور بربادی کا ذریعہ ہے، اس اُمّ الخبائث سے باز آجاؤ، فھل انتم منتھون۔

شراب کی حُرمت و ممانعت کے متعلق قرآن کریم کی چار آیتوں کا بیان اُوپر آچکا ہے، سورۂ نحل میں ایک جگہ اور بھی نشہ کی چیزوں کا ذکر ایک دوسرے انداز سے آیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بھی یہاں ذکر کر دیا جائے، تاکہ شراب و نشہ کے متعلق تمام قرآنی ارشادات مجموعی طور پر سامنے آجائیں، وہ آیت یہ ہے:

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ	" اور کھجور اور انگور کے
وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ	پھلوں سے تم لوگ نشہ کی
مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا	چیز اور عمدہ کھانے کی

حَسَنًا، اِنَّ فِیْ	چیزیں بناتے ہو، بے شک
ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ	اس میں ان لوگوں کے لیے
یَّعْقِلُوْنَ ○ (سورۃ النحل آیت ٦٧)	بڑی دلیل ہے جو عقل رکھتے ہیں

تشریح و تفسیر

پچھلی آیتوں میں حق تعالیٰ کی اُن نعمتوں کا ذکر تھا جو انسانی غذائیں پیدا کرنے میں عجیب و غریب صنعت و قدرت کا مظہر ہیں، اس میں پہلے دُودھ کا ذکر کیا، جس کو قدرت نے حیوان کے پیٹ میں خون اور فضلہ کی آلائشوں سے الگ کر کے صاف ستھری غذا انسان کے لیے عطا کر دی، جس میں انسان کو کسی مزید صنعت کی ضرورت نہیں، اسی لیے یہاں لفظ نسقیکم استعمال فرمایا، کہ ہم نے دُودھ پلایا، اس کے بعد فرمایا کہ کھجور اور انگور کے کچھ پھلوں میں سے بھی انسان اپنی غذا اور نفع کی چیزیں بناتا ہے، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ کھجور اور انگور کے پھلوں میں سے اپنی غذا اور منفعت کی چیزیں بنانے میں اِنسانی صنعت کا کچھ دخل ہے، اور اسی دخل کے نتیجہ میں دو طرح کی چیزیں بنائی گئیں، ایک نشہ آور چیز، جس کو خمر یا شراب کہا جاتا ہے دوسری رزق حسن یعنی عمدہ رزق کہ کھجور اور انگور کو تر و تازہ کھانے میں استعمال کریں یا خشک کر کے ذخیرہ کر لیں، مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کھجور اور انگور کے پھل انسان کو دے دیئے، اور ان سے اپنی غذا وغیرہ بنانے کا اختیار بھی دے دیا، اب یہ اس کا انتخاب ہے کہ اس سے کیا بنائے، نشہ آور چیز بنا کر عقل

کو خراب کرے یا غذا بنا کر قوت حاصل کرے۔

اس تفسیر کے مطابق اس آیت سے نشہ آور شراب کے حلال ہونے پر کوئی استدلال نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہاں مقصود قدرت کے عطیات اور ان کے استعمال کی مختلف صورتوں کا بیان ہے، جو ہر حال میں نعمت خداوندی ہے، جیسے تمام غذائیں اور انسانی منفعت کی چیزیں کہ اُن کو بہت سے لوگ ناجائز طریقوں پر بھی استعمال کرتے ہیں مگر کسی کے غلط استعمال سے اصل نعمت نعمت ہونے سے نہیں نکل جاتی، اس لیے یہاں یہ تفصیل بتلانے کی ضرورت نہیں کہ ان میں کونسا استعمال حلال ہے کونسا حرام ہے، تاہم ایک لطیف اشارہ اس میں بھی اس طرف کر دیا کہ "سکر" کے مقابل "رزق حسن" رکھا، جس سے معلوم ہوا کہ سکر اچھا رزق نہیں، سکر کے معنی جمہور مفسرین[1] کے نزدیک نشہ آور چیز کے ہیں، (روح المعانی، قرطبی، جصاص)

یہ آیات باتفاق امت مکی ہیں، اور شراب کی حرمت اس کے بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی، نزول آیات کے وقت اگرچہ شراب حلال تھی اور مسلمان عام طور پر پیتے تھے، مگر اس وقت بھی اس آیت میں اشارہ اس طرف کر دیا گیا کہ اس کا پینا اچھا نہیں، بعد میں صراحۃً شراب کو شدت کے ساتھ حرام کرنے کے لیے قرآنی احکام نازل ہو گئے (ہذا ملخص ما فی الجصاص والقرطبی)

---

[1] بعض علماء نے اس کے معنی سرکہ یا بے نشہ نبیذ کے بھی لئے ہیں (جصاص، قرطبی) مگر اس جگہ اس اختلاف کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ۱۲ منہ۔

حرمت قمار (جوا)

میسر مصدر ہے، اور اصل لغت میں اس کے معنی تقسیم کرنے کے ہیں، یا تیسر تقسیم کرنے والے کو کہا جاتا ہے، جاہلیت عرب میں مختلف قسم کے جوئے رائج تھے جن میں ایک قسم یہ بھی تھی کہ اونٹ ذبح کر کے اس کے حصے تقسیم کرنے میں جوا کھیلا جاتا تھا، بعض کو ایک یا زیادہ حصے ملتے بعض محروم رہتے تھے، محروم رہنے والے کو پورے اونٹ کی قیمت ادا کرنا پڑتی تھی، گوشت سب فقراء میں تقسیم کیا جاتا خود استعمال نہ کرتے تھے۔

اس خاص جوئے میں چونکہ فقراء کا فائدہ اور جوا کھیلنے والوں کی سخاوت بھی تھی، اسی لیے اس کھیل کو باعث فخر سمجھتے تھے، جو اس میں شریک نہ ہوتا اس کو کنجوس اور منحوس کہتے تھے۔

تقسیم کی مناسبت سے قمار کو میسر کہا جاتا ہے، تمام صحابہؓ و تابعین اس پر متفق ہیں کہ میسر میں قمار یعنی جوئے کی تمام صورتیں داخل اور سب حرام ہیں، ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اور جصاصؒ نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے کہ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابن عمرؓ اور قتادہؒ اور معاویہ بن صالحؒ اور عطاءؒ اور طاؤسؒ نے فرمایا:

المیسر القمار حتیٰ لعب الصبیان بالکعاب والجوز، "یعنی ہر قسم کا قمار میسر ہے، یہاں تک کہ بچوں کا کھیل لکڑی کے گٹکوں اور اخروٹ وغیرہ کے ساتھ۔"

اور ابن عباسؓ نے فرمایا اَلْمُخَاطَرَۃُ مِنَ الْقِمَارِ "یعنی مخاطرہ قمار میں سے ہے"۔ (جصاص) ابن سیرین نے فرمایا جس کام میں مخاطرہ ہو وہ مَیْسِر میں داخل ہے (روح البیان)

مخاطرہ کے معنی ہیں کہ ایسا معاملہ کیا جائے جو نفع وضرر کے درمیان دائر ہو، یعنی یہ بھی احتمال ہو کہ بہت سا مال مل جائے اور یہ بھی کہ کچھ نہ ملے، جیسے آج کل کی لاٹری کے مختلف طریقوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ سب قسمیں قمار اور میسر میں داخل اور حرام ہیں، اس لیے میسر یا قمار کی تعریف یہ ہے کہ جس معاملہ میں کسی مال کا مالک بنانے کو ایسی شرط پر موقوف رکھا جائے جس کے وجود وعدم کی دونوں جانبیں بھی مساوی ہوں اور اسی بناء پر نفع خالص یا تاوان خالص برداشت کرنے کی دونوں جانبیں بھی برابر ہوں (شامی، ص ۳۵۵ جلد ۵ کتاب الحظر والاباحۃ) مثلاً یہ بھی احتمال ہے کہ زید پر تاوان پڑجائے، اور یہ بھی ہے کہ عمر پر پڑجائے، اس کی جتنی قسمیں اور صورتیں پہلے زمانے میں رائج تھیں یا آج رائج ہیں یا آئندہ پیدا ہوں وہ سب مَیْسِر اور قِمار اور جُوا کہلائے گا، معمے حل کرنے کا چلتا ہوا کاروبار اور تجارتی لاٹری کی عام صورتیں سب اس میں داخل ہیں، ہاں اگر صرف ایک جانب سے انعام مقرر کیا جائے۔ کہ جو شخص فلاں کام کرے گا اس کو یہ انعام ملے گا، اس میں مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اس شخص سے کوئی فیس وصول نہ کی جائے، کیونکہ اس میں معاملہ نفع وضرر کے درمیان دائر نہیں بلکہ نفع اور عدم نفع کے درمیان دائر ہے۔

اسی لیے احادیثِ صحیحہ میں شطرنج اور چوسر وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا

ہے، جن میں مال کی ہار جیت پائی جاتی ہے، تاش پر اگر روپیہ کی ہار جیت ہو تو وہ بھی مَیسِر میں داخل ہے۔

صحیح مسلم میں بروایت بریدہؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نردشیر (چوسر) کھیلتا ہے وہ گویا خنزیر کے گوشت اور خون میں اپنے ہاتھ رنگتا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ شطرنج مَیسِر یعنی جوئے میں داخل ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا شطرنج تو نردشیر سے بھی زیادہ بُری ہے (تفسیر ابن کثیر)

ابتدا اسلام میں شراب کی طرح قمار بھی حلال تھا، مکہ میں جب سورۂ رُوم کی آیات غُلِبَتِ الرُّوْمُ نازل ہوئی، اور قرآن نے خبر دی کہ اس وقت رُوم اگرچہ اپنے حریف کسرٰی سے مغلوب ہو گئے لیکن چند سال بعد پھر رُومی غالب آجائیں گے، مُشرکین مکہ نے اس کا انکار کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ان سے اسی طرح قمار کی شرط ٹھہرائی کہ اگر اتنے سال میں رُومی غالب آگئے تو اتنا مال تمہیں دینا پڑے گا، یہ شرط مان لی گئی اور واقعہ قرآن کی خبر کے مطابق پیش آیا، تو ابوبکرؓ نے یہ مال وصول کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپؐ نے اس واقعہ پر اظہارِ مسرّت فرمایا مگر مال کو صدقہ کرنے کا حکم دیدیا۔

کیونکہ جو چیز آئندہ حرام ہونے والی تھی اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال ہونے کے زمانے میں بھی اس سے محفوظ فرما دیا تھا، اسی لیے شراب اور قمار سے .... ہمیشہ آپ نے اجتناب کیا اور خاص خاص صحابۂ کرام بھی ان چیزوں سے ہمیشہ محفوظ رہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جعفر طیّار کی چار خصلتیں زیادہ محبوب ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ سے پوچھا کہ آپ میں وہ چار خصلتیں کیا ہیں۔ عرض کیا کہ میں نے اس کا اظہار اب تک کسی سے نہیں کیا تھا، مگر جب آپ کو اللہ تعالےٰ نے خبر دے دی تو عرض کرتا ہوں کہ وہ چار خصلتیں یہ ہیں کہ میں نے دیکھا کہ شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے اس لیے میں کبھی اس کے پاس نہیں گیا اور میں نے بتوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں کسی کا نفع وضرر نہیں اس لیے جاہلیت میں بھی کبھی بت پرستی نہیں کی اور مجھے چونکہ اپنی بیوی اور لڑکیوں کے معاملہ میں سخت غیرت ہے اس لیے میں نے کبھی زنا نہیں کیا، اور میں نے دیکھا کہ جھوٹ بولنا دناءت اور رذالت کی بات ہے اس لیے کبھی جہالت میں بھی جھوٹ نہیں بولا (روح البیان)

قمار یعنی جوئے کے متعلق بھی قرآن کریم نے وہی ارشاد فرمایا جو شراب کے متعلق آیا ہے کہ اس میں کچھ منافع بھی ہیں مگر نفع سے اس کا نقصان وضرر بڑھا ہوا ہے، اس کے منافع کو تو ہر شخص جانتا ہے، کہ جیت جائے تو بیٹھے بیٹھے ایک فقیر بدحال آدمی ایک ہی دن میں مالدار و سرمایہ دار بن سکتا ہے، مگر اسکی معاشی اجتماعی، سماجی اور روحانی خرابیاں اور مفاسد بہت کم لوگ جانتے ہیں، اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جوئے کا کھیل سارا اس پر دائر ہے کہ ایک شخص کا نفع دوسرے کے ضرر پر موقوف ہے۔ جیتنے والے کا نفع ہی نفع ہارنے والے کے نقصان ہی نقصان کا نتیجہ ہوتا ہے، کیونکہ اس کاروبار سے کوئی دولت بڑھتی نہیں وہ اسی طرح منجمد حالت میں رہتی ہے۔ اس کھیل کے ذریعے

ایک کی دولت سلب ہو کر دوسرے کے پاس پہنچ جاتی ہے، اس لیے قمار مجموعی حیثیت سے قوم کی تباہی اور انسانی اخلاق کی موت ہے، کہ جن انسان کو نفع رسانی، خلق اور ایثار و ہمدردی کا پیکر ہونا چاہیئے، وہ ایک خونخوار درندہ کی خاصیت اختیار کرلے کہ دوسرے بھائی کی موت میں اپنی زندگی، اس کی مصیبت میں اپنی راحت اس کے نقصان میں اپنا نفع سمجھنے لگے، اور اپنی پوری قابلیت اس خود غرضی پر صرف کرے، بخلاف تجارت اور بیع و شراء کے جائز صورتوں کے، ان میں طرفین کا فائدہ ہوتا ہے اور بذریعہ تجارت اموال کے تبادلہ سے دولت بڑھتی ہے، اور خریدنے والا اور بیچنے والا دونوں اس کا فائدہ محسوس کرتے ہیں۔

ایک بھاری نقصان جوئے میں یہ ہے کہ اس کا عادی اصلی کمائی اور کسب سے عادۃً محروم ہوجاتا ہے کیونکہ اس کی خواہش یہی رہتی ہے کہ بیٹھے بٹھائے ایک شرط لگا کر دوسرے کا مال چند منٹ میں حاصل کرے جس میں نہ کوئی محنت ہے نہ مشقت، بعض حضرات نے جوئے کا نام میسر رکھنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس کے ذریعہ آسانی سے دوسرے کا مال اپنا بن جاتا ہے، جوئے کا معاملہ اگر دو چار آدمیوں کے درمیان دائر ہو تو اس میں بھی مذکورہ مضرتیں نمایاں نظر آتی ہیں، لیکن اس نئے دور میں جس کو بعض سطحی نظر والے انسان ناعاقبت اندیشی سے ترقی کا دور کہتے ہیں، جیسے شراب کی نئی نئی قسمیں اور نئے نئے نام رکھ لیے گئے سود کی نئی نئی قسمیں اور نئے نئے اجتماعی طریقے بنکنگ کے نام سے ایجاد کرلیے گئے ہیں، اسی طرح قمار اور جوئے کی بھی ہزاروں قسمیں چل گئیں، جن میں بہت سی قسمیں ایسی اجتماعی ہیں کہ قوم کا تھوڑا تھوڑا روپیہ

جمع ہوتا ہے اور جو نقصان ہوتا ہے وہ ان سب پر تقسیم ہوکر نمایاں نہیں رہتا، اور جس کو یہ رقم ملتی ہے اس کا فائدہ نمایاں ہوتا ہے، اس لیے بہت سے لوگ اس کے شخصی نفع کو دیکھتے ہیں، لیکن قوم کے اجتماعی نقصان پر دھیان نہیں دیتے، اس لیے ان کا خیال ان نئی قسموں کے جواز کی طرف چلا جاتا ہے، حالانکہ اس میں وہ سب مضرتیں موجود ہیں جو دو چار آدمیوں کے جوئے میں پائی جاتی ہیں، اور ایک حیثیت سے اس کا ضرر اس قدیم قسم کے قمار سے بہت زیادہ اور اس کے خراب اثرات دُور رس اور پوری قوم کی بربادی کا سامان ہے، کیونکہ اسکا لازمی اثر یہ ہوگا کہ ملّت کے عام افراد کی دولت گھٹتی جائے گی اور چند سرمایہ داروں کے سرمایہ میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پوری قوم کی دولت سمٹ کر محدود افراد اور محدود خاندانوں میں مترکز ہوجائے گی جس کا مشاہدہ سٹہ بازار اور قمار کی دوسری قسموں میں روزمرہ ہوتا رہتا ہے اور اسلامی معاشیات کا اہم اصول یہ ہے کہ ہر ایسے معاملے کو حرام قرار دیا جس کے ذریعے دولت پوری ملت سے سمٹ کر چند سرمایہ داروں کے حوالے ہوسکے، قرآن کریم نے اس کا اعلان خود تقسیم دولت کا اصول بیان کرتے ہوئے اس طرح فرمادیا ہے: كَيْلَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ یعنی مال فَئے کی تقسیم مختلف طبقوں میں کرنے کا جو اصول قرآن نے مقرر کیا ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ دولت سمٹ کر صرف سرمایہ داروں میں جمع نہ ہوجائے۔

قمار یعنی جوئے کی خرابی یہ بھی ہے کہ شراب کی طرح قمار بھی آپس میں لڑائی جھگڑے اور فتنہ وفساد کا سبب ہوتا ہے، ہارنے والے کو

کو طبعی طور پر جیت جانے والے سے نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے اور یہ تمدن و معاشرت کے لیے سخت مہلک چیز ہے، اسی لیے قرآن حکیم نے خاص طور پر اس مفسدہ کو ذکر فرمایا ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ	شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ
اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ	شراب اور جوئے کے ذریعے
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ	تمہارے آپس میں عداوت
فِي الْخَمْرِ	اور بغض و نفرت پیدا کر دے
وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ	اور تم کو اللہ کے ذکر اور نماز
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ	سے روک دے۔

الصَّلٰوةِ (سورۃ المائدہ آیت ۹۱)

اسی طرح قمار کا ایک لازمی اثر یہ ہے کہ شراب کی طرح آدمی اس میں مست ہو کر ذکر اللہ اور نماز سے غافل ہو جاتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے شراب اور قمار کو ایک ہی جگہ ایک انداز سے ذکر فرمایا ہے کہ معنوی طور پر قمار کا بھی ایک نشہ ہوتا ہے جو آدمی کو اس کے بھلے برے کی فکر سے غافل کر دیتا ہے، مذکورہ آیت میں بھی ان دونوں چیزوں کو جمع کر کے دونوں کے یہ مفاسد ذکر فرمائے ہیں کہ وہ آپس کی عداوت و بغض کا سبب بنتی ہیں، اور ذکر اللہ اور نماز سے مانع بن جاتی ہیں۔

قمار کی ایک اصولی خرابی یہ بھی ہے کہ یہ باطل طریقہ پر دوسرے لوگوں کا مال ہضم کرنے کا ایک طریق ہے کہ بغیر کسی معقول معاوضہ کے دوسرے بھائی کا مال لے لیا جاتا ہے، اسی کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں منع فرمایا ہے

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ، "لوگوں کے مال باطل طریقہ پر مت کھاؤ"۔

قمار میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ دفعتہً بہت سے گھر برباد ہو جاتے ہیں، لکھ پتی آدمی فقیر بن جاتا ہے، جس سے صرف یہی شخص متاثر نہیں ہوتا، جس نے جرم قمار کا ارتکاب کیا ہے، بلکہ اس کا پورا گھرانہ اور خاندان مصیبت میں پڑ جاتا ہے، اور اگر غور کیا جائے تو پوری قوم اس سے متاثر ہوتی ہے، کیونکہ جن لوگوں نے اس کی مالی ساکھ کو دیکھ کر اس سے معاہدے اور معاملات کئے ہوئے ہیں یا قرض دیئے ہوئے ہیں وہ اب دیوالیہ ہو جائے گا تو ان سب پر اس کی بربادی کا اثر پڑنا لازمی ہے۔

قمار میں ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ اس سے انسان کی قوت عمل سست ہو کر وائی منافع پر لگ جاتی ہے اور وہ بجائے اس کے کہ اپنے ہاتھ یا دماغ کی محنت سے کوئی دولت بڑھاتا ہے اس کی فکر اس بات میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے کہ کسی طرح دوسرے کی کمائی پر اپنا قبضہ جمائے، یہ مختصر فہرست ہے قمار کے مفاسد کی جن سے نہ صرف اس جرم کا مرتکب متاثر ہوتا ہے بلکہ اس کے سب متعلقین، اہل و عیال اور پوری قوم متاثر ہوتی ہے، اسی لیے قرآن کریم نے فرمایا: وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ، یعنی شراب و قمار کے مفاسد ان کے نفع سے زیادہ ہیں،

چند فقہی ضابطے اور فوائد

اس آیت میں شراب اور قمار کے بعض فوائد کو تسلیم کرتے ہوئے

اُن سے رُکنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس سے ایک اہم نتیجہ یہ نکل آیا کہ کسی چیز یا کسی کام میں کچھ دنیوی منافع ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ اس کو شرعاً حرام قرار دیا جائے، کیونکہ جس طرح محسوسات میں اس دوا اور غذا کو مضر کہا جاتا ہے جس کی مضرتیں بہ نسبت اس کے فائدے کے زیادہ سخت ہوں ورنہ یوں تو دنیا کی کوئی بُری سے بُری چیز بھی منافع سے خالی نہیں، زہر قاتل میں، سانپ اور بچھو میں، درندوں میں کتنے فوائد ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے ان کو مضر کہا جاتا ہے اور ان کے پاس جانے سے بچنے کی ہدایت کی جاتی ہے، اسی طرح معنوی اعتبار سے جن کاموں کے مفاسد ان کے منافع سے زائد ہوں شرعاً ان کو حرام کہہ دیا جاتا ہے، چوری، ڈاکہ، زنا، اغوار، دھوکہ، فریب وغیرہ تمام جرائم میں کونسا جرم ایسا ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں. کیونکہ اگر یہ بالکل بے فائدہ ہوتے تو کوئی عقل و ہوش والا انسان اُن کے پاس نہ جاتا، حالانکہ ان سب جرائم میں کامل وہی لوگ ہوتے ہیں جو ہوشیاری عقلمندی میں معروف سمجھے جاتے ہیں، اس سے ہی معلوم ہوا کہ فوائد تو کچھ نہ کچھ تمام جرائم میں ہیں، مگر چونکہ اُن کی مضرت فائدہ سے بڑھی ہوئی ہے اس لئے کوئی عقلمند انسان ان کو مفید اور جائز نہیں کہتا شریعت اسلام نے شراب اور جوئے کو انہی اصول کے تحت حرام قرار دیا ہے کہ اسکے فوائد سے زیادہ مفاسد اور دینوی اور دینوی مضرتیں ہیں۔

ایک اور فقہی ضابطہ

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب منفعت سے دفع مضرت

مقدم ہے یعنی ایک کام کے ذریعہ کچھ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور ساتھ ہی کوئی مضرت بھی پہنچتی ہے تو مضرت سے بچنے کے لیے اس منفعت کو چھوڑ دینا ہی ضروری ہوتا ہے ایسی منفعت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو مضرت کے ساتھ حاصل ہو (منقول از معارف القرآن مؤلفہ مفتی محمد شفیعؒ)

شراب نوشی کا اُخروی نقصان

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ	عبد اللہ بن عمر سے روایت
عُمَرَ قَالَ	ہے کہ جناب رسول اللہ
رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ	جو شراب پیئے تو اللہ تعالیٰ
شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ	اس کی چالیس دن کی نماز
يَقْبَلِ اللهُ لَهُ صَلٰوةً	قبول نہیں کرتا پھر اگر وہ
اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ	توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس
تَابَ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ	کی دُعا قبول کرتا ہے اگر
فَاِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ	پھر لوٹے تو اللہ تعالیٰ اس
اللهُ لَهُ صَلٰوةً اَرْبَعِيْنَ	کی چالیس دن کی نماز قبول
صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ	نہیں کرتا پھر اگر توبہ کرے
تَابَ اللهُ عَلَيْهِ فَاِنْ	تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول
عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللهُ	کرتا پھر اگر لوٹے تو اللہ تعالیٰ
لَهُ صَلٰوةً اَرْبَعِيْنَ	اسکی چالیس دن کی نماز قبول

صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةَ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ۔

(ترمذی)

نہیں کرتا پھر اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے پھر اگر چوتھی مرتبہ لوٹے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کرتا پھر اگر توبہ کرے تو اللہ تعالےٰ اس کی توبہ بھی قبول نہیں کرتا اور پلائے گا اسے اللہ تعالیٰ پیپ اور لہو کی نہر میں سے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٌّ وَلَا قَمَّارٌ وَلَا مَنَّانٌ وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ

عبداللہ بن عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا جنت میں والد کا نافرمان، جواری، احسان جتلانے والا اور ہمیشہ شراب پینے والا داخل نہیں ہوگا۔

(دارمی)

تشریح

یہ احادیث بھی باب شراب میں وارد آیات کی تشریح ہیں کیونکہ

ان آیات میں اتنا آیا ہے کہ شراب اور جوئے میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی ہے۔ اور نقصان نفع سے زیادہ ہے اور یہ نقصان عامہ ہے خواہ دنیاوی ہو یا اُخروی ہو۔ دنیاوی کی تشریح اس سے پہلے آگئی ہے اور اخروی کی تشریح ان احادیث میں بیان فرمائی ہے اور ان نقصانات میں سے ایک نقصان تو یہ ہے کہ شراب نوش کی نماز قبول نہیں ہوتی اور جب نماز دین کا اہم ستون قبول نہیں تو باقی عبادات یقیناً قبول نہیں ہوتیں۔

اور دوسرا نقصان یہ ہے کہ شراب نوش کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اور تیسرا نقصان یہ ہے کہ اس کو جنت میں داخلہ نصیب نہیں ہوگا دوزخ میں جائے گا اور دوزخیوں کے زخموں کی پیپ اس کا پینا ہوگا اور حدیث میں والدین کے نافرمان، جُوئے باز، صدقہ دے کر احسان جتلانے والے کی بھی یہی سزا بیان فرمائی ہے۔ ان کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے اور حدیث میں جو چالیس دن تک نماز قبول نہ ہونے کا ذکر آیا ہے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چالیس دن تک شراب کا اثر انسان میں باقی رہتا ہے اور تیسری دفعہ تک جو توبہ قبول کرنے کا ذکر آیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ شراب نوش کے لیے توبہ کی بڑی گنجائش ہے اگر توبہ کرلے تو محدثین نے لکھا ہے کہ چوتھی دفعہ توبہ قبول نہ ہونے سے مراد زجر ہے واللہ اعلم بالصواب۔

شراب نوش کی دُنیاوی سزا

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ يُؤْتٰى بِالشَّارِبِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِمْرَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ فَنَقُوْمُ عَلَيْهِ بِاَيْدِيْنَا وَنِعَالِنَا وَاَرْدِيَتِنَا حَتّٰى كَانَ اٰخِرُ اِمْرَةِ عُمَرَ فَجَلَدَ اَرْبَعِيْنَ حَتّٰى اِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوْا جَلَدَ ثَمَانِيْنَ ۔

سائب بن یزید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ابوبکر کے زمانہ میں اور شروع دور خلافت عمر میں جب شراب نوش لایا جاتا تو ہم کھڑے ہوتے اور اسے اپنے ہاتھوں سے جوتوں سے اور چادروں سے مارتے یہاں تک کہ جب عمر کا آخری دورِ خلافت آیا تو انہوں نے اسے چالیس کوڑے مارے مگر جب ان لوگوں نے سرکشی کی اور فسق و فجور کیا تو عمر نے ان کو اسی کوڑے مارے۔

(بخاری)

عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدَّيْلِيِّ قَالَ اِنَّ

اور ثور بن زید دیلمی سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ

عُمَرَ اِسْتَشَارَ فِیْ	نے شراب کے بارے
حَدِّ الْخَمْرِ فَقَالَ	میں مشورہ طلب کیا تو حضرت
لَہٗ عَلِیٌّ اَرٰی	علی رضؓ نے فرمایا میرا گمان ہے
اَنْ تَجْلِدَہٗ ثَمَانِیْنَ	کہ اسے اسی کوڑے مار
جَلْدَۃً فَاِنَّہٗ اِذَا شَرِبَ	دیں کیونکہ جب وہ شراب
سَکِرَ وَاِذَا سَکِرَ	پیتا ہے تو اسے نشہ ہوتا
ھَذٰی وَاِذَا ھَذٰی	ہے اور جب نشہ ہوتا ہے
افْتَرٰی فَجَلَدَ	تو ہذیان بکتا ہے اور جب
عُمَرُ فِیْ حَدِّ	ہذیان بکتا ہے تو پھر افترا
الْخَمْرِ ثَمَانِیْنَ	باندھتا ہے تو عمر نے حد شراب
(رواہ مالک)	میں اسی کوڑے مارے۔

تشریح

یہ احادیث بھی باب شراب میں وارد آیات کی تشریح ہیں کیونکہ وہ آیات مجمل ہیں کیونکہ ان آیات میں شراب کی ممانعت تو مذکور ہے مگر سزا مذکور نہیں ہے اور ان احادیث میں سزا بیان فرما دی گئی ہے۔

حضرت سائب والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اسی طرح حضرت ابو بکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے شروع دورِ خلافت میں شراب نوش کی سزا کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ ہاتھوں سے جوتوں اور چادر کے کوڑوں سے بھی مارتے تھے مگر حضرت عمر رضؓ کے آخری دورِ خلافت میں پہلے چالیس کوڑے مقرر ہوئے

اور جب لوگوں کی سرکشی بڑھی تو اسی کوڑے مقرر کر دیئے گئے اور حضرت ثور بن زید دیلمی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں اپنی شوریٰ کا اجلاس طلب کیا تو حضرت علیؓ نے یہ رائے دی کہ شراب نوشی کی سزا اسّی کوڑے ہونی چاہیئے تو اس پر سب کا اتفاق ہوا تو اس کے بعد حضرت عمرؓ نے شراب نوشوں کو اسی کوڑوں کی سزا دینا شروع کی پس اس سے معلوم ہوا کہ شراب نوشی کی سزا اسّی کوڑے اجماعی ہے اگرچہ بعض نے چالیس کوڑوں کا بھی کہا ہے مگر وہ اجماعی نہیں ہے۔

شراب نوش کے چہرے پر نہیں مارنا چاہیئے اور اسکو زبانی عار بھی دلانا چاہیئے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا ضَرَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَّقِ الْوَجْهَ (ابوداود)	حضرت ابی ہریرہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی کو مارے تو اسے چہرے پر مارنے سے بچنا چاہیئے۔
عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِیَ	ابی ہریرۃ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ
فَقَالَ اِضْرِبُوْهُ فَمِنَّا
الضَّارِبُ بِيَدِهٖ وَالضَّارِبُ
بِثَوْبِهٖ وَالضَّارِبُ
بِنَعْلِهٖ ثُمَّ قَالَ
بَكِّتُوْهُ فَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِ
يَقُوْلُوْنَ مَا اتَّقَيْتَ
اللّٰهَ مَا خَشِيْتَ
اللّٰهَ وَمَا اسْتَحْيَيْتَ
مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ
بَعْضُ الْقَوْمِ اَخْزَاكَ
اللّٰهُ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا
هٰكَذَا عَلَيْهِ الشَّيْطَانُ
وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ
اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ

(ابوداؤد)

پاس ایک آدمی ایسی حالت
میں لایا گیا کہ اس نے شراب
پی ہوئی تھی تو آپ نے
فرمایا کہ اس کو مارو تو ہم
میں سے بعض نے اسے
ہاتھ سے مارا اور بعض نے
کپڑے سے اور بعض نے
جوتوں سے پھر آپ نے
فرمایا کہ اس کو عار دلاؤ تو لوگوں
نے اسے عار دلانا شروع کیا
کہ کیا تو اللہ سے نہیں ڈرا کیا
تیرے دل میں خدا کا خوف
نہیں ہے کیا تجھے رسول اللہ
سے حیا نہیں آئی پھر بعض آدمیوں
نے کہا کہ خدا تجھے رسوا کرے
تو آپ نے فرمایا ایسا مت
کہو اس کے ساتھ شیطان
ہے بلکہ یوں کہو اے اللہ اس
کے گناہ بخش دے اے
اللہ اس پر رحم فرما۔

تشریح

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب نوش کے چہرے کے سوا جسم کے بقیہ حصہ پر جلّاد مار سکتا ہے اور فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ نازک اعضاء اور سر پر بھی نہیں مار سکتا کیونکہ جو نقصان چہرے پر مارنے سے ہوتا ہے وہی نقصان نازک اعضا اور سر پہ مارنے سے بھی ہوتا ہے اور عام قاعدہ کے تحت شرابی کی سزا کے لیے بھی دو گواہ ہونا ضروری ہے یا وہ خود اعتراف کرے تب اسے سزا دی جائیگی

سوال شراب نوش کی یہ سزا کیوں رکھی گئی ہے حالانکہ اس نے جو شراب پی ہے وہ اپنی جیب سے مال خرچ کر کے پی ہے کسی کی چوری تو نہیں کی۔

جواب تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے تصریح کر آئے ہیں کہ انسان کے پاس جو مال ہے یہ سارے کا سارا اس کا ذاتی نہیں ہے کہ جہاں چاہے خرچ کرے بلکہ اس کی حیثیت ایک ڈپو ہولڈر کی ہے اس کو اللہ تعالی نے یہ مال تقسیم کرنے پر مقرر کیا ہے اور اس کے بیوی بچے ماں باپ، غریب اقرباء اور یتیم مساکین اس کا حلقہ ہے اس میں اس نے یہ مال تقسیم کرنا ہے اور جب یہ شراب نوشی اور جوا بازی میں لگ جائے گا تو کبھی اس کے پاس بہت مال آئے گا اور کبھی خود بھی روٹی کا محتاج ہو جائے گا اور اس طرح اس کے پورے حلقے کی حق تلفی ہو گی اس لیے ایسے آدمی کی یہ سزا رکھی گئی ہے کیونکہ اس نے دولت کو بیجا خرچ کیا ہے اور اسراف کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کونسے گانے اور کھیل خلافِ شرع اور اسراف میں شامل ہیں اور اُن کی سزا

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ۝

(سورہ الانعام آیت ۹۱)

اور انہوں نے اللہ کو صحیح طور پہ نہیں پہچانا، جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ ان سے فرما دیں کہ وہ کتاب جو موسیٰؑ لے کر آئے تھے وہ کس نے اتاری تھی جو لوگوں کے واسطے روشنی اور ہدایت تھی جسے تم نے ورق ورق کرکے لوگوں کو دکھلایا اور بہت سی باتوں کو چھپا رکھا اور تمہیں وہ چیزیں سکھائیں جنہیں تم اور تمہارے باپ دادا نہیں جانتے تھے۔ آپ فرما دیں اللہ ہی نے اتاری تھی پھر انہیں چھوڑ دو اپنی بیہودگی

یں کھیلتے رہیں ۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○
(سورہ التوبہ آیت ۶۵)

اور اگر تم ان سے دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے آپ فرما دیں کیا اللہ سے اور اسکی آیتوں اور اس کے رسولوں سے تم ہنسی کرتے تھے ۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ
(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۶۴)

اور ان میں سے جسے تو اپنی آواز سُنا کر بہکا سکتا ہے بہکا لے ۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ○ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ
(سورۃ الانبیاء آیت ۱-۲)

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آگیا ہے اور وہ غفلت میں پڑ کر مُنہ پھیرنے والے ہیں ان کے رب کی طرف سے انہیں سمجھانے کے لیے کوئی ایسی نئی بات ان کے پاس نہیں آتی کہ جسے سُن کر ہنسی میں نہ ٹال دیتے ہوں ان کے دل کھیل میں لگے ہوتے ہیں ۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے کھیلتے ہوئے نہیں بنایا اور اگر ہم کھیل ہی بنانا چاہتے تو اپنے پاس کی چیزوں کو بناتے اگر ہمیں یہی کرنا ہوتا۔

(سورۃ الانبیاء آیت ١٦-١٧)

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ج

کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تمہیں کھیلنے کے لیے پیدا کیا ہے اور تم ہمارے پاس لوٹ کر نہ آؤ گے پس اللہ بہت بلند ہے جو سچا بادشاہ ہے۔

(سورۃ المومنون آیت ١١٥-١١٦)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

اور کچھ لوگ کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں تاکہ گمراہ کریں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے سوائے علم کے اور اس سے مذاق اڑاتے ہیں ان لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

(سورۃ لقمان آیت ٦)

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور دوزخ والے بہشت والوں کو پکاریں گے کہ ہم پر تھوڑا سا پانی بہادو یا کچھ اس چیز میں سے دو جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے وہ کہیں گے کہ بے شک اللہ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ (سورۃ الاعراف ایت ۵۰-۵۱)

جنہوں نے اپنا دین تماشا اور کھیل بنایا اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، سو آج ہم انہیں بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور جیسا وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے۔

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝ (سورۃ الطور آیت ۱۱-۱۲)

پس اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے جو جھوٹی باتوں میں لگے ہوئے کھیل رہے ہیں۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ۝ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ ۝

پس کیا اس بات سے تم تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور تم کھیل رہے ہو۔

(سورۃ النجم آیت ۵۹-۶۱)

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

اور جب وہ تجارت یا تماشا دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں فرما دیں جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشہ اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے

(سورۃ الجمعۃ آیت ۱۱)

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ ؕ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ

ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے گروی ہے، مگر دائیں جانب والے باغوں میں ہوں گے ایک دوسرے سے پوچھیں گے گناہ گاروں کی نسبت کہ کس چیز نے تمہیں دوزخ میں ڈالا وہ کہیں گے ہم نمازی نہ تھے

مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝	اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا
وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ	کھلاتے تھے اور ہم بکواس
الْمِسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا	کرنے والوں کے ساتھ
نَخُوْضُ مَعَ	بکواس کیا کرتے تھے۔
الْخَائِضِيْنَ ۔	

(سورۃ المدثر آیت ۳۸ تا ۴۵)

تفسیر

یہاں اس بحث میں بائیس آیات جمع کی گئی ہیں۔ پہلی سورۃ انعام کی ہے اس میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں پر شکوہ ہے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر کوئی وحی نہیں اتاری اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ پر یہ قرآن وحی اتارا ہے یہ غلط ہے اور فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کی قدر نہیں کی اور اسے پہچانا نہیں۔

دوسری چیز اس کا جواب ہے کہ تورات جس کے تم قائل ہو کہ آسمانی کتاب ہے وہ اللہ تعالےٰ نے ہی اتاری تھی جس میں روشنی اور ہدایت تھی مگر تم نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کیے بعض حصوں کو چھپالیا اور بعض کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا اور اس میں بڑی گرانقدر تعلیم تھی جس سے تم اور تمہارے آباؤ اجداد ناواقف تھے اور تم نے اسے چھپا کر لوگوں کو اس تعلیم سے محروم کیا ہے اور خدا نے تم پر کرم فرمایا ہے اور بذریعہ قرآن اس تعلیم کا پھر احیا۔ فرمایا ہے اور تم نے

یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر کوئی وحی نہیں اتاری۔
اور تیسری چیز اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ ان کو چھوڑ دو یہ بے ہودہ کاموں میں لگے رہیں اور یہ ایسا جملہ ہے جیسے کوئی کسی کی اصلاح کرے اور وہ اصلاح قبول نہ کرے تو کہا جاتا ہے کہ اسے دفع کرو اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ شدید ناراضگی کا جملہ ہے اور غصے کا اظہار ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ کر کھیل تماشے کی باتوں میں لگ جانا بہت ہی بُرا ہے
دوسرے نمبر پر سورۃ توبہ کی آیت ہے اس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین نے یہ کہا تھا یہ مسلمان لوگ رومیوں کا کیا مقابلہ کریں گے اس پر جب ان کی جواب طلبی ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو مذاق کیا تھا تو اس کے جواب میں یہ آیت اتری ہے کہ تمہیں مذاق کے لیے اللہ اس کی آیات اور اس کا رسول ہی ملا ہے پس اس آیت سے بھی یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ کھیل تماشہ اور دل لگی کی باتیں جائز نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اس لیے انہیں زجر فرمایا ہے۔
اور تیسرے نمبر پر سورۃ بنی اسرائیل کی آیت کا ایک جملہ ہے یہ بھی ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ روز ازل ہی جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنّت سے نکال دیا اور آدم کو جنّت میں رہنے کے لیے جگہ دی تو اس وقت شیطان نے کہا تھا کہ میں آدم کی اولاد کو گمراہ کروں گا تو اس وقت اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جا جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے کرلے اور یہ بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے ناراضگی

کا جملہ ہے اور ان گمراہی کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی بتایا ہے کہ ان کو اپنی آواز سنا کر بہکا لے اور آواز سے مراد گانے بجانے کی آواز ہے پس معلوم ہوا کہ گانا بجانا ناجائز ہے اور یہ گمراہی کے راستوں میں سے ایک راستہ ہے۔

اور چوتھے نمبر پر سورۃ انبیاء کی دو آیات اور تیسری آیت کا ایک جملہ ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ لوگوں کا حساب تو قریب آگیا ہے اور وہ غفلت (کھیل) میں منہ پھیر رہے ہیں اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ انہیں حساب کا دن سمجھانے کے لیے نئے نئے نمونے ہم پیش کرتے ہیں تو وہ سن کر پھر کھیل میں لگ جاتے ہیں اور تیسری آیت کے جملہ میں فرمایا ہے کہ ان کے دلوں میں بس کھیلوں کا ہی جذبہ ہے پس ان آیات کا خلاصہ بھی یہ نکلا کہ انسان کے کھیل کود پہ اللہ ناراض ہے کیونکہ یہ چیزیں انسان کو فکرِ آخرت سے غافل کر دیتی ہیں۔

پانچویں نمبر پر سورۃ انبیاء کی آیتیں ہیں اور چھٹے نمبر پہ سورۃ مؤمنون کی ایک آیت ہے اس میں بعض انسانوں کے غلط تصور کی تردید ہے کہ ان کو وہ کھیل کود کے لیے ہی بنایا گیا ہے اور آخرت وغیرہ کوئی چیز نہیں ہے اور اس کے بعد والے جملے میں فرمایا کہ اگر ایسا ہوتا تو اس کا مقصد یہ بنتا ہے کہ خدا بے کار کام کرتا ہے اور خدا بے کار کام کرنے سے پاک اور بلند ہے۔

ساتویں نمبر پر سورۃ لقمان اور اعراف کی آیتیں ہیں ان میں کھیل کود میں مشغول رہنے والوں کے لیے رسوا کن عذاب کی خبر سنائی ہے لیکن اس کے لیے شرط رکھی ہے کہ کھیل کود اگر اللہ کے راستے سے روکنے کے

لیے ہو تب تو ان کے لیے یہ عذاب ہو گا لیکن اگر وہ کھیلیں اللہ کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں تو ان کے لیے یہ عذاب نہیں ہو گا۔

اور آٹھویں نمبر پر سورۃ طور کی دو آیتیں ہیں ان میں سے پہلی آیت میں عقیدہ توحید و رسالت اور قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے خرابی اور بربادی کا اعلان فرمایا ہے اور دوسری آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہ مکذّبین وہی لوگ ہیں جو کھیل تماشے میں لگے ہوتے ہیں۔

اور نویں نمبر پر سورۃ النجم کی تین آیات ہیں۔ پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید کے بتائے ہوئے عقائد اور احکامات پر تعجب کرتے ہیں کہ ایک خدا کیسے ہو سکتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی کیسے ہو سکتی ہے اور دوسری آیت میں یہ بتایا کہ یہ لوگ ہنسی مذاق میں لگے ہوئے ہیں اور روتے نہیں ہیں ان کو تو آخرت کے انجام کا بُرا حال سُن کر رونا چاہیئے اور تیسری آیت میں یہ بتایا ہے کہ انہیں آخرت کی کوئی فکر نہیں ہے بس کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں۔

دسویں نمبر پر سورۃ جمعہ کی آیت ہے اس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منوّرہ میں تشریف لائے تو نماز جمعہ پہلے پڑھاتے تھے اور خطبہ جمعہ بعد میں دیتے تھے جیسا کہ عیدین میں اب بھی ایسا ہی ہے اور ایک موقع پر ایسا ہوا کہ آپ نماز جمعہ تو پڑھا چکے تھے اور خطبہ دے رہے تھے تو اس دوران اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ کے بازار میں آ گیا اور انہوں نے ڈھول اور باجے سے منادی کرا دی اور چونکہ گرانی کا زمانہ بھی تھا اور آپ کے صحابہؓ خطبہ کی اہمیت سے بھی

بے خبر تھے اس لیے وہ منادی کی آواز سنتے ہی اُٹھ کر چلے گئے اور آپ کے ساتھ صرف چند ایک صحابہؓ رہ گئے تو اس وقت یہ آیت اتری اس میں پہلے تو ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے اور انہیں ڈانٹ پلائی ہے جنہوں نے ایسا کیا تھا اور آخر میں فرمایا ہے کہ کھیل اور تجارت کی نسبت اللہ کے ہاں سے جو اجر ملے گا وہ بہتر ہے اور تم ایک بہتر کام چھوڑ کر گھٹیا کی طرف کیوں گئے پس اس آیت کا مقصد بھی یہ ہی ہوا کہ وہ کھیل یا تجارت جو اللہ کے دین میں عبادت میں رکاوٹ بنے وہ ناجائز ہے۔

گیارھویں نمبر پہ سورۃ مدثر کی آٹھ آیات ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ قیامت والے دن جنت والے دوزخیوں کو دیکھیں گے اور پھر ان سے پوچھیں گے کہ وہ کون سے برے کام تم نے کئے تھے جن کی وجہ سے تم دوزخ میں داخل ہوئے تو وہ جواب میں برے کام بتائیں گے کہ جن کی وجہ سے انہیں دوزخ میں داخلا ملا ایک نماز نہیں پڑھتے تھے دوسرا مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور تیسرا کھیل کود میں لگے رہتے تھے پس اس بحث میں جو بیس آیات دی گئی ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ وہ کھیل کود جو انسان کو اللہ کی عبادت سے روکے وہ ناجائز ہے اور حرام ہے اور اس کے بدلے آدمی کو دوزخ میں جانا پڑیگا اور یہ مانا ہوا اصول ہے کہ جو فعل ناجائز ہے اس پہ جو روپیہ خرچ کیا جائے وہ بھی ناجائز ہوتا ہے اور وہ اسراف میں شامل ہے اور قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت نہیں آئی جس میں کھیل کود کی اجازت دی گئی ہو مگر سورۃ یوسف میں صرف دو جملے ہیں ایک یہ کہ جب حضرت یوسفؑ

کے بھائیوں نے حضرت یعقوبؑ سے حضرت یوسفؑ کو اپنے ساتھ لے
جانے کا مطالبہ کیا تھا تو اس وقت انہوں نے یوں کہا تھا کہ ارسلہ
مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ اس کو ہمارے ساتھ کل بھیج دو یہ پھل کھائیگا
اور کھیل کود کرے گا تو حضرت یعقوبؑ نے جواب میں یوں نہیں فرمایا تھا
کہ کھیل ناجائز ہے اس لیے نہیں بھیجتا بلکہ فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کو
کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ کھیل کود جائز ہے اور
جب وہ حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈال کر رات کو گھر پہنچے تھے تو
یوں کہا تھا انا ذهبنا نستبق وتركنا يوسف عند
متاعنا فاكله الذئب ہم دوڑنے میں مصروف ہوئے اور یوسف
کو اپنے سامان کے پاس چھوڑا تھا تو اسے بھیڑیا کھا گیا یہاں بھی حضرت یعقوبؑ
نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ کھیل خلاف شرع کام ہے تم نے کیوں کیا تو اس سے معلوم ہوا
کہ کھیل جائز ہے۔

پس سورۃ یوسف کے ان دو جملوں کو پہلی بیس آیات سے تطبیق
دینے کے بعد مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ جو کھیل اللہ کی عبادت سے
روکے وہ ناجائز ہے اور جو کھیل اللہ کی عبادت میں رکاوٹ نہ بنیں
وہ ناجائز نہیں اور اس سے پہلے جو سورۃ لقمان والی آیت گذری ہے
اس سے بھی یہ ہی اشارہ ملتا ہے اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ
احادیث سے اس کی تفصیل نقل کریں گے اور یہ احادیث اسلام
اور موسیقی تالیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع (رحمۃ اللہ علیہ)
سے نقل کی گئی ہیں۔

تفسیر از احادیث

عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ	عمران بن حصین سے روایت
حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ	ہے کہ جناب رسول اللہ صلی
اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ علیہ	اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس
وَسَلَّمَ قَالَ فِىْ	امت میں بھی زمین دھنسنے،
هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَسْفٌ	صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں
وَّمَسْخٌ وَّقَذْفٌ	کی بارش کے واقعات ہونگے
فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ	تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی
الْمُسْلِمِيْنَ يَا رَسُوْلَ	نے کہا یا رسول اللہ ایسا کب
اللّٰہِ وَمَتٰى ذَالِكَ	ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا جب
قَالَ اِذَا ظَهَرَتِ	گانے والی عورتوں اور باجوں
الْقِيَانُ وَالْمَعَازِفُ	کا رواج عام ہو جائے گا اور
وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ	کثرت سے شرابیں پی جائینگی

(ترمذی)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ	ابی ہریرہ سے روایت ہے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم نے فرمایا جب
اِذَا اتُّخِذَ الْفَيْئُ	مال غنیمت کو شخصی دولت
دُوَلًا وَّالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا	بنا لیا جاتے اور امانت

وَ الزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَ تُعَلِّمُ لِغَيْرِ الدِّيْنِ وَ اَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ وَ عَقَّ اُمَّهٗ وَ اَدْنٰى صَدِيْقَهٗ وَ اَقْصٰى اَبَاهُ وَ ظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِى الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَ كَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَ اُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَ ظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَ شُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَ لَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَآءَ وَ زَلْزَلَةً وَ خَسْفًا مَسْخًا وَ قَذْفًا وَ اٰيَاتٍ تَتَابَعُ

کو لوٹ کا مال سمجھا جائے اور زکوٰۃ کو تاوان جانا جائے اور علم دین دنیا کی طلبی کے لیے سیکھا جاتے اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے دوست کو قریب رکھے اور باپ کو دور اور جب مسجدوں میں شور وغل ہونے لگے اور قبیلے کا سردار ان کا فاسق ہو اور قوم کا سربراہ ان کا رذیل ہو اور آدمی کی عزت اس کے شر سے بچنے کے لیے کی جائے گانے والی عورتوں اور باجوں کا رواج عام ہو اور شرابیں پی جانے لگیں اور اس اُمّت کے آخری لوگ پہلوں پر لعنت کرنے لگیں تو اس وقت سرخ آندھی، زلزلے، زمین دھنسنے صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کا انتظار کرو اور قیامت

كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعَ بَعْضُهُ بَعْضًا۔ (ترمذی)

کی پے در پے نشانیاں اس طرح آئیں گی جیسے کسی ہار کی لڑی ٹوٹ جائے تو اس کے دانے ایک کے بعد ایک بکھرتے چلے جاتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُمْسَخُ قَوْمٌ مِنْ اُمَّتِیْ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قِرَدَةً وَّخَنَازِیْرَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمُسْلِمُوْنَ هُمْ؟ قَالَ نَعَمْ یَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَیَصُوْمُوْنَ قَالُوْا فَمَا بَالُهُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِتَّخَذُوا الْمَعَازِفَ وَالْقَیْنَاتِ وَالدُّفُوْفَ وَشَرِبُوْا

ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگوں کی قیامت کے قریب صورتیں مسخ کر کے انہیں بندروں اور خنزیروں کی صورت میں بدل دیا جائیگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ لوگ مسلمان ہونگے؟ آپ نے فرمایا ہاں کہ وہ لوگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور روزے بھی رکھیں گے صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ پھر ان

هٰذِهِ الْاَشْرِبَةَ فَبَاتُوْا عَلٰى شَرَابِهِمْ وَلَهْوِهِمْ فَاَصْبَحُوْا وَقَدْ مُسِخُوْا ۔

کا یہ کیا حال ہوگا ؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ باجوں اور گانے والی عورتوں کے عادی ہونگے شرابیں پیا کریں گے ایک شب جب وہ شراب نوشی، اور لھوولعب میں مشغول ہونگے تو صبح تک ان کی صورتیں مسخ ہو چکی ہوں گی ۔

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَعَلَتْ اُمَّتِیْ خَمْسَةَ عَشَرَةَ خَصْلَةً حَلَّتْ بِهَا الْبَلَاءُ وَفِیْهِ وَاتُّخِذَ الْقِیَانُ وَالْمَعَازِفُ ۔ (ترمذی)

اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری اُمت پندرہ چیزوں کی عادی ہو جائے تو اس پر مصائب نازل ہوں گے آپ نے ان پندرہ چیزوں میں ایک یہ بتائی کہ جب گانے والی عورتیں اور باجے رواج پکڑ جائیں ۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ

ابن مسعود سے روایت ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات

رَجُلًا يَتَغَنّٰى	کسی شخص کے گانے کی آواز
مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ	سُنی تو آپ نے تین مرتبہ
لَا صَلٰوةَ لَهٗ	فرمایا کہ اس کی نماز مقبول
لَا صَلٰوةَ لَهٗ لَا صَلٰوةَ	نہیں اس کی نماز مقبول
لَهٗ ۔ (محمد ابن اسحاق	نہیں اس کی نماز مقبول
نیل الاوطار)	نہیں ۔
عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ	ابی ہریرہ سے روایت ہے
اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى	کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ
اللّٰهُ قَالَ اِسْتِمَاعُ	وسلم نے فرمایا کہ گانا سننا
الْمَلَاهِيْ مَعْصِيَةٌ	گناہ ہے اس کی خاطر بیٹھنا
وَالْجُلُوْسُ عَلَيْهَا	فسق ہے اور اس سے
فِسْقٌ وَالتَّلَذُّذُ	لطف اندوز ہونا کفر ہے۔
بِهَا كُفْرٌ ۔ (حوالہ مذکور)	
عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ	ابی امامہ سے روایت
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ	ہے کہ جناب رسول
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ	فرمایا کہ اللہ عزّوجلّ نے
وَجَلَّ بَعَثَنِيْ هُدًى	مجھے تمام ایمان والوں کے
وَّرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	لیے رحمت بنا کر بھیجا
وَاَمَرَنِيْ لِمَحْقِ	ہے اور مجھے بانسری طنبور
الْمَزَامِيْرِ وَالْاَوْتَارِ	صلیب اور امور جاہلیہ

وَالصَّلِيْبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ (ابوداود)

کو مٹانے کا حکم دیا ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَ الْقَيْنَةَ وَبَيْعَهَا وَثَمَنَهَا وَتَعْلِيْمَهَا وَالْاِسْتِمَاعَ اِلَيْهَا ثُمَّ قَرَاَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ الاٰية (رواہ ابن ابی الدنیا)

عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے گانے والی لونڈی کی خرید وفروخت اس کی قیمت اور اس کی تعلیم اور اسکا سُننا حرام کیا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ومن الناس من یشتری لھو الحدیث الخ۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ قَالَ اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ (بیہقی)

ابن مسعود سے روایت ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گانا دِل میں نفاق پیدا کرتا ہے جیسا کہ پانی سبزی پیدا کرتا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَعَدَ اِلٰى قَيْنَةٍ يَسْتَمِعُ مِنْهَا صَبَّ اللّٰهُ فِىْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

انس سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص گانے والی کا گانا سُنے تو قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالیں گے۔

(ابن عساکر)

عَنْ عَلِىٍّ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَلَهٗ قَيْنَةٌ فَلَا تُصَلُّوْا عَلَيْهِ۔

(رواہ الحاکم)

علیؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مرجائے اس حال میں کہ اس کے پاس گانے والی لونڈی ہو تو اس کی نماز جنازہ مت پڑھو۔

تشریح احادیث

یہاں گیارہ احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ سب بحث خلاف شرع گانوں اور کھیل کود میں جو آیات نقل کی گئی ہیں ان کی توضیح اور تشریح

ہیں۔ ان احادیث میں سے پہلی حدیث عمران بن حصینؓ والی ہے اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تین قسم کے عذابوں سے آگاہ فرمایا ہے۔ خسف، مسخ اور قذف اور ان تینوں کے اسباب بھی بیان فرمائے ہیں۔ پہلا سبب عورتوں کا گانا بجانا اور دوسرا سبب باجوں کا رواج اور تیسرا شراب نوش۔ اور یہ حدیث سورۃ لقمان والی آیت کی تشریح ہے کیونکہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ کھیل تماشے کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ اللہ کے راستے سے روکیں ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے اور یہاں یہ تشریح نہیں فرمائی کہ یہ عذاب دنیا میں ہوگا یا آخرت میں اور جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب دنیا میں بھی ہوگا۔

دوسری حدیث ابوہریرہؓ والی ہے یہ بھی سورۃ لقمان والی آیت کی تشریح ہے اس میں تین مذکورہ عذابوں کے ساتھ دو اور کا ذکر ہے۔ سرخ آندھی اور کثرت زلازل۔ اور ان پانچ کے علاوہ اور بھی بکثرت پے در پے آنے والی علامات قیامت اور عذابوں کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے بھی چودہ اسباب بیان فرماتے ہیں تین وہ ہیں جو پہلے مذکور ہوئے ہیں اور گیارہ مزید ہیں۔

چوتھا سبب جب مال غنیمت کو شخصی دولت بنا لیا جائے اور پانچواں سبب امانت کو لوٹ کا مال سمجھا جائے اور چھٹا سبب جب زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے اور ساتواں سبب جب دین دنیا کے لیے سیکھا جائے اور آٹھواں سبب جب آدمی بیوی کی اطاعت کرے اور ماں کی نافرمانی کرے اور نواں سبب جب، آدمی دوست کو قریب کرے

اور باپ کو دور کریں اور دسواں سبب جب مساجد میں شور و غل ہونے لگے اور گیارھواں سبب جب فاسق لوگ قوم کے سردار ہوں اور بارھواں سبب جب رذیل اور گھٹیا آدمی قوم کا سربراہ ہو اور تیرھواں سبب بعد والے پہلوں پر لعنت کریں۔

تیسری حدیث ابوہریرہؓ سے منقول ہے۔ یہ حدیث عمران بن حصین والی حدیث کی تشریح ہے کیونکہ اس میں تین قسم کے عذابوں کا ذکر ہے۔ خسف، مسخ اور قذف، اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ عذاب کس وقت ہوگا اور کیسے لوگوں پر آئے گا اور حضرت ابوہریرہ والی اس حدیث میں یہ وضاحت آگئی ہے کہ ایک تو یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے ہوں گے مسلمان ہوں گے عقیدہ توحید پر قائم ہوں گے، روزہ رکھتے ہوں گے اور دوسرا یہ واقعہ آخر زمانہ میں درپیش آئے گا اور تیسرا یہ صورتیں جو تبدیل ہوں گی تو بعض کی صورتیں بندروں جیسی ہوں گی اور بعض کی سوروں جیسی ہوں گی اور یہ تبدیلی یا توحقیقتاً ہوگی یا ان کی خصلتیں بندروں اور سوروں جیسی ہوں گی اور اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ دونو جانور بے غیرت ہوتے ہیں اور گانے بجانے والی عورتیں، گانے سننے والے مرد اور شراب نوش بھی بے غیرت ہوتے ہیں۔

چوتھی حدیث حضرت علیؓ سے منقول ہے اس میں آپ نے فرمایا کہ جب میری امت میں پندرہ بری خصلتیں آجائیں گی تو اس وقت ان پر مصیبتیں اور بلائیں اتریں گی اور ان بُری خصلتوں میں سے گانے والی عورتوں اور باجوں کا بھی آپ نے ذکر فرمایا ہے۔

پانچویں حدیث ابن مسعود سے منقول ہے، چھٹی ابوہریرہ سے اور ساتویں ابی امامہ سے ان تینوں کی تشریح واضح ہے اور آٹھویں حدیث حضرت عائشہ سے منقول ہے اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں کو حرام بتایا ہے ۔گانے والی لونڈی کی خرید و فروخت اس کی قیمت اس کی یہ تعلیم اور اس کا یہ گانا سُننا اور اس پر آپؐ نے سورۃ لقمان کی یہ آیت تلاوت فرمائی ومن الناس من یشتری لھو الحدیث الآیۃ یعنی یہ چاروں چیزیں لہو الحدیث میں شامل ہیں۔

نویں حدیث ابن مسعود سے منقول ہے اس میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گانا سننے سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے اور پہلے ابی ہریرہ والی حدیث میں گزر گیا ہے کہ گانے سے تلذذ حاصل کرنا کفر ہے پس ان دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ اگر گانے بجانے کو حلال سمجھے تو کافر ہو جائے گا ورنہ دعوٰی اسلام بھی اور ساتھ گانے سُننا عملی نفاق ہے۔

دسویں حدیث حضرت انس سے منقول ہے اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے سننے والے کے لیے آخرت کا عذاب بیان فرمایا ہے کہ اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائیگا اور یہ حدیث بھی سورۃ لقمان والی آیت کی تشریح ہے اس میں یہ بتا دیا ہے کہ گانا سننے والے کے لیے جس طرح دنیا میں عذاب ہوگا (جس کی تفصیل پہلے معلوم ہو چکی ہے) آخرت میں بھی ہوگا اور عذاب کے لیے کان کی خصوصیت اس لیے رکھی گئی ہے کہ کان سے ہی یہ

دنیا میں گانے سنا کرتا تھا۔

گیارھویں حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ جو مر جائے اور اس کے پاس گانے بجانے والی لونڈی ہو تو اس کی نماز جنازہ مت پڑھاؤ اور اس سے واضح ہو گیا کہ جب گانے بجانے والی لونڈی رکھنے والے کا یہ حال ہے تو پھر اس لونڈی کا جنازہ پڑھنا یا پڑھانا یقیناً جائز نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ اسراف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو مرتبہ دیا ہے یا دولت دی ہے تو یہ اس لیے نہیں دی کہ یہ جہاں چاہے خرچ کر دے بلکہ اس کے ذاتی مصارف کی حد رکھی ہے اور اس دولت کی تقسیم کے لیے بھی اس کا ایک حلقہ مقرر ہے جس کی تفصیل پہلے ہم بیان کر آئے ہیں اس کی جو شخص خلاف ورزی کرے گا اس کا وہ خرچ اسراف میں شامل ہو گا ایسا انسان عند اللہ مجرم اور قابل سزا ہے۔

موسیقی کی ابتدا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور اس کا موجد شیطان ہے

حضرت داود علیہ السلام کو جب حق تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا اور ان کو انتہا درجے کی خوش آوازی عطا فرمائی تو ان کی آواز سے پہاڑ بھی نرم ہو کر بہہ جاتے تھے اور وحوش وطیور جنگلوں سے نکل کر اس آواز کے سماع پر جمع ہو جاتے تھے اور اپنی صفات طبعی کو بھی بھول جاتے تھے۔ ان کی خوش الحانی پہ چلتے ہوئے پانی ٹھہر جاتے تھے اور پرندے

اُڑتے ہوئے گر پڑتے تھے۔ آثار میں مروی ہے کہ جس جنگل میں حضرت داؤد علیہ السلام جب نغمہ سرائی فرماتے تھے تو ایک ماہ تک وہاں کی مخلوق کوئی چیز نہ کھاتی تھی اور نہ بچے روتے نہیں تھے اور نہ ہی دودھ پیتے تھے اور جب مخلوق وہاں سے واپس ہوتی تو بہت سے آدمی آپ کے سخن و کلام کی لذّت و سرور سے مرجاتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ سات سو کنواری عورتیں آپ کی آواز کے اثر سے مرگئی تھیں اور بارہ ہزار بوڑھے مرد بھی جاں بحق تسلیم ہو گئے تھے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان میں بعض طبائع تو سخن داودی ع کی صوتی اور غنائی لذت کو برداشت نہ کرسکیں اور بعض طبائع اس آواز کے سوز و گداز اور جلال کی متحمل نہ ہوسکیں اور جب حق تعالےٰ نے چاہا کہ ارواحِ طیبہ اور صالح طبائع کو مفید و صالح سماع کے لیے یکجا اور متحد کردے تو اس وقت ابلیس کی طبیعت بے قرار ہوئی اور انسان کے دل میں بذریعہ موسیقی فسق و فجور اور گناہ کے وساوس ڈالنے کی تدبیریں سوچنے لگا چنانچہ اس نے اور اس کی ذُرّیت نے بنسری، طنبور، سارنگی، ستار اور ڈھولک وغیرہ آلاتِ موسیقی بنائے اور حضرت داؤد ع کی مجلس کے بالمقابل اپنی مجلس جمائی جو لوگ حضرت داؤد ع کی آواز سنتے تھے ان کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک تو اہل شقاوت اور دوسرا اہل سعادت۔ جو لوگ ازلی طور پر شقی و بدبخت تھے وہ تو ابلیس کے سازوں کی طرف مائل ہوتے اور ہوتے رہیں گے۔ لیکن جو لوگ سعادت مند تھے وہ حضرت داؤد ع کی آواز کے دلدادہ رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔ (کشف المحجوب صفحہ ۳۳۵ تالیف علی ہجویری ؒ)

خلافِ شرع گانوں اور کھیل کود سے بچنے والوں کے فضائل اور کامیابی کا بیان

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ	بے شک وہ ایمان والے
۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ	کامیاب ہو گئے جو اپنی
صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝	نماز میں عاجزی کرنے
وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ	والے ہیں اور جو بے ہودہ
اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝	باتوں سے مُنہ موڑنے
(سورۃ المؤمنون آیت ۱-۲-۳)	والے ہیں۔
وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ	اور جو بے ہودہ باتوں
الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا	میں شامل نہیں ہوتے اور
بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝	جب بیہودہ باتوں کے
(سورۃ الفرقان آیت ۷۲)	پاس سے گزریں تو شریفانہ
	طور سے گزرتے ہیں۔
وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ	اور جب بے ہودہ بات
اَعْرَضُوْا عَنْهُ	سنتے تو اس سے مُنہ پھیر
وَقَالُوْا لَنَا اَعْمَالُنَا	لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے
وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ	لیے ہمارے اعمال اور تمہارے
سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ لَا نَبْتَغِی	لیے تمہارے اعمال تم پر سلام ہو
الْجٰهِلِیْنَ (سورہ القصص آیت ۵۵)	ہم بے سمجھوں کو نہیں چاہتے۔

تفسیر

یہاں پانچ آیات نقل کی گئی ہیں - پہلی سورۃ المؤمنون کی ہے اور دوسری آیت سورۃ الفرقان کی ہے اور تیسری آیت سورۃ القصص کی ہے ان پانچوں آیات میں ان ایمان والوں کے فضائل اور کامیابی کا بیان ہے جو عاجزی کرتے ہیں اور لغو کاموں اور باتوں سے منہ پھیرتے ہیں اور ان کی تشریح خلاف شرع گانوں اور کھیل کود کی بحث میں گزر گئی ہے مزید تشریح حدیث سے ملاحظہ فرمائیں -

تشریح از حدیث

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ	ابن عباس سے مروی ہے
اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ	کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ	وسلم نے فرمایا کہ قیامت
اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ	کے دن اللہ تعالیٰ عزّ اور
قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ	جلّ فرمائیں گے وہ لوگ
اَیْنَ الَّذِیْنَ	کہاں ہیں جو اپنے کانوں
یُنَزِّھُوْنَ اَسْمَاعَھُمْ	اور آنکھوں کو شیطانی
وَاَبْصَارَھُمْ عَنْ	باجوں کو سننے اور ان کے
مَزَامِیْرِ الشَّیْطَانِ ؟	بجانے والوں کو دیکھنے
مَیِّزُوْھُمْ فَیُمَیَّزُوْنَھُمْ	سے محفوظ رکھتے تھے

فِى كُتُبِ الْمِسْكِ وَالْعَنْبَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَسْمِعُوْهُمْ مِنْ تَسْبِيْحِىْ وَتَمْجِيْدِىْ فَيَسْمَعُوْنَ بِاَصْوَاتٍ لَمْ يَسْمَعِ السَّامِعُوْنَ مِثْلَهَا (دیلمی)

انہیں ساری جماعتوں سے الگ کر دو چنانچہ فرشتے انہیں الگ کر کے مشک اور عنبر کے ٹیلوں پر بٹھا دیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان لوگوں کو میری تسبیح اور تمجید سناؤ چنانچہ فرشتے انہیں بڑی اچھی آوازوں میں وہ تسبیح اور تمجید سنائیں گے ان سامعین نے اس سے پہلے ایسی آواز نہیں سُنی ہو گی۔

تفسیر

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دنیا میں خلافِ شرع گانے سننے سے اور کھیل کود اور تماشے سے پرہیز کریں گے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کا اتنا بڑا اعزاز فرمائیں گے اور چونکہ دنیا میں ان کو اللہ کے ذکر اور تسبیح سے ہی محبت تھی اس لیے قیامت کے دن وہی ذکر اللہ اور تسبیح انہیں بڑی پیاری آواز میں سنائی جائیں گی جو دنیا میں ان کی روحانی غذا رہی ہے۔

عید کے موقعہ پر نابالغ بچیاں اپنی قوم کے شجاعانہ کارنامے گانے کی صورت میں پیش کر سکتی ہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ
دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَعِنْدِيْ
جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ
بِغِنَاءِ بُعَاثٍ
فَاضْطَجَعَ عَلَى
الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ
وَجْهَهٗ وَدَخَلَ
اَبُوْبَكْرٍ فَانْتَهَرَنِيْ
وَقَالَ مِزْمَارَةُ
الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعْهُمَا
فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا

حضرت عائشہ سے روایت
ہے فرمایا کہ جناب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان
کے پاس تشریف لائے
اور اس وقت دو لڑکیاں
میرے پاس بیٹھی ہوئی جنگ
بعاث کا گیت گا رہی تھیں
تو آپ بستر پہ لیٹ گئے
اور آپ نے چہرہ دوسری
طرف پھیر لیا اور ابوبکر آئے
اور انہوں نے مجھے ڈانٹا
اور فرمایا یہ شیطانی راگ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
موجودگی میں تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم انکی طرف
متوجہ ہوئے اور فرمایا نہیں
چھوڑ دو ابوبکر اور کام میں

فَخَرَجَتَا وَكَانَ	لگ گئے تو میں نے ان دونوں
يَوْمُ عِيْدٍ وَفِيْ	لڑکیوں کو اشارہ کیا تو وہ باہر
رِوَايَةٍ أُخْرٰى	نکل گئیں اور یہ عید کا دن
عِنْدَ الْبُخَارِيْ بَعْدَ	تھا اور اس کے بعد بخاری
ذَالِكَ جَارِيَتَانِ	کی ایک دوسری روایت
مِنْ جَوَارِيْ	میں ہے ۔ عائشہؓ فرماتی
الْاَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ	ہیں کہ انصار کی لڑکیوں میں
بِمَا تَقَاوَلَتِ	سے دو لڑکیاں تھیں جو وہ
الْاَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ	اشعار پڑھ رہی تھیں جو انصار
قَالَتْ وَلَيْسَتَا	نے جنگ بعاث کے موقعہ پر کہے تھے اور
بِمُغَنِّيَتَيْنِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ	وہ دونوں لڑکیاں پیشہ ور
مَزَامِيْرَ الشَّيْطَانِ	گانے والیاں نہیں تھیں حضرت
فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ	ابوبکر نے انہیں دیکھتے ہی
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	کہا یہ شیطانی راگ حضور
وَسَلَّمَ وَذَالِكَ	صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر
فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ	میں اور یہ عید کا دن تھا
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	وسلم نے فرمایا ابوبکر ہر
يَا اَبَا بَكْرٍ اِنَّ	قوم کے لیے عید ہوتی ہے
لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا	اور یہ ہماری عید ہے۔
وَهٰذَا عِيْدُنَا (بخاری)	

تشریح

اس سے قبل جو آیات اور احادیث نقل کی گئی ہیں ان سے تو واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گانا بجانا اور کھیل کود ناجائز ہے اور یہ اسراف میں شامل ہے اس میں مردوں کی اور عورتوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کہ گانے والے مرد ہوں یا عورتیں، سننے والے مرد ہوں یا عورتیں۔ اسی طرح بالغ اور نابالغ کی بھی کوئی خصوصیت نہیں ہے نیز مواقع کا بھی کوئی فرق نہیں رکھا گیا اور گانوں کی بھی کوئی تخصیص نہیں ہے کہ فحش ہوں یا غیر فحش ہوں۔ بہرحال یہ سلسلہ اجمال سے ہے اور ترجمانِ وحی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل احادیث میں اس کی تفصیل بیان فرمادی ہے اور بعض مواقع میں نابالغ بچیوں کو اس کی اجازت دی ہے۔ ان مواقع میں سے ایک عید کا موقع بھی ہے۔ چنانچہ ذیل کی حدیث میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو اس وقت میرے پاس چھوٹی چھوٹی دو بچیاں جنگِ بُعاث کا گیت گا رہی تھیں۔ یہ جنگ مدینہ میں رہنے والے اوس اور خزرج کے دو قبیلوں میں بڑے طویل سے جاری تھی اور آپ کی مدینہ میں تشریف آوری سے تین سال قبل ان کے مابین صلح ہو گئی تھی اور اب یہ لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے

مسلمانوں کی انہوں نے نصرت کی تھی اس لیے یہ لوگ اب انصارِ مدینہ کے نام سے مشہور تھے۔ انہیں انصار کی لڑکیوں میں سے دو لڑکیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئی تھیں اور یہ عید کا دن تھا اور اس جنگِ بعاث کے موقعہ پر ان کے بڑوں نے جو جنگی گانے، ترانے گائے تھے ان میں سے کوئی ایک گانا انہوں نے شروع کیا ہوا تھا تو اوپر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو آپ نے انہیں منع نہیں کیا اور چہرہ انکی طرف سے پھیر کر لیٹ گئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ بچیاں اگر جنگی گانے عید کے موقعہ پر گائیں تو یہ گانا سننے میں اور گانے میں کوئی حرج نہیں اور اسراف میں شامل نہیں ہے اگر یہ ناجائز ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ان کو منع فرماتے اور ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی بالغ عورت جنگی ترانا گائے تو یہ ناجائز ہے اور اگر نابالغ بچیاں فحش قسم کا گانا گائیں تو بھی ناجائز ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نابالغ بچیوں کے جنگی ترانے گانے سے مجاہدین میں جنگی شجاعت اور غیرت پیدا ہوگی اور بالغہ کے گانے میں بدی کا میلان اور جاذبیت ہے اور مجاہدین بجائے دادِ شجاعت دینے کے بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے اور جہاد خدا پرستی کا سب سے اونچا نمونہ زن پرستی میں تبدیل ہو جائے گا۔

چنانچہ کتب تفاسیر میں یہ واقعہ لکھا ہے اور قرآن مجید میں بھی اجمالاً یہ قصہ موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی غرقابی کے بعد شام کی کافر حکومت پر حملہ کیا اور ملک شام کو آزاد کرانے کے لیے

یہ جہاد شروع کیا اور اس مہم میں آپ کو پے در پے فتح ہو رہی تھی اور شام کی کافر حکومت بوکھلا گئی تھی اور انہوں نے مناسب سمجھا موسیٰ کی طرح ہمیں بھی کسی غیبی طاقت کا سہارا تلاش کرنا چاہیے تو شام میں بھی ایک مستجاب الدعوات بزرگ رہتے تھے ان کا نام بلعم بن باعور تھا ان کے پاس گئے اور ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے بددعا کرنے سے انکار کر دیا تو پھر ان لوگوں نے ان کی بیوی کے سامنے بڑے بھاری تحائف پیش کئے اور کہا کہ اپنے خاوند سے کہو کہ وہ حضرت موسیٰ کے خلاف بددعا کرے۔ تو بیوی نے دنیا کی لالچ میں پڑ کر کہہ دیا اور اس نے بھی بیوی کے کہنے پر بددعا کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں اس کی کرامت چھین لی اور کتے کی طرح اسکی زبان باہر نکل آئی اور یہ اس کی دنیاوی سزا تھی اب اس کو چاہیئے تھا کہ توبہ کرتا مگر دنیاوی لالچ اور بیوی کی خوشنودی کے لیے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کے لیے اس نے بادشاہ کو یہ طریقہ بتایا کہ تم اپنی کنواری لڑکیاں بے شمار موسیٰ کی فوج میں بھیج دو وہ ان کے ساتھ جو کریں یہ لڑکیاں انہیں نہ روکیں چنانچہ اس بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور وہ لڑکیاں ان کے کیمپوں میں جب پہنچیں تو موسیٰ علیہ السلام کی فوج نے ان کے ساتھ بدکاری شروع کر دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روکا مگر وہ باز نہ آئے تو وہ ملنے والی انکی فتوحات شکست میں بدل گئی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالغہ عورتوں کے گانے سننے سے منع فرمایا کیونکہ ان سے بے غیرتی پھیلتی ہے اور پھر ایسی قوم ہمیشہ عظیم نقصان سے دوچار ہوتی ہے۔

شادی کے موقعہ پر نابالغہ بچیوں کا گانا اور دف بجانا جائز ہے

عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ حِيْنَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلٰى فِرَاشِيْ كَمَجْلِسِكَ مِنِّيْ فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اٰبَائِيْ يَوْمَ بَدْرٍ اِذْ قَالَتْ اِحْدٰهُنَّ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَالَ دَعِيْ هٰذَا وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ (بخاری)

ربیع بنت معوذ بن عفرا نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے جب میری رخصتی ہوئی تھی اور اس طرح بیٹھے جس طرح تم میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہو اور ہماری کچھ بچیوں نے دف بجانا شروع کیا اور میرے آباؤ اجداد کی تعریف شروع کی جو بدر میں مارے گئے تھے اور ان میں سے ایک لڑکی نے کہا کہ ہمارے اندر اللہ کا نبی ہے جو کل کی بات بھی جانتا ہے تو آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دے اور جو پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہتی رہو۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا زُفَّتْ اِمْرَاَةٌ اِلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَاِنَّ الْاَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ (بخاری)

عائشہؓ سے روایت ہے کہ انصار کی ایک عورت کی رُخصتی ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ تم لوگوں کے پاس کوئی کھیل کی چیز نہ تھی کیوں کہ انصار کھیل کو پسند کرتے ہیں۔

فَهَلْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا جَارِيَةً تَضْرِبُ بِالدُّفِّ وَتُغَنِّيْ قُلْتُ تَقُوْلُ مَاذَا قَالَ تَقُوْلُ اَتَيْنَاكُمْ اَتَيْنَاكُمْ فَحَيُّنَا وَحَيَّاكُمْ۔ (فتح الباری)

ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا تم نے دُلہن کے ساتھ کوئی لڑکی بھیجی ہے جو دف بجاتی اور گاتی تو میں نے کہا وہ کیا گاتی؟ آپ نے فرمایا وہ یوں کہتی اتیناکم اتینکم فحیّنا وحیاکم

(وَفِيْ رِوَايَةٍ لِابْنِ مَاجَةَ) قَالَ اَرْسَلْتُمْ مَعَهَا مَنْ يُّغَنِّيْ قَالَتْ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا تم نے اس کے ساتھ کوئی بھیجا ہے جو گائے تو عائشہ نے عرض کیا نہ تو رسول اللہ صلی اللہ

وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَنْصَارَ قَوْمٌ فِيْهِ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَّقُوْلُ اَتَيْنَاكُمْ اَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ۔	علیہ وسلم نے فرمایا انصار ایک ایسی قوم ہے جن میں غزل کا شوق ہے اگر تم اس کے ساتھ کوئی ایسا بھیجتے جو یوں کہتا ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے وہ ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمہیں بھی زندہ رکھے۔
عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَعْلِنُوْا النِّكَاحَ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ۔ (ترمذی)	حضرت عائشہؓ نے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا نکاح کا اعلان کرو اور اس موقعہ پر دف بجاؤ۔

تشریح

یہاں تین حدیثیں نقل کی گئی ہیں پہلی رُبیّع بنت عفراء سے منقول ہے یہ ایک انصاری خاتون تھی اور جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیات میں سے تھی اس کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے موقعہ پر نابالغ بچیوں کا گانا اور دف بجانا جائز ہے کیونکہ وہ فرماتی ہیں کہ جب میری رخصتی ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں

تشریف لائے تو اس وقت چھوٹی چھوٹی بچیوں نے دف بجانا شروع کیا اور ہمارے بزرگوں میں سے جو لوگ جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے ان کے مرثیے اور تعریفیں شروع کیں اور ان میں سے ایک بچی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یہ مصرعہ پڑھا وفینا نبی یعلم ما فی غد (ہمارے اندر نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے) تو آپ نے اسے یہ مصرعہ پڑھنے سے منع کیا اور دوسرے اشعار جو وہ شہداء بدر کی مدح میں پڑھ رہی تھیں ان کی اجازت دی

دوسری حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور اس میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے موقعہ پر پڑھنے کے اشعار بھی بتائے ہیں اتیناکو اتیناکو فحیانا وحیاکو (ہم تمہارے پاس آئے ہیں ہم تمہارے پاس آئے ہیں اللہ ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمہیں بھی زندہ رکھے) اور تیسری حضرت عائشہؓ والی حدیث ہے اس کا بھی یہی مقصد ہے کہ نکاح کی تشہیر دف کے ساتھ ہونی چاہیئے۔

جنگ میں فتح کی خوشی پر بھی گانا اور دف بجانا جائز ہے

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَتْ بریدہ سے روایت ہے

خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ	وسلم کسی غزوہ پر تشریف
مَغَازِیْهِ فَلَمَّا	لے گئے جب لوٹے تو
انْصَرَفَ جَاءَتْ	ایک کالے رنگ کی باندی
جَارِیَةٌ سَوْدَاءُ	آئی کہا یا رسول اللہ صلی
فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ	اللہ علیہ وسلم میں نے نذر
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ	مانی تھی کہ اللہ اگر آپکو
وَسَلَّمَ اِنِّیْ کُنْتُ	سالم واپس لایا تو آپ کے
نَذَرْتُ اِنْ رَدَّكَ	سامنے دف بجاؤں گی
اللّٰهُ سَالِمًا اَنْ	اور گانا گاؤں گی تو آپ
اَضْرِبَ بَیْنَ یَدَیْكَ	نے فرمایا کہ اگر تُو نے
بِالدُّفِّ وَاَتَغَنّٰی قَالَ	نذر مانی تھی تو بجا ورنہ
لَهَا اِنْ کُنْتِ	نہ تو وہ دف بجانے
نَذَرْتِ فَاضْرِبِیْ	لگی پھر ابوبکرؓ داخل
وَاِلَّا فَلَا فَجَعَلَتْ	ہوئے تو وہ بجاتی
تَضْرِبُ فَدَخَلَ	رہی پھر حضرت علیؓ
اَبُوْبَكْرٍ وَهِیَ تَضْرِبُ	داخل ہوئے تو وہ
ثُمَّ دَخَلَ عَلِیٌّ	بجاتی رہی پھر عثمان
وَهِیَ تَضْرِبُ	داخل ہوئے تو وہ
ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ	بجاتی رہی پھر عمر داخل
وَهِیَ تَضْرِبُ	ہوئے تو اس نے
ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ	دف سرین کے نیچے

فَاَلْقَتِ الدُّفَّ	رکھی پھر اس پر بیٹھ
تَحْتَ اِسْتِهَا ثُمَّ	گئی پھر رسول اللہ صلی
قَعَدَتْ عَلَيْهِ فَقَالَ	اللہ علیہ وسلم نے
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	فرمایا عمر تجھ سے شیطان
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ	ڈرتا ہے میں بیٹھا ہوا
الشَّيْطَانَ لَيَخَافُ مِنْكَ	تھا تو وہ بجاتی رہی
يَا عُمَرُ اِنِّي	پھر ابوبکر داخل ہوئے
كُنْتُ جَالِسًا وَهِيَ	تو وہ بجاتی رہی پھر علی
تَضْرِبُ فَدَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ	داخل ہوئے تو بجاتی
وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ	رہی پھر عثمان داخل
دَخَلَ عَلِيٌّ وَهِيَ	ہوئے تو بھی بجاتی رہی
تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ	اور جب تم داخل ہوئے
عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ	تو اس نے دف رکھ
فَلَمَّا دَخَلْتَ اَنْتَ	دی۔
يَا عُمَرُ اَلْقَتِ	
الدُّفَّ (ترمذی)	

تشریح

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ جنگ کے موقعہ پہ دف بجانا جائز ہے کیونکہ آپ نے اسکی اجازت دی تھی اور دوسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو ایک لونڈی

کو گانے بجانے کی اجازت دی یہ اس کی خصوصیت تھی کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد سے صحیح سلامت واپس آنے پر گانا بجانے کی نذر مانی تھی ورنہ دیگر آیات اور احادیث سے اس کی حرمت معلوم ہوتی ہے اس لیے اس نے بھی ڈرتے ڈرتے گانا گایا۔

اِنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ	عبداللہ بن رواحہ کو فرمایا
لِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ	قوم میں حرکت پیدا کرو
رَوَاحَةَ حَرِّكْ بِالْقَوْمِ	تو انہوں نے اشعار پڑھنے
فَانْدَفَعَ یَرْتَجِزُ	شروع کئے۔

(نسائی نیل الاوطار)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ	انس سے روایت ہے
الْبَرَاءُ ابْنُ مَالِكٍ	کہ براء بن مالک
حَسَنَ الصَّوْتِ	خوش الحان تھے اور وہ
وَکَانَ یَرْتَجِزُ لِرَسُوْلِ	جناب رسول اللہ صلی اللہ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ	علیہ وسلم کو آپ کے
وَسَلَّمَ فِیْ اَسْفَارِهٖ	جہاد کے سفروں میں اشعار
(ذکرہ فِی الْکَنْزِ	سناتے تھے۔

عَنْ اَبِیْ نُعَیْمٍ)

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ۔	میں سچا نبی ہوں۔
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ	عبدالمطلب کا بیٹا ہوں
اَللّٰهُمَّ لَا عَیْشَ	اے اللہ زندگی تو

اِلاَّ عَیْشَ الْاٰخِرَۃِ	صرف آخرت کی ہے۔
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ	آپ انصار اور مہاجرین
الْمُھَاجِرَۃَ اَللّٰھُمَّ	کو بخش دیں اے اللہ
لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا	اگر آپ ہمیں ہدایت نہ
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا	دیتے تو نہ ہم صدقہ
صَلَّیْنَا فَاَنْزِلَنْ	دیتے اور نہ نماز پڑھتے
سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا	پس آپ ہم پر تسلی اتاریں
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ	اور لڑائی کے وقت ہمارے
اِنْ لَاقَیْنَا۔	قدموں کو مضبوط رکھیں۔

تشریح

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود غزوات کے موقعہ پر رجزیہ اشعار دوسروں سے پڑھواتے تھے اور خود بھی پڑھتے تھے اور رجز اشعار کی ایک قسم ہے چنانچہ یہاں پہلی حدیث میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو ایک غزوہ پر رجز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

اور حضرت انس والی حدیث میں آپ کا یہ معمول معلوم ہوتا ہے کہ غزوات کے موقعہ پر آپ دوسروں سے جو خوش الحان قسم کے ہوتے تھے ان سے رجزیہ اشعار سنا کرتے تھے اور اس کے بعد آپ کے اپنے رجزیہ اشعار منقول ہیں۔ پہلا شعر آپ نے غزوۂ حنین کے موقعہ پر پڑھا تھا اور دوسرے اشعار آپ نے

غزوۂ احزاب کے موقعہ پر پڑھے تھے پس آپ کے ان فرامین اور رجزیہ اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے موقعہ پر ایسے اشعار پڑھنا جائز ہے جن سے فوج میں جذبۂ جہاد بیدار اور جوش و خروش پیدا ہو اور ایسے اشعار کے سلسلہ میں جو روپیہ پیسہ خرچ ہوگا وہ اسراف میں شامل نہیں کیونکہ یہ مانا ہوا اصول ہے کہ جو چیز ناجائز ہے اس پر روپیہ خرچ کرنا بھی ناجائز ہے اور جو چیز جائز ہے اس پر روپیہ خرچ کرنا بھی جائز ہے اسراف نہیں ہے۔

مالِ غنیمت کا مالک اللہ ہے

اور رسول اللہ بحیثیت نائب ہیں

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا۔ تو کہہ دے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا۔ سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس میں اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اگر ایمان رکھتے ہو۔

یہ آیت غزوۂ بدر میں پیش آنے والے ایک واقعہ سے متعلق ہے۔ آیت کی مفصل تفسیر سے پہلے وہ واقعہ سامنے رکھا جائے تو تفسیر سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر جو کفر و اسلام کا سب سے پہلا معرکہ تھا اس میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا تو صحابہ کرام کے درمیان اس کی تقسیم کے متعلق ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جو اخلاص و اتفاق کے اس مقام کے شایان نہ تھا جس پر صحابہ کرام کی پوری زندگی ڈھلی ہوئی تھی اس لیے سب سے پہلی ہی آیت میں اس کا فیصلہ فرما دیا گیا تاکہ اس مقدس گروہ کے قلوب میں صدق و اخلاص اور اتفاق و ایثار کے سوا کچھ نہ رہے۔

اس واقعہ کی تفصیل غزوۂ بدر کے شریک حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی

زبانی مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک، حاکم وغیرہ میں اس طرح منقول ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت سے کسی نے آیت مذکورہ میں لفظ انفال کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہمارے یعنی اصحاب بدری کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جس کا واقعہ یہ تھا کہ مال غنیمت کی تقسیم کے بارہ میں ہمارے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا جس نے ہمارے اخلاق پر بُرا اثر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ اموال غنیمت کو ہمارے ہاتھوں سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب حاضرین بدر میں اس کو مساوی طور پر تقسیم فرما دیا۔

صورت یہ پیش آئی تھی کہ ہم سب غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اور دونوں فریق میں گھمسان کی جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی تو اب ہمارے لشکر کے تین حصے ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے دشمن کا تعاقب کیا تاکہ وہ پھر واپس نہ آسکے۔ کچھ لوگ کفار کے چھوڑے ہوئے اموال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے اور کچھ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد اس لیے جمع رہے کہ کسی طرف سے چھپا ہوا دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ نہ کر دے۔ جب جنگ ختم ہو گئی اور رات کو ہر شخص اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو جن لوگوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا وہ کہنے لگے کہ یہ مال تو ہم نے جمع کیا ہے اس لیے اس میں ہمارے سوا کسی کا حصہ نہیں اور جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے انہوں نے کہا کہ تم لوگ ہم سے زیادہ اس کے حقدار نہیں ہو۔ کیونکہ ہم نے ہی دشمن کو پسپا کیا اور تمہارے لیے یہ موقع فراہم کیا کہ تم بے فکر ہو کر مال غنیمت جمع کر لو۔ اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے آپ کے گرد جمع رہے انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے تو ہم بھی

مالِ غنیمت جمع کرنے میں تمہارے ساتھ شریک ہوتے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت جو جہاد کا سب سے اہم کام تھا ہم اس میں مشغول رہے اس لیے ہم بھی اس کے مستحق ہیں۔

صحابۂ کرام کی یہ گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی اس پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی جس نے واضح کر دیا کہ یہ مال اللہ کا ہے اس میں کوئی مالک و حقدار نہیں بجز اس کے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاداتِ ربانی کے ماتحت اس مال کو سب شرکاءِ جہاد میں مساوی طور پر تقسیم فرما دیا (ابن کثیر) اور سب کے سب اللہ و رسول کے اس فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ اور اُن کے خلافِ شان جو صورت حال باہمی مسابقت کی پیش آ گئی تھی اس پر نادم ہوئے۔

اور مسند احمد ہی میں اس آیت کے شانِ نزول کا ایک دوسرا واقعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کا بھی منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں میرے بھائی عُمیرؓ شہید ہو گئے۔ میں نے اُن کے بالمقابل مشرکین میں سے سعید بن العاص کو قتل کر دیا اور اس کی تلوار لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ یہ تلوار مجھے مل جائے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسکو مالِ غنیمت میں جمع کر دو۔ میں حکم ماننے پر مجبور تھا مگر میرا دل اس کا سخت صدمہ محسوس کر رہا تھا کہ میرا بھائی شہید ہوا اور میں نے اُس کے بالمقابل ایک دشمن کو مار کر اس کی تلوار حاصل کی وہ بھی مجھ سے لے لی گئی مگر باایں ہمہ تعمیل ارشاد کے لیے مالِ غنیمت میں جمع کرنے کے لیے آگے بڑھا تو ابھی دور نہیں گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ انفال کی یہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ نے مجھے بلوا کر یہ تلوار مجھے عنایت فرما دی۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت سعدؓ نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض بھی کیا تھا کہ یہ تلوار مجھے دے دی جائے مگر آپ نے فرمایا کہ نہ یہ میری چیز ہے جو کسی کو دے دوں اور نہ آپ کی ملک ہے اس کو پورے مالِ غنیمت میں جمع کر دو اس کا فیصلہ جو کچھ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس کے مطابق ہو گا۔ (ابن کثیر۔ مظہری)

اس میں کوئی بُعد نہیں کہ یہ دونوں واقعے پیش آئے ہوں اور دونوں ہی کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہو۔

آیت کی پوری تفسیر یہ ہے

اس میں لفظ انفال نفل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں فضل و انعام۔ نفلی نماز، روزہ، صدقہ کو بھی نفل اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کے ذمہ لازم و واجب نہیں، کرنے والے اپنی خوشی سے کرتے ہیں۔ اصطلاح قرآن و سنت میں لفظ نفل اور انفال مالِ غنیمت کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو کفار سے بوقت جہاد حاصل ہوتا ہے مگر قرآن کریم میں اس معنی کے لیے تین لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ انفال، غنیمہ، فیئ۔ لفظ انفال تو اسی آیت میں مذکور ہے اور لفظ غنیمۃ اور اس کی تفصیل اسی سورت کی اکتالیسویں آیت میں آنے والی ہے اور لفظ فیئ اور اس کے متعلق تفصیل سورۂ حشر میں بیان ہوئی ہے۔ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ الآیۃ اور ان تینوں کے معانی تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ مختلف ہیں، فرق معمولی اور قلیل ہونے کی وجہ سے بعض اوقات ایک لفظ دوسرے کی جگہ مطلقاً مالِ غنیمت کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ غنیمۃ عموماً اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ و جہاد کے

ذریعہ مخالف فریق سے حاصل ہو۔ اور فیئے اُس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ و قتال کے کفار سے ملے خواہ وہ چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ یا رضامندی سے دینا قبول کریں۔ اور نفل اور انفال کا لفظ اکثر اُس انعام کے لیے بولا جاتا ہے جو امیر جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کارگزاری کے صلہ میں علاوہ حصّہ غنیمت کے بطورِ انعام عطا کرے۔ یہ معنی تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کئے ہیں (ابن کثیر) اور کبھی مطلقاً مالِ غنیمت کو بھی نفل اور انفال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس آیت میں اکثر مفسّرین نے یہی عام معنی لیے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے یہی عام معنی نقل کئے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ عام اور خاص دونوں معنی کے لیے بولا جاتا ہے اس لیے کوئی اختلاف نہیں اور اس کی بہترین تشریح و تحقیق وہ ہے جو امام ابو عبیدؒ نے اپنی کتاب الاموال میں ذکر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اصل لغت میں نفل کہتے ہیں فضل و انعام کو اور اس اُمتِ مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ جہاد و قتال کے ذریعہ جو اموالِ کفار سے حاصل ہوں اُن کو مُسلمانوں کے لیے حلال کر دیا گیا ورنہ پچھلی اُمتوں میں یہ دستور نہ تھا بلکہ مالِ غنیمت کے لیے قانون یہ تھا کہ وہ کسی کے لیے حلال نہیں تھے۔ تمام اموالِ غنیمت کو ایک جگہ جمع کر دیا جاتا تھا۔ اور آسمان سے قدرتی طور پر ایک آگ (بجلی) آتی تھی اور اُس کو جلا کر خاک کر دیتی تھی۔ یہی اُس جہاد کے مقبول عند اللہ ہونے کی علامت ہوتی تھی۔ اور اگر کوئی مالِ غنیمت جمع کیا گیا اور آسمانی بجلی نے آکر اس کو نہ جلایا تو یہ علامت اس کی ہوتی تھی کہ یہ جہاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں اس لیے اُس مالِ غنیمت کو بھی مردود اور منحوس سمجھا جاتا تھا اور اُسے کوئی استعمال نہ کرتا تھا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ بخاری و

مسلم میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر اور اُن کی اُمت کو نہیں ملیں۔ انہیں پانچ میں سے ایک یہ ہے کہ اُحِلَّت لی الغنائمُ ولم تحل لاحدٍ قبلی یعنی میرے لیے اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے حالانکہ مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال نہ تھے۔

آیتِ مذکورہ میں انفال کا حکم یہ بتلایا گیا کہ وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ اصل ملکیت تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور متصرف اُن میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جو حکمِ خداوندی کے مطابق اپنی صوابدید پر انکو تقسیم کرتے ہیں۔

اسی لیے ائمہ تفسیر کی ایک جماعت نے جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مجاہد، عکرمہ، سدّی، وغیرہ داخل ہیں یہ فرمایا کہ یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا جب تک تقسیمِ غنائم کا وہ قانون نازل نہ ہوا تھا جو اسی سورت کے پانچویں رکوع میں آرہا ہے کیونکہ اس میں پورے مالِ غنیمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے کہ جس طرح چاہیں تصرّف فرمائیں اور آگے جو تفصیلی احکام آئے ہیں اُن میں یہ ہے کہ کل مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں عام مسلمانوں کی ضروریات کے لیے محفوظ کر دیا جائے اور چار حصے شرکاءِ جہاد میں ایک خاص قانون کے تحت تقسیم کر دیئے جائیں جن کی تفصیل احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے۔ اس تفصیلی بیان نے سورۂ انفال کی پہلی آیت کو منسوخ کر دیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں کوئی ناسخ منسوخ نہیں بلکہ اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ سورۂ انفال کی پہلی آیت میں اجمال ہے اور اکتالیسویں آیت میں اسی کی تفصیل ہے۔ البتہ مالِ فَیئے جس کے احکام سورۂ حشر میں بیان ہوئے ہیں وہ پورے کا پورا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ تصرف ہے آپ اپنی صوابدید سے جس طرح چاہیں عمل فرمائیں۔ اسی لیے اُس جگہ احکام بیان فرمانے

کے بعد یہ ارشاد فرمایا ہے۔ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ یعنی جو کچھ تم کو ہمارا رسول دے دے اس کو لے لو اور جس کو روک دے اُس سے باز رہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مالِ غنیمت وہ ہے جو جنگ و جہاد کے ذریعہ ہاتھ آئے اور مالِ فیئے وہ جو بغیر قتال و جہاد کے ہاتھ آجائے۔ اور لفظ انفال دونوں کے لیے عام بھی بولا جاتا ہے اور خاص اُس انعام کو بھی کہتے ہیں جو کسی غازی کو امیرِ جہاد عطا کرے۔

اس سلسلہ میں غازیوں کو انعام دینے کی چار صورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے رائج ہیں۔

ایک یہ کہ یہ اعلان فرمادیں کہ جو شخص کسی مخالف کو قتل کرے تو جو سامان مقتول سپاہی سے حاصل ہو وہ اسی کا ہے جس نے قتل کیا۔ یہ سامان مالِ غنیمت میں جمع ہی نہ کیا جائے گا۔

دوسرے یہ کہ بڑے لشکر میں سے کوئی جماعت الگ کر کے کسی خاص جانب جہاد کے لیے بھیجی جائے اور یہ حکم دے دیا جائے کہ اس جانب سے جو مالِ غنیمت حاصل ہو وہ اسی خاص جماعت کا ہوگا جو وہاں گئی ہے۔ صرف اتنا کرنا ہوگا کہ اُس مال میں سے پانچواں حصّہ عام مسلمانوں کی ضروریات کے لیے بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔

تیسرے یہ کہ پانچواں حصّہ جو بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے اس میں سے کسی خاص غازی کو اُس کی ممتاز کارگزاری کے صلہ میں امیر کی صوابدید کے مطابق دیا جائے۔

چوتھے یہ کہ پورے مالِ غنیمت میں سے کچھ حصّہ الگ کر کے خدمت پیشہ

لوگوں کو بطور انعام دیا جائے جو مجاہدین کے گھوڑوں وغیرہ کی نگہداشت کرتے ہیں اور اُن کے کاموں میں مدد کرتے ہیں (ابن کثیر)

خلاصہ مضمون آیت کا یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ لوگ آپ سے انفال کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ انفال سب اللہ کے ہیں اور اُس کے رسول کے یعنی خود کوئی اُن کا حقدار یا مالک نہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُس کے رسول جو کچھ فیصلہ فرمائیں وہ ہی نافذ ہو گا۔

لوگوں کے باہمی اتفاق و اتحاد کی بنیاد تقویٰ اور خوفِ خدا ہے

اس آیت کے آخری جملہ میں ارشاد فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ جس میں صحابہ کرام کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات کو درست رکھو اس میں اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جو غزوۂ بدر میں اموالِ غنیمت کی تقسیم کی بابت صحابۂ کرام کے آپس میں پیش آگیا تھا جس میں باہمی کشیدگی اور ناراضی کا خطرہ تھا۔ حق تعالیٰ نے تقسیمِ غنیمت کا قضیہ تو خود اس آیت کے ذریعہ طے فرما دیا۔ اب اُن کے دلوں کی اصلاح اور باہمی تعلقات کی خوشگواری کی تدبیر بتلائی گئی ہے جس کا مرکزی نقطہ تقویٰ اور خوفِ خدا ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ جب تقویٰ اور خوفِ خدا و آخرت غالب ہوتا ہے

توڑ سے بڑے بڑے جھگڑے منٹوں میں ختم ہو جاتے ہیں۔ باہمی منافرت کے پہاڑ گرد بن کر اُڑ جاتے ہیں۔ اہل تقوی کا حال بقول مولانا رومیؒ یہ ہو جاتا ہے ؎

خود چہ جائے جنگ و جدل نیک و بد

کیں الم از صلحہا ہم میرمد'

یعنی ان لوگوں کو کسی جنگ و جدل اور جھگڑے سے تو کیا دلچسپی ہوتی۔ ان کو تو خلائق کی صلح اور درستی کے لیے بھی فرصت نہیں ملتی۔ کیونکہ جس کا قلب اللہ تعالیٰ کی محبّت و خوف اور یاد میں مشغول ہو اس کو دوسروں سے تعلقات بڑھانے کی کہاں فرصت ہے ؎

بسودائی جاناں زجاں مشتغل   بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل

اسی لیے اس آیت میں تقویٰ کی تدبیر بتلا کر فرمایا: اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ یعنی بذریعہ تقویٰ آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو۔ اس کی مزید تشریح اس طرح فرمائی۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ، یعنی اللہ اور رسول کی مکمل اطاعت ہو اگر تم مؤمن ہو یعنی ایمان کا تقاضا ہے اطاعت اور اطاعت نتیجہ ہے تقویٰ کا اور جب یہ چیزیں لوگوں کو حاصل ہو جائیں تو اُن کے آپس کے جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے اور دشمنی کی جگہ دلوں میں الفت و محبّت پیدا ہو جائے گی۔

مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا طریقہ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ
بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے اگر تم کو یقین ہے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر فیصلہ کے دن جس دن بھڑ گئیں دونوں فوجیں، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

معارف و مسائل

اس آیت میں مال غنیمت کے احکام اور اس کی تقسیم کا قانون مذکور ہے اس سے پہلے چند ضروری الفاظ کی تشریح سن لیجئے۔

لفظ غنیمت لغت میں اُس مال کے لیے بولا جاتا ہے جو دشمن سے حاصل کیا جائے۔ اصطلاح شریعت میں غیر مسلموں سے جو مال جنگ و قتال اور قہر و غلبہ کے ذریعہ حاصل ہو اس کو غنیمت کہتے ہیں اور جو صلح و رضامندی سے حاصل ہو جیسے جزیہ و خراج وغیرہ اس کو فیئ کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں انہیں دونوں لفظوں سے ان دونوں قسموں کے احکام بتلائے گئے ہیں۔ سورۂ انفال میں مال غنیمت کے احکام کا ذکر ہے جو جنگ و قتال کے وقت غیر مسلموں سے حاصل ہو۔

یہاں سب سے پہلے ایک بات پیش نظر رہنا چاہیئے وہ یہ کہ اسلامی اور قرآنی نظریہ کے مطابق تمام کائنات کی اصلی ملکیت صرف اس ذات حق تعالیٰ کی ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے انسان کی طرف کسی چیز کی ملکیت کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کے ذریعہ کسی شخص کی ملکیت قرار دے دی ہو۔ جیسے سورۂ یٰسٓ میں چوپائے جانوروں کے ذکر میں ارشاد فرمایا: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ۔ یعنی کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ چوپاؤں کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا پھر لوگ ان کے مالک بن گئے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی ملکیت ذاتی نہیں ہم نے اپنے فضل سے ان کو مالک بنا دیا۔

جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرتی ہے یعنی کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتی ہے تو پہلے حق تعالیٰ ان کی اصلاح کے لیے اپنے رسول اور کتابیں بھیجتے ہیں جو بدبخت اس انعام الٰہی سے بھی متاثر نہیں ہوتے تو اللہ تعالےٰ اپنے رسولوں کو اُن کے مقابلہ میں جہاد و قتال کا حکم دے دیتے ہیں جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ان باغیوں کے جان و مال سب مباح کر دیئے گئے ان کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اموال سے نفع اٹھانے کا حق نہیں رہا۔ بلکہ ان کے اموال بحق سرکار ضبط ہو گئے۔ انہیں ضبط شدہ اموال کا دوسرا نام مال غنیمت ہے۔ جو کفار کی ملکیت سے نکل کر خالص حق تعالیٰ کی ملکیت میں رہ گئے۔

ان ضبط شدہ اموال کے لیے زمانۂ قدیم سے حق تعالیٰ کا قانون یہ رہا ہے کہ ان سے کسی کو فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی بلکہ ایسے اموال کو جمع کر کے کسی کھلی جگہ میں رکھ دیا جاتا اور آسمان سے ایک بجلی آکر اِن کو جلا دیتی تھی

یہی علامت ہوتی تھی اس جہاد کے قبول ہونے کی۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چند خصوصیات حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مالِ غنیمت آپ کی اُمت کے لیے حلال کر دیا گیا (کما فی حدیث مسلم) اور حلال بھی ایسا کہ اُس کو اَطیب الاموال کہا جاتا ہے یعنی سب سے زیادہ پاک مال۔ وجہ یہ ہے کہ جو مال انسان اپنے کسب اور کمائی سے حاصل کرتا ہے اس میں انسانوں کی ملکیت سے واسطہ در واسطہ منتقل ہو کر ایک مال اس کی ملکیت میں آتا ہے اور ان واسطوں میں حرام و ناجائز یا مکروہ طریقوں کا احتمال رہتا ہے بخلاف مالِ غنیمت کے کہ کفار کی ملکیت اُن سے ختم ہو کر براہِ راست حق تعالیٰ کی ملکیت رہ گئی اور اب جس کو ملتا ہے براہِ راست حق تعالیٰ کی ملکیت سے ملتا ہے جس میں کوئی شبہ اور شائبہ حُرمت یا کراہت کا نہیں رہتا جیسے کنوئیں سے نکالا ہوا پانی یا خود رو گھاس جو براہِ راست حق تعالیٰ کا انعام انسان کو ملتا ہے کوئی انسانی واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مالِ غنیمت جو پچھلی امتوں کے لیے حلال نہیں تھا اُمتِ مرحومہ کے لیے بطورِ انعام حلال کر دیا گیا۔ آیتِ مذکورہ میں اس کی تقسیم کا ضابطہ اس عنوان سے فرمایا گیا ہے کہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ اس میں عربی لغت کے قاعدہ سے اوّل تو لفظ مَا عموم پر دلالت کرتا ہے پھر اُس عموم کی تاکید مزید کے لیے لفظ مِنْ شَیْءٍ بڑھایا گیا جس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ چھوٹی بڑی چیز مالِ غنیمت میں حاصل ہو وہ سب اسی قانون کے تحت میں داخل ہے کسی چیز کو معمولی یا چھوٹا سمجھ کر کوئی شخص قانون تقسیم کے علاوہ اگر لے لے گا تو وہ سخت مجرم قرار پائے گا۔ اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سوئی اور اس کا دھاگہ بھی جو مالِ غنیمت کا جزء ہو کسی

کے لیے اُس کا بغیر اپنے حصّہ شرعی کے لیے لینا جائز نہیں۔ اور مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز بغیر حصّہ کے لینے کو حدیث میں غلول فرما کر اُس پر شدید وعید فرمائی ہے اور عام چوری سے زیادہ شدید حرام قرار دیا ہے۔

ضابطۂ تقسیم کا یہ عنوان دے کر تمام مجاہد مسلمانوں کو اس سے باخبر کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مال تمہارے لیے حلال کر دیا ہے مگر ایک خاص ضابطہ کے تحت حلال ہے اُس کے خلاف اگر کوئی لے گا تو وہ جہنم کا ایک انگارہ ہوگا۔

قرآنی قانون کا یہی وہ امتیاز ہے جو دنیا کے دوسرے قوانین کو حاصل نہیں اور یہی قانونِ قرآنی کی تاثیرِ کامل اور کامیابی کا اصلی راز ہے کہ اول خوفِ خدا و آخرت کو پیشِ نظر کر کے اُس سے ڈرایا گیا اور دوسرے نمبر پہ تعزیری سزائیں بھی جاری کی گئیں۔

ورنہ غور کا مقام ہے کہ عین میدانِ جنگ کی افراتفری کے وقت جو اموالِ غیر مسلموں کے قبضہ سے حاصل کئے جائیں جن کی تفصیل نہ پہلے سے مسلمانوں کے امیر کے علم میں ہے نہ کسی دوسرے کے۔ اور موقع میدانِ جنگ کا ہے جو عموماً جنگل اور صحرا ہوتے ہیں جن میں چھپنے چھپانے کے ہزاروں مواقع ہوتے ہیں۔ نرے قانون کے زور سے ان اموال کی حفاظت کسی کے بس میں نہیں، صرف خوفِ خدا و آخرت ہی وہ چیز تھی جس نے ایک ایک مسلمان کو ان اموال میں ادنیٰ تصرّف کرنے سے باز رکھا۔

اب اس ضابطۂ تقسیم کو دیکھیے ارشاد فرمایا: فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ یعنی مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اس کے رشتہ داروں کا اور یتیموں، مسکینوں، مسافروں کا ہے۔

یہاں پہلے تو یہ بات غور طلب ہے کہ ضابطہ پورے مالِ غنیمت کی تقسیم کا بیان ہو رہا ہے مگر قرآن نے صرف اس کے پانچویں حصّے کی تقسیم کا ضابطہ یہاں ذکر فرمایا باقی چار حصّوں کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ اس میں کیا راز ہے اور باقی چار حصّوں کی تقسیم کا کیا قانون ہے۔ لیکن قرآن میں غور و تدبّر کرنے سے ان دونوں باتوں کا جواب انہیں لفظوں میں نکل آتا ہے کہ قرآن کریم نے جہاد کرنے والے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا مَا غَنِمْتُم یعنی جو کچھ تم نے غنیمت میں حاصل کیا۔ اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ مال ان حاصل کرنے والوں کا حق ہے اور اس کے بعد جب یہ ارشاد فرما دیا کہ اس میں سے پانچواں حصّہ اللہ اور رسول وغیرہ کا ہے تو اس کا نتیجہ صاف یہ نکل آیا کہ باقی چار حصّے غانمین اور مجاہدین کے ہیں۔ جیسے قرآن کریم کے قانونِ وراثت میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے: وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ۔ یعنی جب کسی شخص کے وارث اس کے ماں باپ ہوں تو ماں کا چھٹا حصّہ ہے۔ یہاں بھی صرف ماں کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ باقی پانچ حصّے باپ کا حق ہیں۔ اسی طرح مَا غَنِمْتُم کے بعد جب صرف پانچویں حصّہ کو اللہ کے لیے رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ باقی چار حصّے مجاہدین کا حق ہیں۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور عمل نے اس کو اور اس کی پوری تفصیلات کو واضح کر دیا کہ یہ چار حصّے مجاہدین میں ایک خاص قانون کے تحت تقسیم فرماتے۔

اب اس پانچویں حصّہ کی تفصیل سُنیئے جس کو قرآن کریم نے اس آیت میں متعین فرما دیا ہے۔ الفاظ قرآنی میں اس جگہ چھ الفاظ مذکور ہیں۔ لِلّٰهِ ۔ لِلرَّسُوْلِ ۔ لِذِی الْقُرْبٰی ۔ الْيَتٰمٰی ۔ الْمَسٰكِيْنِ ۔ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۔ اس میں لفظ لِلّٰهِ تو ایک جلی عنوان ہے۔ اُن مصارف کا جن میں یہ

پانچواں حصہ تقسیم ہوگا یعنی یہ سب مصارف خالص اللہ کے لیے ہیں اور اس لفظ کے اس جگہ لانے میں ایک خاص حکمت ہے جس کی طرف تفسیر مظہری میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے لیے صدقات کا مال حرام قرار دیا گیا ہے کہ وہ آپ کے شایانِ شان نہیں کیونکہ عام لوگوں کے اموال کو پاک کرنے کے لیے ان میں سے نکالا ہوا حصہ ہے جس کو حدیث میں اوساخ الناس فرمایا ہے یعنی لوگوں کا مَیل کُچیل۔ وہ شانِ نبوّت کے لائق نہیں۔

مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ میں سے چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو بھی قرآن کی اس آیت نے حصہ دیا ہے اس لیے اس پر متنبہ کیا گیا کہ یہ حصہ لوگوں کی ملکیت سے منتقل ہو کر نہیں آیا بلکہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ مالِ غنیمت کفار کی مِلک سے نکل کر براہِ راست حق تعالیٰ کی خالص ملکیت ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ انعام تقسیم ہوتا ہے۔ اس لیے اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوی القربیٰ کو جو حصہ مالِ غنیمت کے خمس سے دیا گیا ہے وہ لوگوں کے صدقات کا نہیں بلکہ براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف سے فضل و انعام ہے۔ شروع آیت میں فرمایا گیا لِلّٰہِ یعنی سب مال اصل میں خالص ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے، اُسی کے فرمان کے مطابق مذکورہ مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔

اس لیے اس خُمس کے اصلی مصارف پانچ رہ گئے۔ رسول۔ ذوی القربیٰ۔ یتیم۔ مسکین۔ مسافر، پھر ان میں استحقاق کے درجے مختلف ہیں۔ قرآن کریم کی بلاغت دیکھئے کہ ان درجاتِ استحقاق کا فرق کس باریک اور لطیف انداز

سے ظاہر فرمایا گیا ہے کہ ان پانچ میں سے پہلے دو پر حرف لام لایا گیا۔ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی۔ اور باقی تین قسموں کو بغیر حرف لام کے باہم معطوف بنا کر ذکر کر دیا گیا۔

حرف لام عربی زبان میں کسی خصوصیت کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لفظ لِلّٰہ میں حرف لام اختصاص ملکیت کے بیان کے لیے ہے کہ اصل مالک سب چیزوں کا اللہ تعالیٰ ہے اور لفظ للرسول میں استحقاق کی خصوصیت کا بیان مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خُمس غنیمت کے صرف کرنے اور تقسیم کرنے کا حق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ جس کا حاصل امام طحاوی کی تحقیق اور تفسیر مظہری کی تشریح کے مطابق یہ ہے کہ اگرچہ اس جگہ خُمس کے مصارف میں پانچ ناموں کا ذکر ہے لیکن درحقیقت اس میں پورا تصرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ اپنی صوابدید کے مطابق ان پانچ قسموں میں خُمس غنیمت کو صرف فرمائیں جیساکہ سورۂ انفال کی پہلی آیت میں پورے مالِ غنیمت کا حکم یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہیں صرف فرمائیں جس کو چاہیں دیں۔ آیت وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ نے کل مالِ غنیمت کے پانچ حصے کر کے چار کو مجاہدین کا حق قرار دے دیا مگر پانچواں حصہ بدستور اسی حکم میں رہا کہ اس کا صرف کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر چھوڑا گیا صرف اتنی بات کا اضافہ ہوا کہ اس پانچویں حصے کے پانچ مصرف بیان کر دیے گئے کہ یہ ان میں دائر رہے گا۔ مگر جمہور ائمۂ اہلِ تحقیق کے نزدیک آپ کے ذمہ یہ لازم نہیں تھا کہ اس خُمس کے پانچ حصے برابر کریں اور مندرجہ آیت پانچوں قسموں میں برابر تقسیم کریں بلکہ صرف اتنا ضروری تھا کہ خُمس غنیمت کو انہیں پانچ قسموں کے اندر سب کو یا بعض کو اپنی صواب دید کے

مطابق عطا فرمائیں۔

اس کی سب سے بڑی واضح دلیل خود اس آیت کے الفاظ اور اُن میں بیان کی ہوئی مصارف کی قسمیں ہیں کہ یہ سب قسمیں عملاً الگ الگ نہیں بلکہ باہم مشترک بھی ہوسکتی ہیں مثلاً جو شخص ذوی القربیٰ میں داخل ہے وہ یتیم بھی ہوسکتا ہے مسکین اور مسافر بھی۔ اسی طرح مسکین اور مسافر یتیم بھی ہوسکتے ہیں ذوی القربیٰ بھی، جو مسکین ہے وہ مسافر کی فہرست میں بھی آسکتا ہے اگر ان سب قسموں میں الگ الگ برابر تقسیم کرانا مقصود ہوتا تو یہ قسمیں ایسی ہونا چاہیئے تھیں کہ ایک قسم کا آدمی دوسری قسم میں داخل نہ ہو۔ ورنہ پھر یہ لازم آئے گا کہ جو ذوی القربیٰ میں سے ہے اور وہ یتیم بھی ہے مسکین بھی مسافر بھی تو اُس کو ہر حیثیت سے ایک ایک حصّہ ملاکر چار حصّے دیئے جائیں جیساکہ تقسیم فرائض و میراث کا یہی قاعدہ ہے کہ ایک شخص کو میّت کے ساتھ مختلف قسم کی قرابتیں حاصل ہیں تو ہر قرابت کا حصّہ اس کو الگ ملتا ہے اور اُمت میں اس کا کوئی قائل نہیں کہ ایک شخص کو چار حصّے دیئے جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقصود اس آیت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پابندی نہیں ہے کہ ان سب قسموں کو ضرور ہی دیں اور برابر دیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ خُمس غنیمت کا مال ان پانچ قسموں میں سے جس قسم پر جتنا خرچ کرنا آپ کی رائے میں مناسب ہو اُتنا دے دیں۔ (تفسیر مظہری)

یہی وجہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب اس خُمس میں سے ایک خادم کا سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور گھر کے کاموں میں اپنی محنت و مشقت اور کمزوری کا سبب بھی ظاہر کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عذر فرما کر اُن کو دینے سے

انکار کر دیا کہ میرے سامنے تمہاری ضرورت سے زیادہ اہل صفہ صحابۂ کرام کی ضرورت ہے جو انتہائی فقر و افلاس میں مبتلا ہیں ان کو چھوڑ کر میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

اس سے واضح ہو گیا کہ ہر ایک قسم کا الگ حق نہیں تھا ورنہ ذوی القربیٰ کے حق میں فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے کون مقدم ہوتا۔ بلکہ یہ سب بیانِ مصارف ہے بیانِ استحقاق نہیں۔

تقسیم خمس بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جمہور ائمہ کے نزدیک خمس غنیمت میں جو حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا گیا وہ آپ کے منصبِ نبوت و رسالت کی بناء پر ایسا ہی تھا، جیسے آپ کو خصوصی طور پر یہ بھی حق دیا گیا تھا کہ پورے مال غنیمت میں آپ اپنے لیے کوئی چیز انتخاب کر کے لے لیں جس کی وجہ سے بعض غنیمتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اشیاء لی بھی تھیں۔ اور خمس غنیمت میں سے آپ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا نفقہ ادا فرماتے تھے۔ آپکی وفات کے بعد یہ حصہ خود بخود ختم ہو گیا کیونکہ آپ کے بعد کوئی رسول و نبی نہیں۔

خُمس ذوی القربیٰ

اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ فقراء ذوی القربیٰ کا حق خمس غنیمت میں دوسرے مصارف یعنی یتیم، مسکین، مسافر سے مقدم ہے۔ کیونکہ فقراء ذوی القربیٰ کی امداد زکوٰۃ و صدقات سے نہیں ہو سکتی دوسرے مصارف زکوٰۃ و صدقات سے بھی ہو سکتے ہیں۔ (کما صرح بہ فی الہدایہ ویقدّمون) البتہ اغنیاء ذوی القربیٰ کو

اس میں سے دیا جائے گا یا نہیں۔ اس میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کا فرمانا یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جو ذوی القربیٰ کو عطا فرماتے تھے تو اس کی دو بنیادیں تھیں ایک اُن کی حاجتمندی اور فقر دوسرے اقامتِ دین اور دفاع عن الاسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و امداد دوسرا سبب تو وفاتِ نبوی کے ساتھ ختم ہو گیا صرف پہلا سبب فقر و حاجتمندی رہ گیا اُس کی بنا پر تا قیامت ہر امام و امیر اُن کو دوسروں سے مقدم رکھے گا (ہدایہ۔ جصاص)۔ امام شافعیؒ سے بھی یہی قول منقول ہے (قرطبی)

اور بعض فقہاء کے نزدیک سہم ذوی القربیٰ بحیثیت قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لیے باقی ہے جس میں اغنیاء اور فقراء سب شریک ہیں البتہ امیرِ وقت اپنی صوابدید کے مطابق اُن کو حصّہ دے گا۔ (مظہری)

اور اصل چیز اس معاملہ میں خلفاء راشدین کا تعامل ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا کیا۔ صاحبِ ہدایہ نے اس کے متعلق لکھا ہے۔

ان الخلفاء الاربعة الراشدین قسّموه علی ثلثة اسهم۔	چاروں خلفاء راشدین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد خمس غنیمت کو صرف تین قسموں میں تقسیم فرمایا ہے یتیم، مسکین، فقیر۔

البتہ حضرت فاروق اعظمؓ سے ثابت ہے کہ فقراء ذوی القربیٰ کو خمس غنیمت سے دیا کرتے تھے (اخرجہ ابو داؤد) اور ظاہر ہے کہ یہ تخصیص صرف فاروقِ اعظمؓ کی نہیں دوسرے خلفاء کا بھی یہی عمل ہو گا۔

اور جن روایات سے یہ ثابت ہے کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اپنے آخری زمانۂ خلافت تک ذوی القربیٰ کا حق نکالتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اُس کا متولی بنا کر ذوی القربیٰ میں تقسیم کراتے تھے (کما فی روایۃ کتاب الخراج لابی یوسف) تو یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ وہ تقسیم فقراء ذوی القربیٰ کے لیے مخصوص ہو۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

فائدہ ذوی القربیٰ کی تعیین خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس طرح فرمادی کہ بنوہاشم تو آپ کا اپنا قبیلہ ہی تھا بنو عبدالمطلب کو بھی ان کے ساتھ اس لیے شامل فرما لیا تھا کہ یہ لوگ بھی جاہلیت و اسلام میں کبھی بنوہاشم سے الگ نہیں ہوئے یہاں تک کہ قریشِ مکہ نے جب غذائی مقاطعہ بنوہاشم کا کیا اور ان کو شعب ابی طالب میں بند کر دیا تو بنو عبدالمطلب کو اگرچہ قریش نے مقاطعہ میں داخل نہیں کیا تھا مگر یہ لوگ اپنی رضامندی سے مقاطعہ میں شریک ہو گئے (مظہری)

غزوۂ بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا گیا

آیت مذکورہ میں بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ سب سے پہلے مادی اور ظاہری طور پہ مسلمانوں کی واضح فتح اور کفار کی عبرتناک شکست اس دن میں ہونے کی بناء پہ کفر و اسلام کا ظاہری فیصلہ بھی اس دن ہو گیا۔

مال فیء کا باعث اور اسکی تقسیم کا طریقہ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ج وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ط مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ق وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ق فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِی الدُّنْیَا ط وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ج وَمَنْ یُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓی اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیُخْزِیَ الْفٰسِقِیْنَ ۝

اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا، وہی ہے جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہوئے کتاب والوں میں ان کے گھروں سے پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے، تم نہ اٹکل کرتے تھے کہ نکلیں

گے اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کو بچا لیں گے ان کے قلعے اللہ کے ہاتھ سے پھر پہنچا اُن پر اللہ جہاں سے ان کو خیال نہ تھا، اور ڈال دی اُن کے دلوں میں دھاک اُجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں، سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو، اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے ان پر جلا وطن ہونا تو اُن کو عذاب دیتا دنیا میں اور آخرت اُن کے لیے ہے آگ کا عذاب، یہ اس لیے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور جو بھی مخالف ہو اللہ سے تو اللہ کا عذاب سخت ہے، جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے اور تاکہ رسوا کرے نافرمانوں کو۔

ربطِ سورت اور شانِ نزول

پچھلی سورت میں یہود کی دوستی جو منافقین نے اختیار کر رکھی تھی اسکی مذمت کا بیان تھا، اس سورت میں یہود پہ دنیا میں جلاوطنی کی سزا اور آخرت کا عذاب مذکور ہے اور قصہ ان یہود کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہود سے معاہدہ صلح کا ہو چکا تھا، اور ان یہودیوں کے مختلف قبائل میں ایک قبیلہ بنو نضیر کا تھا وہ بھی معاہدۂ صلح میں داخل تھا، اور یہ لوگ مدینہ طیبہ سے دو میل پر رہتے تھے، ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ عمرو بن اُمیہ ضمری کے ہاتھ سے دو قتل ہو گئے تھے جس کا خوں بہا سب کو مل کر ادا کرنا تھا، آپ نے اپنے مسلمانوں سے اس کے لیے چندہ حاصل کیا، پھر یہ ارادہ

ہوا کہ یہود بھی از روئے صلحنامہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں خون بہا کی رقم میں انکو بھی شریک کیا جائے، اس کام کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے یہ سازش کی کہ آپؐ کو قتل کر دینے کا موقع ہمارے ہاتھ آگیا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ بٹھلا دیا، اور کہا کہ ہم خونبہا کی رقم جمع کرنے کا انتظام کرتے ہیں، اور خفیہ مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ جس دیوار کے نیچے آپ تشریف فرما ہیں کوئی شخص اوپر چڑھ کر کوئی بڑا بھاری پتھر آپؐ کے اوپر چھوڑ دے کہ آپؐ کا کام تمام ہو جائے، آپ کو فوراً بذریعہ وحی اُن کی یہ سازش معلوم ہو گئی، آپؐ وہاں سے اُٹھ کر واپس تشریف لائے اور ان سے کہلا بھیجا کہ تم نے عہد شکنی کر کے صلح توڑ دی اس لیے اب تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے اس میں تم جہاں چاہو چلے جاؤ، اس مدّت کے بعد جو یہاں نظر آوے گا اس کی گردن مار دی جائے گی۔ انہوں نے چلے جانے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن اُبی منافق نے اُن کو روکا، کہ کہیں نہ جاؤ میرے پاس دو ہزار آدمیوں کی جمعیت ہے جو اپنی جان کے لیے لڑیں گے، تم پر آنچ نہ آنے دیں گے، اور رُوح المعانی میں ابن اسحٰق کی روایت سے اس میں عبداللہ کے ساتھ ودیعہ بن مالک اور سُوَید اور رَاعِس کا شریک ہونا بھی لکھا ہے، یہ لوگ اُن کے کہنے میں آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جائیں گے، آپؐ سے جو کچھ ہو سکے کر لیجئے، آپ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ اس قبیلہ پر حملہ آور ہوئے، اور یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، اور منافقین مُنہ چُھپا کر بیٹھ گئے، آپؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا، اور ان کے درخت جلوا دیئے، کچھ کٹوا دیئے، آخر تنگ آکر انہوں نے جلاوطن ہونا منظور کر لیا، آپؐ نے اس حال میں بھی اُن کے ساتھ یہ رعایت کی کہ حکم دے دیا کہ جتنا سامان تم ساتھ لے جاسکتے

ہو لیے جاؤ، بجز ہتھیار کے وہ ضبط کر لیے جاویں گے، یہ لوگ نکل کر کچھ شام میں چلے گئے، کچھ خیبر میں، اور حرص دنیا کی وجہ سے اپنے گھروں کی کڑیاں، تختے، کواڑ تک اکھاڑ کر لے گئے، اور یہ قصہ غزوۂ بدر کے بعد ربیع الاوّل ۴ھ میں پیش آیا، پھر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو دوسرے یہود کے ساتھ ملک شام کی طرف نکال دیا، یہ دونوں جلاوطنی حشر اوّل اور حشر ثانی کہلاتی ہیں، کذا فی زاد المعاد۔

معارف و مسائل

سورۂ حشر کی خصوصیات اور قبیلۂ بنو نضیر کی تاریخ

سورۂ حشر پوری یہود کے قبیلۂ بنو نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے (قالہ ابن اسحٰق) اور حضرت ابن عباسؓ اس سورۃ کا نام ہی سورۂ بنی نضیر کہا کرتے تھے (ابن کثیر) بنو نضیر یہود کا ایک قبیلہ ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہے۔ ان کے آباء واجداد توراۃ کے عالم تھے، جس میں حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کی خبر اور آپؐ کا حلیہ مبارک اور علامات مذکور تھیں، اور یہ کہ ان کی ہجرت یثرب (مدینہ) کی طرف ہوگی، یہ خاندان اس طمع میں کہ خاتم الانبیاءؐ کے ساتھ رہیں شام سے مدینہ طیبہ منتقل ہوا تھا، ان کے موجودہ لوگوں میں بھی کچھ توراۃ کے عالم تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد علامات دیکھ کر پہچان بھی لیا تھا کہ یہ وہی خاتم الانبیاءؐ ہیں، لیکن اُن کا خیال تھا کہ وہ آخری نبی ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ان کے خاندان میں ہوں گے اور خاتم الانبیاءؐ

صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسمٰعیل میں مبعوث ہوئے تو اس حسد نے ان لوگوں کو ایمان لانے سے روک دیا، مگر دل میں اُن کے اکثر لوگ آپؐ کے آخر الانبیاء ہونے کو جانتے پہچانتے تھے، اور غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی حیرت انگیز فتح اور مشرکین کی شکست دیکھ کر ان کا یہ یقین کچھ اور بڑھا بھی تھا، اس کا اقرار ان کی زبانوں سے سُنا بھی گیا، مگر اس ظاہری فتح و شکست کو حق و باطل کے پہچاننے کا معیار بنا لینا ہی ایک بودی اور کمزور بنیاد تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ غزوۂ اُحد میں جب ابتداءً مسلمانوں کو شکست ہوئی، کچھ حضرات صحابہؓ شہید ہوئے تو ان کا یقین متزلزل ہو گیا، اور اس کے بعد سے انہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ سازباز شروع کر دی۔

اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچ کر حکیمانہ سیاست کے مقتضیٰ پر سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ مدینہ طیبہ میں اور شہر کے آس پاس کچھ یہود کے قبائل آباد تھے، ان سے معاہدۂ صلح اس پر کر لیا تھا کہ یہ لوگ نہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے اور نہ کسی جنگ کرنے والے کی امداد کریں گے، اگر ان پہ کوئی حملہ آور ہوا تو مسلمان ان کی امداد کریں گے، صلحنامہ میں اور بھی بہت سی دفعات تھیں جن کی تفصیل سیرت ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہے، اسی طرح یہود کے تمام قبائل کی جن میں بنو نضیر بھی داخل تھے، مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلہ پر اُن کی بستی اور مضبوط قلعے اور باغات تھے۔

غزوۂ اُحد تک تو یہ لوگ بظاہر اس صلحنامہ کے پابند نظر آئے، مگر اُحد کے بعد انہوں نے غداری کی اور خفیہ خیانت شروع کر دی، اس غدر و خیانت کی ابتداء اس سے ہوئی کہ بنو نضیر کا ایک سردار کعب بن اشرف غزوۂ اُحد کے

بعد اپنے یہودیوں کے چالیس آدمیوں کے ایک قافلے کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچا اور یہاں کے کفار قریش جو غزوۂ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کی نیت سے غزوۂ اُحد پر گئے تھے، اور اس میں بالآخر شکست کھا کر واپس ہو چکے تھے اُن سے ملاقات کی اور ان دونوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا ایک معاہدہ ہونا قرار پایا، جس کی تکمیل اس طرح کی گئی کہ کعب بن اشرف اپنے چالیس۴۰ یہودیوں کے ساتھ اور ان کے بالمقابل ابو سفیان اپنے چالیس قریشیوں کے ساتھ حرم بیت اللہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر یہ معاہدہ کیا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے۔

کعب بن اشرف اس معاہدہ کے بعد مدینہ طیّبہ آیا تو جبرئیل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا واقعہ اور معاہدہ کی تفصیل بتلا دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم جاری فرما دیا، چنانچہ محمد بن مسلمہ صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد بنو نضیر کی مختلف خیانتیں اور سازشیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتی رہیں، جن میں ایک وہ واقعہ ہے جو اوپر شانِ نزول کے عنوان سے لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی، اور اگر فوری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی اس سازش پر مطلع نہ ہوتے تو یہ لوگ اپنی سازشِ قتل میں کامیاب ہو جاتے، کیونکہ جس مکان کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے بٹھایا تھا اس کی چھت پر چڑھ کر ایک بڑا بھاری پتھر آپؐ کے سرِ مبارک پر چھوڑ دینے کا منصوبہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا، جو شخص اس منصوبہ کو عملی صورت دینے والا تھا اس کا نام عمر بن

حجاش تھا، حق تعالیٰ جل شانہٗ نے آپؐ کی حفاظت فرمائی اور یہ منصوبہ فیل ہو گیا۔

ایک عبرت

یہ بھی عجیب معاملہ ہے کہ بعد کے واقعہ میں سارے ہی بنو نضیر جلاوطن ہو کر مدینہ سے نکل گئے، مگر ان میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہو کر محفوظ و مامون رہے، ان دو میں ایک یہی عمر بن حجاش تھے، دوسرے ان کے چچا یامین بن عمرو بن کعب تھے (ابن کثیر)

عمرو بن اُمیہّ ضمری کا واقعہ

شانِ نزول کے واقعہ کا جو یہ ذکر آیا ہے کہ عمرو بن اُمیّہ ضمری کے ہاتھ سے دو قتل ہو گئے تھے ان کا خون بہا جمع کرنے کی کوشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے۔ اسی خون بہا کے سلسلے میں بنو نضیر کا چندہ حاصل کرنے کے لیے آپؐ ان کی بستی میں تشریف لے گئے تھے۔ اس کا واقعہ ابن کثیر نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کفار کی سازشیں اور مظالم کی داستان بہت طویل ہے، ان میں سے ایک واقعہ بیرِ معونہ کا تاریخِ اسلام میں معروف و مشہور ہے کہ بعض منافقین و کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بستی میں تبلیغِ اسلام کے لیے صحابۂ کرام کی ایک جماعت بھیجنے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ستّر صحابۂ کرام اُن کے ساتھ کیے۔ بعد میں حقیقت یہ کھلی کہ ان لوگوں نے یہ محض سازش کی تھی، ان سب

کو گھیر کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے، ان میں سے صرف عمرو بن امیہؓ ضمری کسی طرح نکل کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے جو بزرگ ابھی کفار کی یہ غداری اور خیانت اور اپنے انہترؓ بھائیوں کا بیدردی سے قتل دیکھ کر آرہے تھے اُن کا جذبہ کفار کے مقابلہ میں کیا ہوگا ہر شخص خود اندازہ کر سکتا ہے، اتفاق یہ ہوا کہ مدینہ طیبہؓ واپس آنے کے وقت راستہ میں ان کو دو کافروں سے سابقہ پڑا، انہوں نے دونوں کو قتل کر دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں آدمی قبیلۂ بنی عامر کے تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدۂ صلح تھا۔

مسلمانوں کے معاہدات آج کل کے سیاسی لوگوں کے معاہدات تو ہوتے نہیں کہ پہلے ہی خلاف ورزی اور عہد شکنی کی راہیں تلاش کر لی جاتی ہیں یہاں تو جو کچھ زبان یا قلم سے نکلتا تھا دین و مذہب اور خدا تعالیٰ کے حکم کی حیثیت رکھتا تھا، اور اس کی پابندی لازمی تھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غلطی کا علم ہوا تو آپؐ نے اصول شرعیہ کے مطابق ان دونوں مقتولوں کی دیت (خونبہا) ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس کے لیے مسلمانوں سے چندہ کیا، اس میں بنو نضیر کے پاس بھی چندہ کے سلسلے میں جانا ہوا (ابن کثیر)

بنو نضیر کو جلاوطن کرنیکے وقت اسلام اور مسلمانوں کی رواداری موجودہ اہل سیاست کیلئے سبق آموز معاملہ

آج کے بڑے بڑے حکمران اور بڑی حکومتیں جو انسانی حقوق کے تحفظ پر بڑے بڑے لیکچر دیتے ہیں اور اس کے لیے ادارے قائم کرتے ہیں اور دُنیا میں

تحفظ حقوق انسانیت کے چودھری کہلاتے ہیں ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالیں کہ بنو نضیر کی مسلسل سازشیں، خیانتیں، قتل رسولؐ کے منصوبے جو آپ کے سامنے آتے رہے اگر آج کل کے کسی حکمران اور کسی سربراہ مملکت کے سامنے آئے ہوتے تو ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا، آجکل تو زندہ لوگوں پر پیٹرول چھڑک کر میدان صاف کر دینا کسی بڑے اقتدار و حکومت کا بھی محتاج نہیں، کچھ غنڈے شریر جمع ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ کر ڈالتے ہیں، شاہانہ غیظ و غضب کے کرشمے کچھ اس کے آگے ہی ہوتے ہیں۔

مگر یہ حکومت خدا کی اور اس کے رسولؐ کی ہے جب خیانتیں اور غداریاں انتہا کو پہنچ گئیں تو اس وقت بھی ان کے قتل عام کا ارادہ نہیں فرمایا، اُن کے مال و اسباب چھین لینے کا کوئی تصور نہ تھا، بلکہ (۱) اپنا سب سامان لیکر صرف شہر خالی کر دینے کا فیصلہ کیا (۲) اور اس کے لیے بھی دس روز کی مہلت دی کہ آسانی سے اپنا سامان ساتھ لے کر اطمینان سے کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جائیں جب اس کی بھی خلاف ورزی کی تو فوجی اقدام کی ضرورت پیش آئی، (۳) اس لیے کچھ درخت تو جلائے گئے، کچھ کاٹے گئے کہ ان پر اثر پڑے مگر قلعہ کو آگ لگا دینے کا یا اُن کے قتل عام کا حکم اس وقت بھی نہیں دیا گیا۔

(۴) پھر جب مجبور ہو کر ان لوگوں نے شہر خالی کر دینا منظور کر لیا، تو اس فوجی اقدام کے باوجود ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ ایک اونٹ پر جس قدر سامان ایک آدمی لے جا سکتا ہے لے جائے، اُسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنے مکانوں کی کڑیاں، تختے، دروازے، کواڑ تک اتار کر لاد لیے۔

(۵) اس ساز و سامان کے ساتھ منتقل ہونے والوں کو کسی مسلمان نے ترچھی نظر سے نہیں دیکھا، امن و عافیت اور پورے اطمینان کے ساتھ

سامان لے کر رخصت ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ معاملات اس وقت کے ہیں جبکہ آپ کو اپنے دشمن سے انتقام پورا پورا لے لینے کی مکمل قدرت و طاقت حاصل تھی، ان غدار، خائن، سازشی دشمنوں کے ساتھ اُس وقت آپ کا یہ معاملہ اسی کی نظیر ہے جو فتح مکہ کے بعد اپنے قدیمی دشمنوں کے ساتھ آپؐ نے فرمایا

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ، بنو نضیر کی اس جلاوطنی کو قرآن کریم نے اوّل حشر فرمایا، حشر کے معنی اُٹھ جانے کھڑے ہو جانے کے ہیں، اول حشر کہنے کی ایک وجہ خلاصۂ تفسیر میں بیان ہو چکی ہے کہ یہ لوگ زمانۂ قدیم میں ایک جگہ آباد تھے، نقل مکانی اور جلاوطنی کا یہ واقعہ اُن کو پہلی بار پیش آیا، اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کا اصل حکم آگے یہ آنے والا تھا کہ جزیرۃ العرب کو غیر مسلموں سے خالی کرایا جائے، تاکہ وہ اسلام کا ایک مستحکم قلعہ بن سکے، اس کے نتیجہ میں ایک دوسرا حشر آئندہ بشکل جلاوطنی ہونے والا تھا جو عملاً حضرت فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں ہوا کہ ان میں سے جو لوگ منتقل ہو کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے ان کو جزیرۃ العرب سے باہر چلے جانے کا حکم دیا گیا، اس لحاظ سے بنو نضیر کی یہ جلاوطنی پہلا حشر اور دوسری جلاوطنی بعہدِ عمری دوسرا حشر ہوا۔

فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا، اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ آ گیا ان کے پاس اللہ تعالیٰ اس انداز سے کہ ان کو اس کا گمان بھی نہ تھا، اللہ کے آنے سے مراد اس کے حکم اور حکم بردار فرشتوں کا آنا ہے۔

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِى الْمُؤْمِنِيْنَ، اُن کا اپنے

مکانات کا اپنے ہاتھوں خراب کرنا تو اس طرح ہوا کہ اپنے دروازے، کواڑ ساتھ لے جانے کے لیے اکھاڑے، اور مسلمانوں کے ہاتھوں اس طرح کہ جب یہ قلعہ بند تھے تو قلعہ سے باہر مسلمانوں نے اُن پر اثر ڈالنے کے لیے درختوں اور مکانوں کو ویران کیا،

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ، لفظ لینۃ کھجور کے ہر درخت یا عَجْوَہ کے علاوہ باقی درختوں کے لیے بولا جاتا ہے، بنو نضیر کے باغات کھجور کے تھے، جب قلعہ بند ہو گئے تو بعض صحابۂ کرام نے ان لوگوں کو غیظ دلانے اور اُن پر رعب ڈالنے کے لیے ان کی کھجوروں کے چند درختوں کو کاٹ کر یا جلا کر ختم کر دیا، اور بعض دوسرے صحابۂ کرام نے خیال کیا کہ انشاء اللہ فتح ہماری ہوگی، اور یہ درخت اور باغات مسلمانوں کے ہاتھ آئیں گے تو کیوں ان کو ضائع کیا جائے وہ ان کے کاٹنے جلانے سے باز رہے، یہ ایک رائے کا اختلاف تھا، بعد میں جب آپس میں گفتگو ہوئی تو جن حضرات نے کچھ درخت کاٹے یا جلائے تھے اُن کو یہ فکر ہوئی کہ شاید ہم گناہگار ہو گئے کہ جو مال مسلمانوں کو ملنے والا تھا اس کو نقصان پہنچایا، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی جس نے دونوں فریق کے عمل کو جائز و درست فرمایا اور دونوں کو باذن اللہ میں داخل کر کے حکم الٰہی کی تعمیل قرار دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم درحقیقت اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے منکرین حدیث کے لئے تنبیہ

اس آیت میں ان درختوں کے کاٹنے جلانے یا ان کو باقی چھوڑنے کے دونوں مختلف عملوں کو باذن اللہ فرمایا ہے۔ حالانکہ قرآن کی کسی آیت میں دونوں میں سے کوئی بھی حکم مذکور نہیں، ظاہر تو یہ ہے کہ دونوں حضرات نے جو عمل کیا وہ اپنے اجتہاد سے کیا، زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی ہو مگر قرآن نے اس اجازت کو جو کہ ایک حدیث تھی اذن اللہ قرار دے کر واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے تشریع احکام کا اختیار دیا گیا ہے، اور جو حکم آپ جاری فرمادیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم میں داخل ہے، اس کی تعمیل قرآنی آیات کی تعمیل کی طرح فرض ہے۔

اجتہادی اختلاف کی دونوں جانبوں میں کسی کو گناہ نہیں کہہ سکتے

دوسرا اہم اصول اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ اجتہاد شرعی کی صلاحیت رکھتے ہیں، اگر ان کا اجتہاد کسی مسئلے میں مختلف ہو جائے، ایک فریق جائز قرار دے اور دوسرا ناجائز، تو عند اللہ یہ دونوں حکم درست اور جائز ہوتے ہیں، ان میں سے کسی کو گناہ و معصیت نہیں کہہ سکتے، اور اسی

لیے اس پر نہی عن المنکر کا قانون جاری نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں سے کوئی جانب بھی منکرِ شرعی نہیں، اور وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ میں درختوں کے کاٹنے یا جلانے والوں کے عمل کی توجیہہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بھی فساد میں داخل نہیں بلکہ کفار کو ذلیل کرنے کے قصد سے موجبِ ثواب ہے۔

مسئلہ : بحالتِ جنگ کفار کے گھروں کو منہدم کرنا یا جلانا اسی طرح درختوں، کھیتوں کو برباد کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں ائمہ فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بحالتِ جنگ ان سب کاموں کا جائز ہونا منقول ہے، مگر شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ یہ جواز اس وقت میں ہے جبکہ اس کے بغیر کفار پر غلبہ پانا مشکل ہو، یا اس صورت میں جب کہ مسلمانوں کی فتح کا گمان غالب نہ ہو، تو یہ سب کام اس لیے جائز ہیں کہ ان سے کفار کی طاقت و شوکت کو توڑنا مقصود ہے یا عدم فتح کی صورت میں اُن کے مال کو ضائع کرنا بھی ان کی قوت کو کمزور کر دینے کے لیے اس میں داخل ہے (مظہری)

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ

الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ
فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا
مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ
الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ
هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي
اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڜ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ۝ۚ وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ
سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا
غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسولؐ پر ان سے سو تم نے نہیں دوڑائے ان پر گھوڑے اور اونٹ ولیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے، جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے اور قرابت

والے کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے، تاکہ نہ آئے
لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے اور جو دے تم کو
رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو، اور ڈرتے رہو
اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے، واسطے ان مفلسوں
وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں
سے اور اپنے مالوں سے ڈھونڈھتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور
اس کی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی،
وہ لوگ وہی ہیں سچے، اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور
ایمان میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں اُن سے جو وطن چھوڑ
کر آتے اُن کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے
جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں اُن کو اپنی جان
سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ، اور جو بچا یا گیا اپنے جی کے لالچ
سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے ہیں، اور واسطے ان لوگوں کے
جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے
بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے
دلوں میں بیر ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ الآیہ، لفظ افاء،
فیئ سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں، اسی لیے دوپہر کے بعد
جو چیزوں کا سایہ مشرق کی طرف لوٹتا ہے اس کو بھی فیئ کہا جاتا ہے، اموالِ غنیمت
جو کفار سے حاصل ہوتے ہیں ان سب کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اُن کے باغی
ہو جانے کی وجہ سے ان کے اموال سب سرکار ضبط ہو جاتے ہیں اور ان کی ملکیت

سے نکل کر پھر مالک حقیقی حق تعالیٰ کی طرف لوٹ جاتے ہیں، اس لیے اُن کے حاصل ہونے کو اَفَاءَ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ کفار سے حاصل ہونے والے تمام قسم کے اموال کو فیئی ہی کہا جاتا، مگر جو مال جہاد و قتال کے ذریعہ حاصل ہوا اس میں انسانی عمل اور جدوجہد کو بھی ایک قسم کا دخل ہے اس لیے اس کو تو لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا گیا، وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ، لیکن جس کے حصول میں جہاد و قتال کی بھی کوئی ضرورت نہ پڑی اس کو لفظ فیئی سے تعبیر فرمایا گیا، اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ جو مال بغیر جہاد و قتال کے حاصل ہوا ہے وہ مجاہدین و غانمین میں مالِ غنیمت کے قانون کے مطابق تقسیم نہیں ہوگا بلکہ اس میں کلّی اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوگا جس کو جتنا چاہیں عطا فرما دیں یا اپنے لیے رکھیں، البتہ یہ پابندی لگا دی گئی کہ چند اقسام مستحقین کی متعین کر دی گئیں کہ اس مال کی تقسیم انہیں اقسام میں دائر رہنی چاہیئے، اس کا بیان اگلی آیت میں اس طرح فرمایا مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی، اس میں اہلِ قریٰ سے مراد بنو نضیر اور ان جیسے دوسرے قبائل بنو قریظہ وغیرہ ہیں جن کے اموال بغیر قتال کے حاصل ہوئے، آگے مصارف و مستحقین کی پانچ قسمیں بتلائی گئی ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے۔

آیات مذکورہ میں فیئی کے احکام، اس کے مستحقین اور ان میں تقسیم کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے۔ سورۂ انفال کے شروع میں مال غنیمت اور فیئی کا فرق واضح طور پر بیان ہو چکا ہے، کہ غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو کفار سے جہاد و قتال کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہاتھ آتا ہے، اور فیئی وہ مال ہے جو بغیر جہاد و قتال کے ان سے حاصل ہو، خواہ اس طرح کہ وہ اپنا مال چھوڑ کر

بھاگ گئے یا رضامندی سے بصورتِ جزیہ وخراج یا تجارتی ڈیوٹی وغیرہ کے ذریعہ اُن سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کی کچھ تفصیل شروع سورۂ انفال میں معارف القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۷۴ میں اور مزید تفصیل اسی سورۂ انفال کی آیت ۴۱ کے تحت معارف القرآن جلد چہارم صفحہ ۲۳۶ میں لکھی جا چکی ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ سورۂ انفال کی آیت ۴۱ میں جو الفاظ خُمس غنیمت کے متعلق آئے ہیں تقریباً وہی الفاظ یہاں مالِ فئی کے بارے میں ہے۔ سورۂ انفال میں ہے: وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔

ان دونوں آیتوں میں مال کے حقداروں میں چھ نام ذکر کئے گئے، اللہ، رسول، ذوی القربیٰ، یتیم، مسکین، مسافر، یہ ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہ تو دنیا و آخرت اور تمام مخلوقات کا مالک حقیقی ہے، اس کا نام مبارک تو حصّوں کے بیان میں محض تبرّکاً اس فائدہ کے لیے ہے کہ اس سے اس مال کو شرافت و فضیلت اور حلال و طیّب ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے، حسن بصری، قتادہ، عطاء، ابراہیم، شعبی، اور عام مفسّرین کا یہی قول ہے (مظہری)

اللہ جل شانہ کا نام ذکر کرنے سے اس مال کی فضیلت و شرافت کی طرف اشارہ کس طرح ہوا اس کا تفصیلی بیان سورۂ انفال کی تفسیر میں ہو چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لیے مال صدقہ جو مسلمانوں سے حاصل ہوتا ہے وہ بھی حلال نہیں فرمایا، مالِ غنیمت اور فئی جو کافروں سے حاصل ہوا اس پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے لیے کیسے حلال ہوا؟ اس شبہ کا ازالہ اللہ جل شانہٗ کا نام اس جگہ ذکر کر کے اس طرح کیا گیا کہ در حقیقت ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس نے اپنے فضل سے ایک خاص قانون کے تحت انسانوں کو حقِ ملکیت دیا ہے لیکن جو انسان باغی ہو جائیں ان کو صحیح راستہ پہ لانے کے لیے اوّل تو انبیاء علیہم السّلام اور آسمانی ہدایات بھیجی گئیں جو اُن سے بھی متأثر نہیں ہوتے ان کو یہ حق دیا گیا کہ کم از کم اسلامی قانون کی اطاعت قبول کر لیں اور مقررہ جزیہ و خراج اپنے مال میں سے حکومت کو ادا کیا کریں، جن لوگوں نے اس سے بھی بغاوت کی ان کے مقابلہ میں جہاد و قتال کا حکم ہو گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اُن کی جان اور مال قابلِ احترام نہیں، ان کے اموال بحقِ حکومتِ الٰہیہ ضبط ہو گئے، اور بذریعہ جہاد و قتال جو مال اُن سے حاصل ہوا وہ کسی انسان کی ذاتی ملکیت نہیں رہا، بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ملک میں واپس ہو گیا، اور لفظ فئی میں اس مفہوم کی طرف اشارہ بھی ہے، کہ اس کے اصلی معنی لوٹنے ہی کے ہیں، اس مال کو فئے اس لیے کہا گیا کہ یہ اصل مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی طرف لوٹ گیا، اب اس میں کسی انسانی ملکیت کا کوئی دخل نہیں، اس کے بعد جن مستحقین کو اس میں کوئی حصہ دیا جائے گا یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اس لیے ایسا ہی حلال طیب ہوگا جیسے پانی اور خود اُگنے والی گھاس جو براہِ راست حق تعالیٰ کا عطیہ انسان کے لیے ہے اور حلال طیب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام اس جگہ ذکر کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ سارا مال در اصل اللہ کا ہے، اس کی طرف سے مستحقین کو دیا جاتا ہے یہ کسی کا صدقہ و خیرات نہیں۔

اب مستحقین اور مصارف کُل پانچ رہ گئے، رسول[1]، ذوی القربیٰ[2]، یتیم[3]،

مسکین، مسافر، یہی پانچ مصارف مالِ غنیمت کے خمس کے ہیں، جس کا بیان سورۂ انفال میں آیا ہے اور یہی مصارف مال فئے کے ہیں اور دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ سب اموال درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء کے مکمل اختیار میں ہوتے ہیں وہ چاہیں تو ان سب اموال کو عام مسلمانوں کے مفاد کے لیے روک لیں، اور بیت المال میں جمع کر دیں کسی کو کچھ نہ دیں اور چاہیں تقسیم کر دیں، البتہ تقسیم کیے جاویں تو ان پانچ اقسام میں دائر رہیں (قرطبی)

خلفائے راشدینؓ اور دوسرے صحابۂ کرام کے تعامل سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو مالِ فئ آپؐ کے اختیار میں تھا، آپؐ کی صواب دید کے مطابق صرف کیا جاتا تھا، آپ کے بعد آپؐ کے خلفاء کے اختیار اور صواب دید پر رہا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ اس مال میں رکھا گیا تھا وہ آپؐ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا، ذوی القربیٰ کو اس مال میں سے دینے کی دو وجہ تھیں، ایک نصرتِ رسولؐ، یعنی اسلامی کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا، اس لحاظ سے اغنیاء ذوی القربیٰ کو بھی اس میں سے حصہ دیا جاتا تھا

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربیٰ پر مال صدقہ حرام کر دیا گیا ہے، تو ان کے فقراء و مساکین کو صدقہ کے بدلہ میں مالِ فئی سے حصہ دیا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نصرت و امداد کا سلسلہ ختم ہو گیا، البتہ فقراء ذوی القربیٰ کا حصہ بحیثیت فقر و احتیاج کے اس مال میں باقی رہا اور وہ اس مال میں دوسرے فقراء و مساکین کے مقابلہ میں مقدم رکھے جاویں گے (کذا فی الہدایہ) اس کی پوری تفصیل سورۂ انفال میں

آچکی ہے۔

کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ، دُوۡلَۃً، بضم دال اُس مال کو کہا جاتا ہے جس کا آپس میں لین دین کیا جائے (قرطبی) معنی آیت کے یہ ہیں کہ مال فیئ کے مستحقین اس لیے متعین کر دیئے تاکہ یہ مال تمہارے مالداروں اور تونگروں میں گردش کرنے والی دولت نہ بن جائے"۔ اس میں اشارہ اس رسم جاہلیت کو مٹانے کی طرف ہے جس میں اس طرح کے تمام اموال پر رئیس خود قابض و مالک ہو جاتا تھا۔ غریبوں، مسکینوں کے حق کا اس میں کوئی حصہ نہ رہتا تھا۔

اکتناز دولت پر اسلامی قوانین کی ضرب کاری

حق تعالیٰ رب العالمین ہے، اس کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسانی ضروریات میں تمام انسانوں کا یکساں حق ہے، اس میں مومن و کافر کا بھی فرق نہیں کیا گیا، خاندانی اور طبقاتی امیر و غریب کا کیا امتیاز ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تقسیم دولت کا بہت بڑا حصہ جو انسان کی فطری اور اصلی ضروریات پر مشتمل ہے اس کی تقسیم خود اپنے دست قدرت میں رکھ کر اس طرح فرمائی ہے کہ اس سے ہر طبقہ ہر خطہ ہر کمزور و قوی یکساں فائدہ اٹھا سکے، ایسی اشیاء کو اللہ جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے عام انسانی دستبرد اور قبضہ و تسلط سے مافوق بنا دیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس پر ذاتی قبضہ جما سکے، ہوا، فضا، آفتاب، ماہتاب اور سیاروں کی روشنی، فضا میں پیدا ہونے والے بادل ان کی بارش، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے بغیر انسان تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں

رہ سکتا، ان سب کو قدرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایسے وقفِ عام بنا دیا کہ کوئی بڑی سے بڑی حکومت وطاقت اس پر قبضہ نہیں جما سکتی، یہ چیزیں اللہ کی مخلوق کو ہر جگہ یکساں ملتی ہیں۔

اشیاء ضرورت کی دوسری قسط زمین سے نکلنے والا پانی اور کھانے کی چیزیں ہیں، یہ اگرچہ اتنی عام نہیں مگر اسلامی قانون میں پہاڑوں اور غیر آباد جنگلوں اور قدرتی چشموں کو وقف عام چھوڑ کر ایک خاص قانون کے تحت خاص خاص انسانوں کو زمین کے بعض حصوں پر جائز حق ملکیت بھی دیا جاتا ہے اور ناجائز قبضہ و تسلّط جمانے والے بھی زمین پر قبضہ جما لیتے ہیں، لیکن قدرتی طور پر زمین کے فوائد کوئی بڑا سرمایہ دار بھی بغیر غریبوں، کسانوں، مزدوروں کو ساتھ لیے حاصل نہیں کر سکتا، اس لیے ایک گونہ قبضہ کے باوجود وہ اس میں دوسرے کمزور غریبوں کو حصّہ دینے پر مجبور ہے۔

تیسری قسط سونا چاندی، روپیہ پیسہ ہے، جو اصلی اور فطری ضروریات میں داخل نہیں، مگر حق تعالیٰ نے اس کو تمام ضروریات کی تحصیل کا ذریعہ بنا دیا ہے اور یہ معادن سے نکالنے کے بعد خاص قانون کے تحت نکالنے والوں کی ملکیت ہو جاتا ہے، اور اُن سے اُن کی ملکیت مختلف طریقوں پر دوسروں کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے، اور اگر اس کی گردش پورے انسانوں میں خاطر خواہ ہوتی رہے تو کوئی انسان بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا، مگر ہوتا یہ ہے کہ مال سے صرف خود ہی فائدہ اٹھائے، دوسروں تک اس کا فائدہ نہ پہنچے، اس بخل و حرص نے دنیا میں اکتنازِ دولت اور سرمایہ پرستی کے پرانے اور نئے بہت سے طریقے ایجاد کرائے، جن کے ذریعے اس دولت کی گردش صرف سرمایہ داروں اور بڑے لوگوں کے ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ گئی، عام غریب مساکین محروم کر دیئے

گئے، جس کے ردِّ عمل نے دنیا میں کمیونزم اور سوشلزم جیسے نامعقول طریقے ایجاد کیے۔

اسلامی قانون نے ایک طرف تو شخصی ملکیت کا اتنا احترام کیا کہ ایک شخص کے مال کو اس کی جان کی برابر اور جان کو بیت اللہ کی حرمت کے برابر قرار دیا، اس پر کسی کے ناجائز تصرّف کو شدّت سے روکا، دوسری طرف جو ہاتھ ناجائز طور پر اس کی طرف بڑھا وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا، تیسری طرف ایسے تمام دروازے بند کر دیئے کہ قدرتی وسائل سے حاصل ہونے والی چیزوں پر کوئی خاص شخص یا جماعت قبضہ کر کے بیٹھ جائے اور عوام کو محروم کر دے۔

کسب واکتساب کے مرّوجہ طریقوں میں سود، سٹّہ، جُوا ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے ذریعہ دولت سمٹ کر چند افراد اشخاص میں دائر ہو کر رہ جاتی ہے ان سب کو سخت حرام قرار دے کر تمام معاملات تجارت اور کرایہ داری وغیرہ میں اُن کی جڑ کاٹ دی، اور جو دولت کسی شخص کے پاس جائز طریقوں سے جمع ہوئی اس میں بھی غریبوں، فقیروں کے حقوق، زکوٰۃ، عشر، صدقۃ الفطر، کفارات وغیرہ مقررہ فرائض کی صورت میں اور اس سے زائد رضا کارانہ صورت میں قائم فرما دیئے اور ان سب اخراجات کے بعد بھی جو کچھ انسان کے مرنے کے وقت تک باقی رہ گیا اس کو ایک خاص حکیمانہ اصول کے مطابق تقسیم کر دیا کہ اس کا حق دار اسی مرنے والے کے رشتہ داروں کو اقرب فالاقرب کے اصول پر بنا دیا اس کو عام فقراء میں تقسیم کرنے کا قانون اس لیے نہ بنایا کہ ایسا ہوتا تو مرنے والا اپنے مرنے سے پہلے ہی اس کو جا و بے جا خرچ کر کے فارغ ہونے کی خواہش طبعی طور پر رکھتا، اپنے ہی خویش و عزیز کو ملتا دیکھ کر یہ داعیہ اس کے دل میں پرورش نہ پائے گا۔

یہ طریقہ تو کسب و اکتساب کے عام مروّجہ طریقوں میں اکتناز دولت سے بچانے کا اختیار کیا، دوسرا طریقہ دولت حاصل ہونے کا جنگ و جہاد ہے اس سے حاصل ہونے والے اموال میں وہ تقسیم شرعی جاری فرمادی جس کا ذکر کچھ سورۂ انفال میں گزرا ہے، اور کچھ اس سورت میں بیان ہوا ہے، کیسے بے بصیرت ہیں وہ لوگ جو اسلام کے اس منصفانہ، عادلانہ اور حکیمانہ نظام کو چھوڑ کر نت نئے ازموں کو اختیار کر کے امنِ عالم کو برباد کرتے ہیں۔

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الآیۃ، یہ آیت اگرچہ مال فئے کی تقسیم کے سلسلے میں آئی ہے اور اس سلسلے کے مناسب اس کا مفہوم یہ ہے کہ مالِ فئے میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مستحقین کے طبقات بیان کر دیئے ہیں مگر ان میں کس کو اور کتنا دیں اس کی تعیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صواب دید پر رکھی ہے اس لیے مسلمانوں کو اس آیت میں ہدایت دی گئی کہ جس کو جتنا آپ عطا فرما دیں اس کو راضی ہو کر لے لیں اور جو نہ دیں اس کی فکر میں نہ پڑیں، آگے اس کو اِتَّقُوا اللّٰہ کے حکم سے مؤکد کر دیا، کہ اگر اس معاملے میں کچھ غلط حیلے بہانے بنا کر زائد وصول کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے وہ اس کی سزا دے گا۔

حکمِ رسول مثل حکمِ قرآن کے واجب التعمیل ہے

لیکن الفاظ آیت عام ہیں، صرف اموال کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ احکام بھی اس میں داخل ہیں، اس لیے عام انداز میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ

جو کوئی حکم یا مال یا اور کوئی چیز آپ کسی کو عطا فرمادیں وہ اس کو لے لینا چاہیئے اور اس کے مطابق عمل کے لیے تیار ہو جانا چاہیئے اور جس چیز سے روک دیں اس سے رُکنا چاہیئے۔

بہت سے صحابہ کرامؓ نے اسی عام مفہوم کو اختیار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو اس آیت کی بناء پر قرآن ہی کا حکم اور واجب التعمیل قرار دیا ہے۔ قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں آتیٰ کے بالمقابل نہیٰ کا لفظ آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آتیٰ کے معنی یہاں اَمَرَ کے ہیں جو نہیٰ کا صحیح مقابل ہے، (اھ) اور قرآن کریم نے نہیٰ کے مقابل میں اَمَرَ کے لفظ کو چھوڑ کر اٰتیٰ کا لفظ استعمال شاید اس لیے فرمایا تاکہ جس مضمون کے سیاق میں یہ آیت آئی ہے یعنی مال فیئ کی تقسیم اس پر بھی آیت کا مضمون شامل رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اتار دو، اس شخص نے کہا کہ آپ اسکے متعلق مجھے قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں؟ جس میں سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہاں وہ آیت میں بتاتا ہوں، پھر یہی آیت مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ پڑھ کر سُنادی، امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب قرآن سے دے سکتا ہوں، پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے، ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک مُحرم نے زنبور (تتییا) مار ڈالا تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعیؒ نے یہی آیت مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ تلاوت کر کے حدیث سے اس کا حکم بیان فرمادیا (قرطبی)

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ، ان چند آیات میں آخر رکوع تک فقراء مہاجرینؓ انصار اور ان کے بعد آنے والی عام اُمّت کے افراد کا بیان ہے، ترکیب نحوی کے

اعتبار سے لِلْفُقَرَاءِ کو لِذِی الْقُرْبٰی کا بدل قرار دیا گیا جو اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے (مظہری) اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ پچھلی آیت میں جو عام یتیموں، مساکین اور مسافرین کو ان کے فقر و احتیاج کی بناء پر مال فئی کے مستحقین میں شمار کیا گیا ہے ان آیات میں اسکی مزید تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ اگرچہ حقدار اس مال میں تمام ہی فقراء و مساکین ہیں لیکن پھر ان میں یہ حضرات اور سب لوگوں سے مقدم ہیں جنکی دینی خدمات اور ذاتی اوصاف و کمالات دینیہ معروف ہیں۔

اموالِ صدقات میں صلحاء اور دینی خدمات انجام دینے والے حاجتمندوں کو مقدم کیا جائے

اس سے معلوم ہوا کہ اموال صدقات خصوصاً مالِ فئے اگرچہ عام فقراءِ مسلمین کی حاجت رفع کرنے کے لیے ہیں، لیکن ان میں بھی نیک صالح، دیندار خصوصاً دینی خدمات انجام دینے والے طلباء، علماء اوروں سے مقدم رکھے جاویں۔ اسی لیے اسلامی حکومتوں میں تعلیم و تبلیغ اور اصلاحِ خلق میں مشغول علماء اور مفتیوں، قاضیوں کو ان کے گزارہ کے اخراجات مالِ فئے ہی سے دینے کا رواج تھا، کیونکہ ان آیات میں صحابۂ کرام میں بھی اوّل دو درجے قائم کئے گئے، ایک مہاجرین جنہوں نے سب سے پہلے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑی قربانیاں پیش کیں، اور اسلام کے لیے بڑے مصائب جھیلے، بالآخر مال و جائیداد، وطن اور تمام خویش و اقرباد کو خیرباد کہہ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، دوسرے انصارِ مدینہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ آنے والے مہاجرین حضرات کو بلا کر دنیا کو اپنا مخالف بنایا اور ان حضرات کی ایسی میزبانی کی کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی، ان دونوں طبقوں کے بعد تیسرا درجہ اُن مسلمانوں کا قرار دیا جو حضرات صحابہ کے بعد مشرف با سلام ہوئے اور ان کے نقش قدم پر چلے جس میں قیامت تک آنیوالے مسلمان سب شریک ہیں۔

گھروں میں رہنے والے حلال جانوروں کا بیان اور انہیں کھانے کی اجازت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۚ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ○ (سورۃ المائدہ آیت ۱)	اے ایمان والو عہدوں کو پورا کرو - تمہارے لیے چوپائے مویشی حلال ہیں سوائے ان کے جو تمہیں آگے سنائے جائیں گے مگر شکار کو احرام کی حالت میں حلال نہ جانو بے شک اللہ جو چاہے حکم دیتا ہے -
يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۙ الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۖ (سورۃ المائدہ آیت ۴-۵)	وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کہ ان کے لیے کیا کیا چیزیں حلال کی گئی ہیں - آپ کہہ دیں تمام پاکیزہ چیزیں انکے حلال کی گئی ہیں - آج کے دن ان کے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں -
قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ	کہہ دو کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں اگرچہ تمہیں ناپاک کی کثرت

كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ۔ (سورۃ المائدہ آیت ۱۰۰)	بھلی معلوم ہو۔
يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷)	اور ان کے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔
وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ط كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ o ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ج مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ط قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ط نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ o	اور بوجھ اٹھانے والے مویشی پیدا کیے اور زمین سے لگے ہوئے اور اللہ کے رزق میں سے کھاؤ۔ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ آٹھ قسمیں پیدا کیں۔ بھیڑیں سے دو اور بکری میں سے دو۔ تو پوچھ کہ دونوں نر اللہ نے حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ جو دونوں ماد کے رحم میں ہے۔ مجھے اسکی سند بتلاؤ اگر تم سچے ہو

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ	اور اونٹ اور گائے سے
وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ	دو دو قسمیں پیدا کیں تو
قُلْ ءٰ الذَّكَرَيْنِ	پوچھ دونوں نر اللہ نے
حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ	حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ
اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ	یا وہ بچہ جو دونوں مادہ
اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ	کے رحم میں ہے ۔کیا تم
اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ	موجود تھے جس وقت تمہیں
اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ج	اللہ نے یہ حکم دیا تھا ؟
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ	پھر اس سے زیادہ ظالم کون
افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ	ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان
كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ	باندھے تاکہ لوگوں کو بلا تحقیق
بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا	گمراہ کرے بے شک اللہ
يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝	ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا

(سورۃ الانعام آیت ۱۴۲ تا ۱۴۴)

تفسیر

یہاں اس بحث میں جو آیات نقل کی گئی ہیں ان میں سے پہلی سورۃ المائدہ کی ایک آیت ہے اور تین اس کے جملے ہیں اور ایک جملہ سورۃ الاعراف کا ہے اور اس کے بعد تین آیات سورۃ الانعام کی ہیں۔

سورۃ المائدہ والی آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کو ایک تو ایفاء عہد کا حکم ہے اور دوسرا اس کی صورت بیان فرمائی ہے کہ چوپایے

مویشی تمہارے لیے حلال ہیں مگر بعد میں دو استثنا بیان فرمائی ہیں ۔ ایک لفظ الاّ ما یتلی علیکم سے (یعنی سوائے ان کے جو تمہیں آگے سُنائے جائیں گے) اور اس استثنا کی ضرورت اس لیے درپیش آئی کہ احلّت لکم بھیمۃ الانعام کا جملہ تمام مویشیوں کو شامل ہے تو الاّ لگاکر بتا دیا کہ بعض حرام ہیں ۔ ان کی تفصیل عنقریب بیان ہو گی ۔ اور دوسری استثنا لفظ غیر سے بیان فرمائی ہے ۔ اور اس کی ضرورت اس لیے پڑی کہ احلّت لکم بھیمۃ الانعام کا جملہ تاہنوز مجمل ہے ۔ کیونکہ اس میں مویشیوں کی جو حلّت بیان ہوئی ہے وہ عام ہے ۔ حالت احرام اور غیر احرام سب کو شامل ہے اور لفظ غیر لگاکر بتا دیا کہ حالتِ احرام میں شکار جائز نہیں اور اس کے بعد والے جملے لگاکر بتا دیا کہ وہ مویشی حلال ہیں جو پاکیزہ ہیں ، لیکن دو دفعہ استثنا کرنے کے اور قیودات کے باوجود احلّت لکم بھیمۃ الانعام میں اجمال باقی ہے اور سورۃ الانعام والی آیات میں اس کی مزید تفصیل بیان فرمائی ہے ۔

پہلی آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ مویشیوں کو حلال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان پر سواری بھی کر سکتے ہیں ۔ ان پر بوجھ بھی لاد سکتے ہو اور انہیں کھا بھی سکتے ہو ۔ اور بعد میں بیان فرمایا ہے کہ شیطان کی پیروی نہ کرنا وہ تمہارا صریح دشمن ہے یعنی وہ تم سے حلال چیزیں چھڑوا لے گا ۔ اس کی صورت بعد والی آیات میں بیان ہو گی ۔ اور سورۃ الانعام کی دوسری اور تیسری آیت میں ارحام الانثیین تک احلّت لکم بھیمۃ الانعام کی مزید تفصیل بیان فرمائی ہے کہ وہ مویشی کون سے ہیں جو حلال ہیں ۔ پس ان آیتوں میں آٹھ قسم کے مویشیوں کو حلال فرمایا ہے ۔ بھیڑوں میں سے دونوں مادہ و نر ۔ بکریوں میں دونوں مادہ و نر

گائیوں میں دونوں مادہ و نر اور اونٹوں میں سے دونوں مادہ و نر۔ اور اسی طرح ان کے مادہ کے رحم میں جو بچہ ہو وہ بھی حلال ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے بھینس اور جنگلی بکری بھی انہیں میں شامل ہیں کیونکہ وہ ان کے مشابہ ہیں۔ اور ام کنتم شھداء سے لے کر بغیر علم تک۔

انعام کی پہلی آیت میں شیطان کی پیروی سے جو روکا گیا تھا اس کی صورت بیان فرمائی ہے کہ ان حلال چیزوں کو اپنی طرف سے حرام قرار دینا شیطان کی پیروی ہے اور ایسے لوگ بہت بڑے ظالم ہیں۔ یہ اور لوگوں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ اس تفصیل کے باوجود سورۃ المائدہ کی آیت (احلت لکم بھیمۃ الانعام) مجمل ہے کیونکہ یہ جنگلی جانوروں کو بھی شامل ہے۔ اور اہلی اور گھروں میں رہنے والے جانوروں کو بھی شامل ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس کی مزید تفصیل بیان فرمائی ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ	ابو موسیٰ نے فرمایا ہے کہ
رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم کو مرغی کا گوشت
یَاْکُلُ لَحْمَ الدَّجَاجِ۔	کھاتے ہوئے دیکھا۔

(متفق علیہ)

تشریح

یہ حدیث بھی احلت لکم بھیمۃ الانعام کی تفسیر ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرغی بھی بھیمۃ الانعام میں شامل ہے

کیونکہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے تناول فرمایا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حلال ہے اور قرآن کریم میں ایسی اور کوئی آیت نہیں ہے جس سے مرغی کی حلّت معلوم ہوتی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ مرغی احلّت لکم بھیمۃ الانعام کے اجمال میں شامل ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً مرغی کو تناول فرما کر اس کی تفصیل بیان فرما دی کہ یہ حلال ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قرآن مجید کی تفسیر کے سلسلہ میں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا ضروری ہے۔ آپؐ کے سوا قرآن مجید کی مجمل آیات کی تفسیر بیان کرنا ناممکن ہے اور احادیث کے بارے میں پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کی طرح یہ بھی وحی ہوتی ہے۔ اور فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور مضامین بھی۔ اور احادیث کے الفاظ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتے ہیں اور مضامین اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

گھروں میں رہنے والے حرام جانوروں کا بیان

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ	تم پر مردار، خون اور سور
وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ	کا گوشت حرام کیا گیا ہے
وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ	اور وہ جانور جس پر اللہ
اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ	کے سوا کسی اور کا نام
وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ	پکارا جائے اور جو گلا گھونٹ
وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ	کر یا چوٹ سے یا بلندی

السَّبُعُ اِلَّا مَا
ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ
عَلَى النُّصُبِ وَ
اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ط
ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ط اَلْيَوْمَ
يَئِسَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ
دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ
وَاخْشَوْنِ ط
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ
لَكُمْ دِيْنَكُمْ
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ
نِعْمَتِيْ وَ
رَضِيْتُ لَكُمُ
الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط
فَمَنِ اضْطُرَّ
فِيْ مَخْمَصَةٍ
غَيْرَ مُتَجَانِفٍ
لِّاِثْمٍ فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(سورۃ المائدۃ آیت ۳)

سے گر کر یا سینگ مارنے
سے مر گیا ہو اور وہ جسے
کسی درندے نے پھاڑ ڈالا
ہو مگر جسے تم نے ذبح
کر لیا ہو اور وہ جو کسی
تھان پر ذبح کیا جائے اور
یہ کہ جوئے کے تیروں سے
تقسیم کرو۔ یہ سب گناہ
ہیں۔ آج تمہارے دین
سے کافر مایوس ہو گئے
سو ان سے نہ ڈرو اور
مجھ سے ڈرو۔ آج میں
تمہارے لیے تمہارا دین
پورا کر چکا ہوں اور میں
نے تم پر اپنا احسان پورا
کر دیا۔ اور میں نے
تمہارے واسطے اسلام ہی
کو دین پسند کیا ہے پھر
جو کوئی بھوک سے بیتاب
ہو جائے لیکن گناہ پر مائل
نہ ہو تو اللہ معاف کرنے

والا مہربان ہے۔

وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ۔	اور وہ ان کے لیے سب پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔
(سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷)	

تفسیر

یہ سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۳ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں پانچ چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ گیارہ چیزیں حرام ہیں۔ ان میں سے آٹھ تو جانور ہیں۔ مُردار، سؤر، گلا گھونٹ کر مارا ہوا، چوٹ سے مرا ہوا، اور اوپر سے گر کر مرا ہوا، سینگ مارنے سے مرا ہوا، درندے کا پھاڑا ہوا اور اِلَّا لگا کر بتا دیا ہے کہ جنہیں تم ذبح کر لو تو پھر ان کا کھانا جائز ہے مگر یہ استثنا صرف المنخنقۃ سے لے کر السبع تک سے ہے دم خنزیر اور وما اُهِلَّ سے نہیں کیونکہ یہ ایسی چیزیں ہیں، جو اللہ کے نام پر ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتیں۔ اور کسی تھان پر ذبح کیا ہوا جانور۔ اور باقی تین چیزیں بوقت ذبح بہنے والا خون۔ نذر لغیر اللہ، اور جوا ہے۔ اور دوسری چیز ان کا کھانا حرام ہے۔ اور تیسری چیز یہ ہے کہ کافر اس دین کو مٹانے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یعنی وہ اس دین کے حاملین کے معاملہ سے ہار گئے ہیں۔ اے مسلمانو! تمہیں کافروں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں صرف اور صرف اللہ سے ڈرنا

چاہیئے اور چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ یہ دین تمہارا اب مکمل ہو گیا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے یہ دین تمہارے لیے پسند کیا ہے اس پر کاربند رہو۔ اور پانچویں چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ اضطراری اور مجبوری کی حالت میں مذکورۃ الصدر حرام چیزیں تم کھا سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا یہ گناہ معاف کر دیں گے۔

اس کے بعد سورۃ الاعراف کی آیت ایک سو ستاون کا ایک جملہ ہے اس میں دو مضمون ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ انسانوں کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ اس کی تفصیل اس سے قبل بیان ہو چکی ہے اور دوسرا مضمون یہ ہے کہ خبیث اور ردّی چیزیں ان کے لیے حرام کی گئی ہیں۔ پس سورۃ الاعراف کے اس جملہ کا سورۃ المائدہ کی آیت تین کے ساتھ ربط دینے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ مائدہ والی آیت میں جو چیزیں حرام کی گئی ہیں وہ طیّب نہیں ہیں بلکہ وہ ردّی ہیں اس لیے حرام کی گئی ہیں۔ مگر ابھی تک یہ آیت مائدہ مجمل ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل احادیث میں اس کی مزید وضاحت بیان فرمائی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَۃَ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْاَھْلِیَّۃِ (متفق علیہ)	ابی ثعلبہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے گدھوں کا گوشت حرام قرار دیا۔
عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی	جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن

يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ ۔ (متفق علیہ)	گھروں میں رہنے والے گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا ہے اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی ہے۔
عَنْ خَالِدِ ابْنِ الْوَلِيْدِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ أَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ (ابوداؤد۔نسائی)	خالد بن ولید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے، خچروں کے اور گدھوں کے گوشت کے کھانے سے منع فرمایا ہے

تشریح

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابی ثعلبہ سے دوسری جابر سے اور تیسری خالد بن ولید سے منقول ہے۔ ان تینوں احادیث میں گدھے کی حرمت کا ذکر ہے ۔ اور جابر والی حدیث میں گھوڑے کا گوشت بھی کھانے کی اجازت ہے۔ خالد بن ولید والی حدیث میں گھوڑے، خچر، اور گدھے تینوں کا گوشت کھانے کی ممانعت مذکور ہے ۔ یہ تینوں احادیث سورۂ اعراف يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ جب آپ نے گدھے اور خچر کے گوشت سے منع فرمایا

ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ خبائث میں شامل ہیں۔ اور گھوڑے کے بارے میں جو دو متضاد حدیثیں موجود ہیں۔ ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑا حلال ہے اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حرام ہے اور اسی لیے ائمہ کے درمیان بھی اختلاف واقع ہوا ہے۔ اکثر تو گھوڑے کی حلت کے قائل ہوئے ہیں اور وہ حلت والی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک نے حرمت والی حدیث کو ترجیح دی ہے اور وہ اس حدیث کو مکروہ تحریمی یا تنزیہی پر حمل کرتے ہیں مگر مظاہر حق نے اس فتوے سے امام ابوحنیفہؒ کا رجوع نقل کیا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ گھوڑا حلال ہے اور اس کی حرمت کے بارے میں جو حدیث وارد ہوئی ہے اسے زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی پر حمل کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی اس وجہ سے کہ گھوڑے کی ... اِن جہاد میں اہم ضرورت ہوتی ہے اور اس کی نسل بہت کم ہے۔ اس ضرورت کے تحت اس کے کھانے سے روکا گیا ہے۔ یہ مقصد نہیں کہ حرام ہے۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ الْهِرَّةِ وَ اَكْلِ ثَمَنِهَا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)	جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کا گوشت اور اس کی قیمت کھانے سے منع فرمایا ہے پس معلوم ہوا کہ بلی خبائث میں شامل ہے۔
عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ	ابن عمر سے روایت ہے

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَاَلْبَانِهَا (ترمذی) وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ قَالَ نَهٰى عَنْ رُكُوْبِ الْجَلَّالَةِ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ نے جلالہ پر سواری کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح

جلالہ اس حلال جانور کو کہتے ہیں جو گندگی کھانے کا عادی ہو جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ ہمیشہ یا اکثر گندگی کھاتا ہو یہاں تک کہ اس کے گوشت اور دودھ سے بدبو آنے لگے تو اس کا کھانا حرام ہے اور اس کا دودھ پینا بھی حرام ہے۔ ہاں اگر اس کو بند کر دیا جائے اور اس کو اچھی خوراک دی جائے تو پھر حلال ہے۔ اور اگر وہ کبھی کبھی گندگی کھاتا ہو تو پھر اس کا کھانا حلال ہے جیسا کہ مرغی۔

شکار کرنے اور کھانے کی اجازت اور وہ جنگلی شکار جس کا کھانا جائز ہے

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا	اور جب تم احرام کھول
يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ	چکو تو شکار کر سکتے ہو

وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰئِثَ (اعراف)

وہ تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال اور ردّی چیز حرام کرتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ رَاٰی حِمَارًا وَحْشِيًّا فَعَقَرَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهٖ شَيْءٌ قَالَ مَعَنَا رِجْلُهٗ فَاَخَذَهَا فَاَكَلَهَا۔

(متفق علیہ)

ابی قتادہ سے روایت ہے کہ انہوں نے جنگلی گدھا دیکھا تو اس کو قتل کیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے۔ اس نے کہا ہمارے پاس اس کا پاؤں ہے۔ پھر آپؐ نے اسے لیا اور کھایا۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَنْفَجْنَا اَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَاَخَذْتُهَا فَاَتَيْتُ بِهَا اَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا وَبَعَثَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وَسَلَّمَ بِوَرِكِهَا وَفَخِذَيْهَا

انس سے روایت ہے کہ ہم نے مرّ الظہران (جگہ) میں خرگوش کو بھگایا۔ پھر میں نے اس کو پکڑا۔ پھر میں اس کو ابو طلحہ کے پاس لے گیا۔ پھر اس نے اسے ذبح کیا۔ پھر اسکا ایک کولھا اور دو رانیں رسول

فَقَبِلَهُ۔ (متفق علیہ)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیں تو آپ نے اسے قبول فرمایا۔

تشریح

یہاں اس بحث میں سورۃ المائدہ کی آیت ۹۶ کا ایک جملہ ہے اور سورۃ الاعراف کے دو جملے ہیں۔ اس کے بعد دو احادیث ہیں جو ان جملوں کی تفسیر ہیں۔ آیت کے پہلے جملہ میں تو اتنا ارشاد ہے کہ تمہیں شکار کی اجازت ہے جب تم احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو۔ مگر یہ ذکر نہیں کہ کون سا شکار کر سکتے ہو۔ برّی، بحری، جنگلی۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شکار کی اجازت عام ہے اور اس کے بعد اعراف کے جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال شکار جائز ہے خبیث جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عملی نمونہ بیان فرمایا گیا ہے کہ آپ نے جنگلی گدھے کا گوشت کھایا اور خرگوش کا گوشت قبول کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو جنگلی جانوروں کا شکار کرنا اور ان کا گوشت کھانا حلال ہے۔ اور یہ شکار کی اجازت عام نہیں خاص ہے۔ اور یہ دونوں جانور طیّب ہیں خبیث نہیں ہیں۔ اس لیے ان کے کھانے کی اجازت ہے۔

وہ جنگلی جانور اور پرندے جنہیں شکار کر کے کھانا حرام ہے

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ فَاَكْلُهُ حَرَامٌ۔ (مسلم)

ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیلی دانت سے شکار کرنے والے ہر درندے کا کھانا حرام ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَ كُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ۔ (مسلم)

ابن عباس سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیلی دانت سے شکار کرنے والے ہر درندے اور پنجوں سے شکار کرنے والے ہر پرندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب

فَقَالَ اِذَا وَقَعَ	تم میں سے کسی کے برتن
الذُّبَابُ فِیْ اِنَاءِ	میں مکھی گرے تو اس ساری
اَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ	مکھی کو غوطہ دو اور پھر
كُلَّهُ ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ	اس کو نکال دو کیونکہ اس
فَاِنَّ فِيْ اَحَدِ جَنَاحَيْهِ	کے ایک پر میں شفا ہے
شِفَاءً وَ فِی الْاُخْرٰی	اور دوسرے میں بیماری
دَاءً (بخاری)	ہے۔

تشریح

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابوہریرہ سے دُوسری ابن عباس سے اور تیسری بھی ابوہریرہ سے مروی ہے۔ ابوہریرہ کی پہلی روایت میں کیلی دانت سے شکار کرنے والے ہر درندے کے کھانے کو حرام فرمایا ہے۔ اور ابن عباس والی حدیث میں ہر درندے کے ساتھ پنجے سے شکار کرنے والے ہر پرندے کے کھانے سے بھی منع فرمایا ہے۔

پس یہ دونوں حدیثیں قرآن مجید کے ان تین جملوں واذا حللتم فَاصْطَادُوْا وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ پہلے جملے میں شکار کی اجازت ہے اور یہ عام ہے۔ طیّب غیر طیّب، برّی، بحری سب کو شامل ہے اور اعراف کے جملوں میں بتا دیا کہ طیّب کا شکار جائز ہے اور خبیث کا ناجائز ہے۔ مگر پھر بھی اجمال باقی ہے کیونکہ یہ وضاحت نہیں ہے کہ جنگلی شکاروں میں سے کونسا طیّب ہے اور

کونسا خبیث ہے ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس کی وضاحت فرمادی ہے ۔ اس سے پہلے باب میں تو جنگلی طیّب شکار کا بیان گزرا ہے اور اس باب میں جنگلی خبیث شکار کا بیان ہے ۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے جامع اور مانع الفاظ میں ان جانوروں کو بیان فرمایا ہے اور ایسے بیان کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جنگل بے شمار ہیں ۔ اور ان میں رہنے والے جانوروں اور پرندوں کی تعداد بھی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ۔ انسان کو اگر شمار کر کے بتا دیا جائے کہ فلاں فلاں جانور اور پرندے حلال ہیں اور فلاں فلاں حرام ہیں تو یہ ناممکن ہے ۔ اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جامع مانع قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ جانوروں میں سے ذی ناب حرام ہیں ۔ اور ناب اصل میں ان دانتوں کو کہتے ہیں جو سامنے والے اور ڈاڑھوں کے درمیان ہوتے ہیں ۔ اور ان کو کیلی دانت بھی کہتے ہیں ۔ یعنی ان دانتوں سے جو جنگلی درندہ کھائے اس جانور کا کھانا انسان کے لیے حرام ہے مثلاً شیر کتا ۔ گیدڑ ۔ بھیڑیا وغیرہ ۔ اور پرندوں میں سے ہر وہ پرندہ جو پنجے میں پکڑ کر کھائے وہ بھی حرام ہے ۔ انسان کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں ہے جیسا کہ چیل اور باز وغیرہ ۔

اس کے بعد ابوہریرہ سے دوسری روایت ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی کے دودھ یا پانی والے برتن میں اگر مکھّی گر جائے تو اسے ڈبو کر نکال کر پھینک دینا چاہیئے ۔ کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفا ہے ۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مکھی بھی حرام ہے ۔ اگر وہ حرام نہ ہوتی تو اسے پھینکنے کا حکم نہ ہوتا ۔ پس خلاصہ اور لبّ لباب یہ نکلا کہ کیلی دانتوں سے

پکڑ کر کھانے والے درندے اور پنجے میں پکڑ کر کھانے والے پرندے اور مکھی حرام ہیں اور خبیث ہیں۔

عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ فَارَةً وَ قَعَتْ فِيْ سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا فَقَالَ اَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَ كُلُوْهُ۔ (بخاری)	میمونہؓ سے روایت ہے کہ گھی میں چوہا گر گیا پھر مر گیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس چوہے کو اور اس کے آس پاس والے گھی کو پھینک دو اور اس گھی کو کھاؤ۔
عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَتِ الْفَارَةُ فِي السَّمْنِ فَاِنْ كَانَ جَامِدًا فَاَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَ اِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرَبُوْهُ۔ (احمد ابوداؤد)	ابی ہریرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گھی میں چوہا گرے۔ اگر گھی جما ہوا ہو تو اس چوہے کو اور اس کے آس پاس والے گھی کو پھینک دو اور اگر وہ گھی پتلا ہو تو اس کے قریب مت جاؤ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَانِ ابْنِ شِبْلٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لَحْمِ الضَّبِّ	عبدالرحمان بن شبل سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(ابوداؤد)

تشریح

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حضرت میمونہؓ سے اور دوسری ابوہریرہؓ سے اور تیسری عبدالرحمانؓ بن شبل سے منقول ہے اور یہ تینوں حدیثیں سورۃ الاعراف کے اس جملہ (وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ) کی تفسیر ہیں۔ پہلی دو حدیثوں کا مقصد یہ ہے کہ چوہا اگر جمے ہوئے گھی میں گر جاتے اور اس میں مر جائے تو اس چوہے کو اور اس کے جسم کے ساتھ لگ جانے والے گھی کو بھی پھینک دینا چاہیئے۔ اور اگر وہ گھی پتلا ہو تو پھر اس سارے گھی کو پھینک دینا ہے۔ اور اس کے بعد عبدالرحمان بن شبل کی حدیث ہے اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کھانے سے منع فرمایا ہے اور بعض دیگر احادیث میں جو گوہ کھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے اور اس میں ممانعت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ عبدالرحمان بن شبل والی حدیث ان کے لیے ناسخ ہے۔

پس خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ چوہا خبیث ہے وہ جس چیز میں گر جائے اس کو بھی خبیث بنا دیتا ہے اور اسی طرح گوہ بھی خبیث ہے اس لیے ان کا کھانا ناجائز اور حرام ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس

طرح چوہا گھی میں گر جانے سے گھی ناپاک ہو جاتا ہے اس طرح جس بھی مائع چیز میں چوہا گر جائے تو وہ چیز ناپاک ہو گی اور گوہ کا بھی یہی حکم ہے۔

عَنْ اُمِّ شَرِيْكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزَغِ وَقَالَ كَانَ يَنْفُخُ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ (متفق علیہ)	امّ شریک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس نے حضرت ابراہیمؑ پر آگ پھونکی تھی۔
عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ وَزَغًا فِيْ اَوَّلِ ضَرْبَةٍ كُتِبَتْ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَفِي الثَّانِيَةِ دُوْنَ ذٰلِكَ وَفِي الثَّالِثَةِ دُوْنَ ذٰلِكَ۔ (مسلم)	ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے گرگٹ کو پہلی مرتبہ قتل کر دیا اس کے لیے سو نیکی لکھی جاتی ہے اور جس نے دوسری مرتبہ قتل کیا تو اس سے کم اور جس نے تیسری مرتبہ قتل کیا تو اس سے کم نیکی لکھی جاتی ہے۔

تشریح

یہ دو حدیثیں بھی سورۃ الاعراف کے اس جملہ (وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ

الْخَبٰٓئِثَ) کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدیثوں میں گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا ہے اور اس کو مارنے کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے مگر اسے کھانے کی اجازت نہیں دی اور اس کی خباثت اور انسان دشمنی بھی بیان فرمائی ہے کہ کافروں نے جب حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا تھا تو اس نے اپنے منہ سے اس آگ میں پھونکیں ماری تھیں۔ تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ خبیث ہے طیّب نہیں ہے اس لیے اس کا کھانا حرام ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُقْتُلُوا الْحَيَّاتِ كُلَّهَا اِلَّا الْجَانَّ الْاَبْيَضَ الَّذِىْ كَاَنَّهٗ قَضِيْبُ فِضَّةٍ۔ (ابوداؤد)	ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام سانپوں کو مارو مگر وہ سفید سانپ جو گویا کہ وہ چاندی کی چھڑی ہے اسے نہ مارنا۔
عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَالَمْنَاهُمْ مُنْذُ حَارَبْنَاهُمْ وَمَنْ تَرَكَ شَيْئًا مِنْهُمْ خِيْفَةً فَلَيْسَ مِنَّا۔ (ابوداؤد)	ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے ان سانپوں سے صلح نہیں کی جب سے ہم نے ان سے جنگ شروع کی ہے اور جو ان کو ہم میں سے ڈر سے چھوڑ دے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ اَرْبَعٍ مِنَ الدَّوَآبِّ اَلنَّمْلَةُ وَالنَّحْلَةُ وَالْهُدْهُدُ وَالصُّرَدُ۔ (ابوداؤد و دارمی)

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کے قتل سے منع فرمایا ہے، چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد (ایک جانور ہے) سے۔

تشریح

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی ہیں۔ پہلی ابن مسعودؓ سے، دوسری ابو ہریرہؓ سے اور تیسری ابن عباسؓ سے مروی ہے اور یہ تینوں احادیث سورہ الاعراف کے جملہ (وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ) کی تفسیر ہیں کیونکہ ان میں سے پہلی دو حدیثوں میں تمام سانپوں کو قتل کرنے کا حکم ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ جو ان کو ڈر کی وجہ سے قتل نہ کرے وہ ہماری اُمت میں سے نہیں ہے۔ اور آپ نے ان کو کھانے کا حکم نہیں دیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ سانپ خبیث ہیں اس لیے انہیں قتل کرنا ہے کیونکہ یہ موذی ہیں اور انہیں کھانا نہیں ہے۔

اس کے بعد ابن عباس والی حدیث ہے اس میں آپ نے چار جانوروں کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں سے پہلی تو چیونٹی ہے اور اس کو اس وقت مارنا منع ہے جب وہ انسان کو کاٹے نہ۔ اور کاٹنے والی کو مارنا جائز ہے اور دوسرے نمبر پر شہد کی مکھی کو مارنا منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے

شہد میں کمی ہو گی - اور اس کے بعد ہُدہُد اور صرد کو مارنے سے جو منع فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرام ہیں - ان کا کھانا ناجائز ہے اس لیے ان کا مارنا فضول ہے -

بحری شکار کرنا اور اسکا کھانا حلال ہے

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۞ (سورۃ المائدہ آیت ۹۶)	تمہارے لیے دریا کا شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے واسطے اور مسافروں کے واسطے فائدہ ہے - اور تم پر جنگل کا شکار کرنا حرام کیا گیا ہے جب تک کہ تم احرام میں ہو - اور اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف جمع کئے جاؤ گے -
يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ - (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷)	اور وہ ان کے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور خبیث چیزیں ان پر حرام کرتا ہے -

تفسیر

اس آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ بحری شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ خشکی کا شکار بھی احرام کی حالت کے سوا تمہارے لیے حلال ہے۔ اور تیسری چیز یہ ہے کہ حلال و حرام میں امتیاز کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ برّی شکار کی تفصیل تو اس سے پہلے ابواب میں بیان ہو چکی ہے۔ اور اب اس باب میں بحری شکار کی تفصیل عرض کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جملہ میں اتنا فرمایا ہے کہ تمہارے لیے بحری شکار حلال ہے اور اس کا کھانا بھی حلال ہے مگر تفصیل نہیں کہ کون سا بحری شکار حلال ہے اور کون سا حرام ہے بظاہر تو اس آیت سے ہر قسم کا بحری شکار حلال معلوم ہوتا ہے خواہ وہ انسان اور سور ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے بعد سورۃ الاعراف کے جملوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاکیزہ چیزیں حلال ہیں اور خبیث حرام ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ	جابر کا فرمان ہے کہ میں
غَزَوْتُ جَيْشَ الْخَبَطِ	نے خبط کے لشکر کے
وَ اُمِّرَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ	ساتھ ہو کر جہاد کیا۔ اور
فَجُعْنَا جُوْعًا	ابو عبیدہؓ ہمارے امیر
شَدِيْدًا فَاَلْقَى	بنائے گئے تھے اور ہمیں
الْبَحْرُ حُوْتًا مَيِّتًا	شدید بھوک لگی تو سمندر
لَمْ نَرَ مِثْلَهُ	نے ایک مری ہوئی مچھلی
يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ	پھینکی۔ ایسی مچھلی ہم نے

فَاَکَلْنَا مِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ فَاَخَذَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ عَظْمًا مِنْ عِظَامِهِ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرْنَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوْا رِزْقًا اَخْرَجَهُ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ وَاَطْعِمُوْنَا اِنْ كَانَ مَعَكُمْ قَالَ فَاَرْسَلْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَاَكَلَهُ۔ (متفق علیہ)	پہلے نہیں دیکھی تھی۔ اس کا نام عنبر تھا۔ آدھے مہینہ تک ہم اس میں سے کھاتے رہے۔ پھر ابوعبیدہ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی لی تو سوار اس کے نیچے سے گزر گیا۔ پس جب ہم لوٹ کر آئے تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کھاؤ اللہ تعالےٰ نے تمہارے لیے رزق بھیجا ہے اگر تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی دو تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس میں سے بھیجا تو آپ نے اسے کھایا۔
عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ	ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے لیے دو مردار اور

وَ دَمَانِ ۔ اَلْمَیْتَتَانِ اَلْحُوْتُ وَالْجَرَادُ ۔ وَالدَّمَانِ اَلْکَبِدُ وَالطِّحَالُ ۔ (احمد۔ ابن ماجہ ۔ دارقطنی)	دو خون حلال کیے گئے ہیں ۔ دو مردار ایک مچھلی اور دوسری ٹڈی ہے اور دو خون ایک کلیجی اور دوسری تلی ہے ۔
عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَلْقَاہُ الْبَحْرُ وَجَزَرَ عَنْہُ الْمَاءُ فَکُلُوْہُ وَمَا مَاتَ فِیْہِ وَطَفَا فَلَا تَاْکُلُوْہُ ۔ (ابوداؤد و ابن ماجہ)	ابی زبیرؓ نے جابر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مچھلی کو دریا پھینکے یا اس سے کھل جائے پانی تو اسکو کھاؤ اور جو مچھلی اس میں مر جائے اور پانی کے اوپر آئے تو اسے مت کھاؤ

تشریح

اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں ۔ اور یہ تینوں قرآن مجید کی سورۃ المائدہ کی آیت چھیانوے کے پہلے جملہ (اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ) کی تفسیر ہیں ۔ کیونکہ اس جملہ میں تو اتنا ارشاد ہے کہ تمہارے لیے بحری شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال ہے ۔ یہ تفصیل نہیں ہے کہ سب ہی شکار بحری حلال ہیں یا کچھ حرام بھی ہیں ۔

اس کے بعد سورۃ الاعراف والی آیت بتا رہی ہے کہ پاکیزہ اور ستھری چیزیں حلال ہیں اور خبیث چیزیں حرام ہیں مگر پھر بھی اجمال باقی ہیں۔ کیونکہ سمندر میں تو بے شمار حیوانات ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکی اور ناپاکی کا یہ قاعدہ کلیہ جو بری حیوانات میں چلتا ہے بحری کے اندر بھی یہی قاعدہ چلے گا۔ کہ حیوانات بحری خبیث نظر آئیں وہ تو حرام ہیں اور جو طیّب نظر آئیں وہ حلال ہیں۔ پس گویا کہ حلّت اور حرمت کی اصل دارومدار پاکیزگی اور خباثت ہے۔ پس جس جانور میں پاکیزگی نظر آئے وہ خواہ برّی ہو یا بحری وہ حلال ہے اور جس جانور میں خباثت نظر آئے وہ بھی خواہ بری ہو یا بحری حرام ہے۔ اب مچھلی چونکہ پاکیزہ نظر آتی ہے تو اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مذکورہ احادیث میں فرمایا ہے کہ وہ حلال ہے اسے کھاؤ اور خود بھی کھائی ہے۔ مگر اس کی تین صورتیں ہیں۔ ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ دریا جس زندہ مچھلی کو پھینکے یا پانی اس سے ہٹ جائے اور پھر وہ مر جائے تو یہ حلال ہے اسے انسان کھا سکتا ہے۔ اور اگر وہی مچھلی دریا میں طبعی موت مر جائے اور وہ پانی کی سطح پر آجائے تو وہ حرام ہے۔ تیسری صورت خود بخود معلوم ہوگئی کہ جو زندہ مچھلی ہے جسے انسان پکڑ لے اور پھر وہ مر جائے تو وہ بھی حلال ہے۔

سدھائے ہوئے شکاری جانور کا کیا ہوا شکار حلال ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ط قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ز فَكُلُوْا مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

(سورۃ المائدہ آیت ۴)

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کیلئے کیا چیز حلال ہے کہہ دو تمہارے واسطے بس پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو شکاری جانور جسے شکار پر دوڑنے کی تعلیم دو کہ انہیں کھلتے ہو۔ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے سو اس میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے لیے پکڑ کر رکھیں۔ اور اس پر اللہ کا نام لو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر

اس آیت کے پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہؓ کا سوال نقل فرمایا ہے جو انہوں نے شکاری کتے اور باز کے بارے میں کیا تھا کہ ان کا شکار حلال ہے یا حرام۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں۔ اس کی تفصیل گزشتہ ابواب میں بیان ہو چکی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ شکاری جانوروں کا شکار تمہارے لیے حلال ہے مگر اس کے لیے چار شرطیں ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ کتا یا باز سدھایا ہوا ہو۔ یہ شرط عَلَّمْتُمْ سے معلوم ہوتی ہے اور علماء نے اس کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ جب آدمی کتے کو شکار پر چھوڑے تو وہ شکار پکڑ کر اس کے پاس لے آئے خود نہ کھائے۔ اور باز کے لیے یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ جب آدمی اس کو واپس بلائے تو فوراً واپس آ جائے اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو۔ جب شکاری جانور ایسے سدھائے ہوئے ہوں گے تو اس سے ثابت ہوگا کہ وہ شکار اپنے لیے نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے مالک کے لیے کرتے ہیں۔ اب ان شکاری جانوروں کا شکار خود مالک کا شکار شمار ہوگا۔ اور اگر کسی وقت وہ اس تعلیم کے خلاف کریں مثلاً کتا شکار خود کھانے لگے یا باز مالک کے بلانے پر واپس نہ آئے تو یہ شکار مالک کا نہیں رہا اس لیے اب اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مالک خود اس کتے یا باز کو شکار کے پیچھے دوڑائے یہ نہ ہو کہ وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اس کو شکار کر لیں یہ

شرط لفظ مکلّبین سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ لفظ دراصل تکلیب سے بنا ہے اس کے اصل معنی کتوں کو سکھلانے کے آتے ہیں۔ پھر عام شکاری جانوروں کو سکھلانے شکار پر چھوڑنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھائے بلکہ تمہارے پاس لے آئے۔ یہ شرط مِمَّا اَمْسَکْنَ سے معلوم ہوتی ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور کو بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔ جب یہ چاروں شرطیں پوری ہوں تو اگر جانور تمہارے پاس آنے تک دم توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر وہ شکاری جانور اسے زندہ پکڑ کر لے آئے تو پھر اس کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ اور لفظ جوارح سے امام ابوحنیفہؒ نے پانچویں شرط کا استنباط بھی فرمایا ہے کہ وہ شکاری جانور اس شکار کو زخمی کرے اور یہ استنباط اس طور پر ہے کہ جَوارِح جَرْح سے بنا ہے اور جرح کے معنی زخمی کرنے کے آتے ہیں۔ اور یہ شرط ضروری ہے۔ کیونکہ شکار کے زخمی ہونے سے اس کا دم مسفوح نکل جائے گا۔ یہ حکم ان وحشی جانوروں کا ہے جو اپنے قبضہ میں نہ ہوں۔ اور اگر کسی وحشی جانور کو اپنے قبضہ میں کر لیا گیا ہو تو وہ بے قاعدہ ذبح کے حلال نہیں ہوگا۔

اس سے پہلے تو وہ تفسیر نقل کی گئی ہے جو اس آیت کریمہ کے جملوں سے واضح اور سرسری طور پر معلوم ہوتی ہے اور اب ذیل میں وہ تفسیر نقل کی جائے گی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بیان فرمائی ہے

عَنْ عَدِيِّ حَاتِمٍ	عدی ابن حاتم نے فرمایا کہ
قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ	مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ	وسلم نے فرمایا جب تو اپنا

وَسَلَّمَ اِذَا اَرْسَلْتَ	کتا چھوڑے تو اللہ کا
كَلْبَكَ فَاذْكُرِ	نام لو اگر اس نے تیری
اسْمَ اللّٰهِ فَاِنْ	خاطر اسے پکڑ رکھا اور
اَمْسَكَ عَلَيْكَ	تو نے اسے زندہ پا لیا
فَاَدْرَكْتَهٗ حَيًّا	تو اسے ذبح کر۔ اور اگر
فَاذْبَحْهُ وَاِنْ	اس نے اسے مار دیا اور
اَدْرَكْتَهٗ قَدْ قَتَلَ	اس سے کچھ نہ کھایا تو
وَلَمْ يَاْكُلْ مِنْهُ	اسے کھا اور اگر اس نے
فَكُلْهُ وَاِنْ	اس سے کھایا ہے تو اسے
اَكَلَ فَلَا تَاْكُلْ	مت کھانا۔ کیونکہ اس نے
فَاِنَّمَا اَمْسَكَ	اپنے لیے روکا ہے۔ اگر
عَلٰى نَفْسِهٖ فَاِنْ	تو نے اپنے کتے کے
وَجَدْتَّ مَعَ كَلْبِكَ	ساتھ اور کتے کو پایا اور
كَلْبًا غَيْرَهٗ وَقَدْ	اس نے شکار کو مار دیا
قَتَلَ فَلَا تَاْكُلْ	تھا تو پھر مت کھا کیونکہ
فَاِنَّكَ لَا تَدْرِيْ	تجھے پتہ نہیں کہ ان میں سے
اَيُّهُمَا قَتَلَ (متفق علیہ)	کس نے مارا ہے۔
عَنْ عَدِيِّ ابْنِ	عدی ابن حاتم سے روایت
حَاتِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ	ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	وسلم نے فرمایا جس کتے
قَالَ مَا عَلَّمْتَ مِنْ	یا باز کو تو نے تعلیم دی

كَلْبٌ اَوْ بَازٍ ثُمَّ	ہو پھر تو اسے چھوڑے
اَرْسَلْتَهٗ وَ ذَكَرْتَ	اور اللہ کا نام لے تو
اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ	کھاؤ جو وہ تیری خاطر
مِمَّا اَمْسَكَ عَلَيْكَ	روک لے ۔ میں نے کہا
قُلْتُ وَاِنْ قَتَلَ	اگرچہ وہ اسے قتل کر دے
قَالَ اِذَا قَتَلَهٗ	تو آپ نے فرمایا جب وہ
وَلَمْ يَاْكُلْ مِنْهُ	اسے قتل کرے اور اس
شَيْئًا فَاِنَّمَا اَمْسَكَهٗ	میں سے کچھ نہ کھائے تو
عَلَيْكَ (ابوداؤد)	اس نے تیرے لیے رُکا ہے

تفسیر

یہاں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں جو عدی ابن حاتم سے مروی ہیں ۔ اور یہ دونوں حدیثیں قرآن مجید کی سورۃ المائدہ کی آیت چار کی تفسیر ہیں ۔ اور ان احادیث کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے راوی عدی ابن حاتم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکار کے بارے میں آپ سے پوچھا ہوگا تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیثیں بیان فرمائی ہیں ۔ ان احادیث میں آپ نے شکار کے حلال ہونے کے لیے وہی چار شرطیں بیان فرمائی ہیں جو اس آیت میں اجمالاً مذکور ہیں ۔ مثلاً آدمی خود[1] کتے یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑے ۔ اور[2] وہ سدھائے ہوئے بھی ہوں وہ خود[3] نہ کھائیں اسے پکڑ کر مالک کے پاس لے آئیں ۔ اور مالک[4] انہیں بسم اللہ پڑھ کر چھوڑے البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نقطہ کی مزید وضاحت بیان فرمائی ہے کہ

اگر اس شکاری کتے کے ساتھ ایک اور کتا شامل ہو جائے تو پھر اس کا کھانا ناجائز ہے کیونکہ اب پتہ نہیں چلے گا کہ شکار کس کتے نے کیا ہے اور یہ دوسرا کتا جو ہے اس کو مالک نے شکار کے پیچھے چھوڑا ہی نہیں اور اس پر بسم اللہ بھی نہیں پڑھی۔ اس لیے اس شکار کا اب کھانا جائز نہیں۔ اور کتے یا باز کے کیے ہوئے شکار کو حلال اس لیے حلال کہتے ہیں کہ درحقیقت یہ ذبح اضطراری ہے اور کتے یا باز کی حیثیت اس کے لیے چھری کی ہے۔ اسی لیے حکم یہ ہے کہ وہ اگر زندہ پکڑ کر لے آئے تو اسے ذبح کرنا ہے کیونکہ اب یہ اضطراری نہیں ہے۔ اضطراری اس صورت میں بنتا ہے کہ شکار مر جائے اور اسے ذبح نہ کیا جا سکے۔

شکار، مویشی اور کھیت کی حفاظت کیلیے کتا رکھنا جائز ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْکِلَابِ اِلَّا کَلْبَ صَیْدٍ اَوْ کَلْبَ غَنَمٍ اَوْ مَاشِیَۃٍ (متفق علیہ)	ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے۔ بکریوں کے کتے اور مویشیوں کے کتے کے سوا تمام کتوں کو مارنے کا حکم دیا۔
عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ	عبد اللہ بن مغفل سے

مُغَفَّلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا كُلِّهَا فَاقْتُلُوا مِنْهَا كُلَّ أَسْوَدَ بَهِيمٍ

(ابوداؤد)

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کتے امتوں میں ایک امت میں نہ ہوتے تو میں سب کو مارنے کا حکم دیتا۔ پس تم خالص کالے کتے کو مار دو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ صَيْدٍ أَوْ زَرْعٍ انْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ۔

(متفق علیہ)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مویشیوں کے شکاری کے اور کھیتی کے رکھنے کے سوا جو آدمی کتا رکھے تو اس کے روزمرّہ ثواب سے ایک قیراط نیکی کم ہو جاتی ہے۔

تشریح

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ اور یہ تینوں احادیث قرآن مجید کی سورۃ المائدہ کی آیت چار کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں

شکاری جانوروں کے کیے ہوئے شکار کو اللہ تعالیٰ نے کھانے کی اجازت دی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ شکاری جانور رکھنا بھی جائز ہے خواہ کتا ہو یا باز ہو ۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اسکی وضاحت بیان فرمادی ہے ۔

ان احادیث میں سے پہلی حدیث میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کتوں کے سوا سب کتوں کو مارنے کا حکم دیا ۔ ان دو میں سے پہلا شکاری ، دوسرا بکریوں اور مویشیوں کا نگران ۔ اور دوسری حدیث میں صرف خالص کالے کتے کو مارنے کا حکم دیا ۔ اور تیسری حدیث میں دو چیزوں کا بیان ہے ایک یہ ہے کہ ان دو کتوں کے ساتھ تیسری چیز کھیتی کے کتے کا بھی اضافہ ہے کہ اس کو مارنا جائز نہیں ہے اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ ان تین کتوں کے علاوہ جو آدمی کتا رکھے تو اس کے روزمرہ کے ثواب اور اجر میں سے ایک قیراط نیکی کم ہوگی ۔ اور قیراط چار جَو کی مقدار کو کہتے ہیں ۔ عند اللہ اس کی سے جو مراد ہے وہ وہی جانتا ہے کہ کونسی قیراط مراد ہے ۔

پس خلاصہ اور لبِّ لباب یہ نکلا کہ شکاری مویشیوں کے نگران اور کھیت کے نگران کے علاوہ باقی کتوں کو مارنے کی اجازت ہے کیونکہ یہ درندہ ہے اور انسان کا دشمن ہے ۔ اور زہریلا جانور ہے ۔ اگر یہ کسی برتن میں منہ مار دے تو اس کا زہر اس برتن میں بھی اثر کرتا ہے ۔ اسی لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مرتبہ اس برتن کو دھونے کا حکم دیا ہے اور کالے کتے کو جو خصوصی طور پر مارنے کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا زہر اور اس کی انسان دشمنی باقی کتوں کی نسبت زیادہ ہے اس حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ کتا پالنے والے کے ثواب میں ایک

قیراط کی کمی ہوتی ہے اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ انسان کے دشمن کو پالتا ہے اور یہاں تک یہ پالنے والا خود بھی اس کے اثر بد سے بچ نہیں سکے گا۔ کم از کم اس کتے کے زہریلے اثرات اس کو ضرر پہنچائیں گے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی کتا پالے گا اس کے گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے اور اس کے ثواب میں بھی کمی ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے ساتھ دشمنی کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے اور ایسے کتے پالنا گویا انسان دشمنی ہے اور ان تین کتوں کو رکھنے کی اجازت دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً ان کو تعلیم دینا ہے اور تعلیم یافتہ کتے کی انسان دشمنی ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ مالک کا خیر خواہ بن جاتا ہے اور انسان کی روزی کا بھی مسئلہ ہے۔ اگر انسان کتا نہ رکھے تو جنگلی درندے مویشیوں اور کھیت کو تباہ کر دیتے ہیں۔ پس اس روزی کے تحفظ کے لیے کتا رکھنے کی اجازت دی ہے اور اسی لیے اس کا کیا ہوا شکار کھانے کی بھی اجازت ہے۔

تیر سے مارا ہوا شکار کھانا حلال ہے

عَنْ عَدِیِّ ابْنِ حَاتِمٍ	عدی ابن حاتم سے روایت
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم نے فرمایا جب
وَاِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ	تم اپنے شکار کو تیر مارو

فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ اِلَّا اَثَرَ سَهْمِكَ فَكُلْ اِنْ شِئْتَ وَاِنْ وَجَدْتَّهٗ غَرِيْقًا فِي الْمَآءِ فَلَا تَاْكُلْ (متفق علیہ)	تو اللہ کا نام لو۔ اگر وہ تجھ سے ایک دن غائب رہا اور پھر تو نے اس میں اپنے تیر کا بھی اثر پایا تو جی چاہے تو کھا لو اور اگر تو نے اسے پانی میں ڈوبا ہوا پایا تو مت کھا۔
عَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَغَابَ عَنْكَ فَاَدْرَكْتَهٗ فَكُلْ مَا لَمْ يُنْتِنْ۔ (مسلم)	ابی ثعلبہ خشنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو اپنا تیر پھینکے اور وہ شکار تجھ سے غائب ہو جائے۔ پھر تو اس کو پالے تو اسے کھا لو جب تک بدبودار نہ ہو۔
وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الَّذِيْ يُدْرِكُ صَيْدَهٗ بَعْدَ ثَلٰثٍ قَالَ فَكُلْهُ	اور ابی ثعلبہ سے ہی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اپنا شکار تین دن کے بعد

مَا لَمْ يُنْتِنْ ۔ (مسلم)	پائے تو فرمایا کھا لو جب تک بدبودار نہ ہو
وَعَنْ عَدِيِّ ابْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرْمِي الصَّيْدَ فَاَجِدُ مِنَ الْغَدِ سَهْمِيْ قَالَ اِذَا عَلِمْتَ اَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهٗ وَلَمْ تَرَ فِيْهِ اَثَرَ سَبُعٍ فَكُلْ ۔ (ابوداؤد)	عدی ابن حاتم سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں شکار کو تیر مارتا ہوں پھر دوسرے دن کے بعد اپنا تیر پاتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا جب تمہیں پتہ چلے کہ تیرے تیر نے اسے مارا ہے اور اس میں درندے کا اثر نہیں ہے تو اسے کھا لو۔

تشریح

یہاں اس بحث میں کل چار احادیث نقل کی گئی ہیں۔ اور یہ چاروں سورۃ المائدہ کی آیت دو کے جملہ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا کی تفسیر ہیں کیونکہ اس جملہ میں اجازتِ شکار ہے اور پھر کونسا شکار حلال ہے اور کونسا حرام ہے یہ تفصیل بھی آگئی ہے مگر شکار کس طرح کرنا ہے۔ یہ تفصیل اس میں نہیں آئی۔ اصل میں اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو سورۃ المائدہ کی آیت چار میں بیان فرمائی۔ ہے کہ شکاری جانور کا کیا ہوا شکار حلال ہے

اور دوسری صورت ان احادیث میں جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہے کہ تیر سے شکار کرنا جائز ہے اور اس کا اشارہ مِنَ الْجَوَارِح سے بھی ملتا ہے کیونکہ جُوارِح جَرْحٌ سے بنا ہے ۔ جَرْح کے معنی زخمی کرنا ہے ۔ اور یہ زخمی کرنا عام ہے ۔ خواہ شکاری جانوروں کے ذریعہ ہو یا تیر کے ذریعہ ہو ۔ پس ان احادیث میں تیروں سے شکار کرنے کا طریقہ بتایا ہے ۔

پہلی حدیث جو ایک لمبی حدیث کا ایک حصّہ ہے اس میں چار چیزوں کا بیان ہے ۔ پہلی چیز شکار پر تیر پھینکنے کا طریقہ بتایا ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکنا ہے اور دوسری چیز تو ظاہر ہے کہ اس کے تیر سے اگر شکار مر جائے تو کھا سکتا ہے اور تیسری چیز اگر شکار اڑ جائے یا فرار ہو جائے اور ایک دن کے بعد مرا ہوا ملے اور اس کی موت تیر سے ہی واقع ہوئی ہو تو پھر آدمی اسے کھا سکتا ہے ۔ اور چوتھی چیز یہ ہے کہ وہ شکار دریا میں ڈوب گیا ہو اور مر گیا ہو تو پھر اسے نہیں کھا سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ تیر سے نہ مرا ہو بلکہ پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے مر گیا ہو تو پھر وہ مُردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں ہے

اور دوسری حدیث جو ثعلبہ خشنی سے مروی ہے اس میں فرمایا ہے کہ وہ غائب شدہ شکار جب تک بدبودار نہ ہو اسے کھایا جا سکتا ہے ۔

تیسری حدیث میں فرمایا کہ اگر وہ تین دن کے بعد ملے اور بدبودار نہ ہو تب بھی اسے کھایا جا سکتا ہے اور اگر بدبودار ہو جائے تو پھر اگرچہ اسکا کھانا حلال ہے مگر بہتر نہیں ہے کیونکہ اب وہ طیّب نہیں رہا ۔

اور چوتھی حدیث میں فرمایا ہے کہ اگر اس گم شدہ شکار میں اسے زخمی کرنے

کے کسی درندے کے آثار ہوں تو پھر اسے نہیں کھانا چاہیئے۔

وَعَنْهُ قَالَ	اسی عدی نے کہا ہے کہ
قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ	میں نے کہا یا رسول اللہ
اِنَّا نُرْسِلُ الْكِلَابَ	ہم شکار کے لیے تعلیم یافتہ
الْمُعَلَّمَةَ قَالَ	کتے چھوڑتے ہیں۔ آپؐ
كُلْ مَا اَمْسَكْنَ	نے فرمایا وہ جو تمہاری خاطر
عَلَيْكَ قُلْتُ	روک لیں وہ کھاؤ۔ میں
وَاِنْ قَتَلْنَ	نے کہا اگرچہ وہ اسے مار
قَالَ وَاِنْ قَتَلْنَ	ڈالیں تو فرمایا اگرچہ وہ
قُلْتُ اِنَّا نَرْمِیْ	اسے مار ڈالیں۔ میں نے
بِالْمِعْرَاضِ قَالَ	کہا ہم سوائے پروں کے
كُلْ مَا خَزَقَ	شکار کو تیر مارتے ہیں تو
وَمَا اَصَابَ	آپؐ نے فرمایا کھالو جسے
بِعَرْضِهٖ فَقَتَلَهٗ	وہ سیدھا لگے اور جسے
فَاِنَّهٗ وَقِيْذٌ	وہ تیر چوڑا لگے اور وہ
فَلَا تَاْكُلْ۔	مرجائے تو وہ نہ کھانا
(متفق علیہ)	کیونکہ وہ وقیذ ہے۔

تشریح

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے پر تیر کے شکار کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اگر وہ بے پر تیر سیدھا شکار کو

لگے تب تو وہ شکار حلال ہے کیونکہ وہ تیر اس کو زخمی کر دے گا اور اس سے خون بہہ نکلے گا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر وہ تیر اسکو چوڑا لگے تو پھر اس کو کھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تیر اس کو زخمی نہیں کریگا بلکہ اس کی ہڈی توڑے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ مَوْقُوْذَہ میں شامل ہے اور موقوذہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اور موقوذہ سے مراد ہر وہ حلال جانور ہے جس کو تیر کے سوا جس بھی چیز سے مارا جائے خواہ ڈنڈا ہو یا پتھر یا کوئی اور ہڈی توڑنے والا آلہ ہو۔ اور فقہاء نے لکھا ہے کہ بندوق کی گولی سے مارا ہوا شکار بھی اسی مِعرَاض کے حکم میں شامل ہے۔ یعنی بندوق کی گولی سے مرا ہوا حرام ہے۔ اور قرآن مجید میں جو لفظ جَوَارِح آیا ہے اس سے بھی اشارۃً یہی معلوم ہوتا ہے کہ چوڑے تیر اور بندوق کی گولی سے مرا ہوا حرام ہے کیونکہ جَوَارِح سے مراد زخمی کرنے والی چیزیں ہیں۔ اور جو زخمی نہیں کرتیں بلکہ توڑتی ہیں تو ان سے مرا ہوا شکار حرام ہے۔ اور گولی اور چوڑا تیر ایسا ہی کرتے ہیں۔ لہٰذا ان سے کیا ہوا شکار بھی حرام ہے۔

حلال جانور کو بغیر ذبح کے کھانا حرام ہے

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ	تم پر مردار، خون اور
الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ	سؤر کا گوشت حرام کیا
وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ	گیا ہے۔ اور وہ جانور
وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ	جس پر اللہ کے سوا کسی

اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ

(سورۃ المائدہ آیت ۲)

اور کا نام پکارا جائے۔ اور جو گلا گھونٹ کر یا چوٹ سے یا بلندی سے گر کر یا سینگ مارنے سے مرگیا ہو اور وہ جسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو مگر جسے تم نے ذبح کر لیا ہو اور وہ جو کسی تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ جوئے کے تیروں سے تقسیم کرو یہ سب گناہ ہیں۔

تفسیر

یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گیارہ چیزوں کو حرام فرمایا ہے ان سب کی تفصیل پہلے بیان ہوچکی ہے۔ یہاں صرف اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کی تفصیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وَالْمُنْخَنِقَةُ سے لے کر اَلسَّبُعُ تک جو استثنا فرمائی ہے کہ ان پانچ جانوروں کو اگر تم ذبح کرلو تو پھر اس کا کھانا جائز ہے مگر ذبح کی تفصیل نہیں کہ کس طرح ذبح کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ جملہ مجمل ہے اور اس کے بعد اسکی کچھ تفصیل تو سورۃ الانعام کی آیات میں اور کچھ تفصیل جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی احادیث میں بیان فرمائی گئی ہے۔

فَکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ کُنْتُمْ بِاٰیٰتِہٖ مُؤْمِنِیْنَ ۝ وَمَا لَکُمْ اَلَّا تَاْکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَقَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْہِ وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاِنَّہٗ لَفِسْقٌ ۔ (سورۃ الانعام آیت ۱۱۸-۱۱۹-۱۲۱)	پس تم ان جانوروں میں سے کھاؤ جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے ۔ اگر تم اس کے حکموں پر ایمان لانے والے ہو۔ کیا وجہ ہے کہ تم وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ وہ واضح کر چکا ہے جو کچھ اس نے تم پر حرام کر کیا ہے ہاں مگر وہ چیز جسکی طرف تم مجبور ہو جاؤ اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے نہ کھاؤ بے شک یہ کھانا گناہ ہے

تفسیر

یہاں سورۃ الانعام کی ایک تو پوری آیت ہے جو آیت ایک سو اٹھارہ ہے اور ایک سو انیس اور ایک سو اکیس کے دو جملے ہیں ۔ اور یہ سورۃ المائدہ کے جملہ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کی تفسیر ہیں کیونکہ اس جملہ میں یہ فرمایا ہے

کہ جس کو تم ذبح کرو وہ حلال ہے مگر اس میں ذبح کرنے کا طریقہ نہیں بیان فرمایا۔ اور سورۃ الانعام کی اس آیت اور ان جملوں میں ذبح کرنے کا ایک طریقہ بیان فرمایا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے۔ پس جس جانور پر اللہ کا نام لیا ہو تو اس کو کھاؤ اور جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہوا نہ ہو وہ مت کھاؤ۔

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ	تاکہ اپنے فائدوں کے
وَ يَذْكُرُوا اسْمَ	لیے وہ آ موجود ہوں،
اللهِ فِيْٓ اَيَّامٍ	اور تاکہ جو چارپائے
مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى	اللہ نے انہیں دیئے ہیں
مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ	ان پر مقررہ دنوں میں
بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ج	اللہ کا نام یاد کریں پھر
فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا	ان میں سے خود بھی کھاؤ
الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝	اور محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ
لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ	تمہارے لیے ان میں ایک
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى	وقت معیّن تک فائدے
ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى	ہیں پھر اس کے ذبح کی
الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝	جگہ قدیم گھر کے قریب
وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا	ہے اور ہر امت کے
مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ	لیے ہم نے قربانی مقرر
اللهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ	کر دی تھی تاکہ اللہ نے
مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ط	جو چارپائے انہیں دیئے

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ

(سورہ الحج آیت ۲۸-۳۳-۳۴-۳۶)

ہیں ان پر اللہ کا نام یاد کیا کریں۔ پھر تم سب کا معبود تو ایک ہی اللہ ہے۔ اسی کے تابعدار رہو اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سناؤ اور ہم نے تمہارے لیے قربانی کے اونٹ کو اللہ کی نشانیوں میں سے بنایا ہے۔ تمہارے ان میں فائدے ہیں پھر ان پر اللہ کا نام کھڑا کر کے لو۔ پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں تو ان میں سے خود کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے اور سائل کو بھی کھلاؤ۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں سورۃ الحج کی چار آیتیں جمع کی گئی ہیں اور یہ چاروں آیات اس سے پہلے سورۃ الانعام کی جو آیات ہیں ان کی تفسیر ہیں کیونکہ

سورۃ الانعام والی آیات میں اتنا فرمایا ہے کہ وہ چیز کھاؤ جس پر اللہ تعالےٰ کا نام لیا گیا ہو۔ اور وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا۔ مگر یہ چیز متعین نہیں فرمائی کہ کیا تمام کھانے کی چیزیں مراد ہیں یا جانور بوقت ذبح مراد ہیں۔ اور سورۃ الحج والی آیتوں میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اس سے مراد حلال جانور ہیں اور ان پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے۔ اگرچہ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ تمام کھانے اور پینے کی چیزوں کو استعمال کرتے وقت ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے۔ اور اگر کوئی ان پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے تو وہ چیزیں حرام نہیں ہوتیں۔ اور جانور پر اگر بوقت ذبح کوئی اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے تو وہ چیز حرام ہو جاتی ہے اس کا کھانا پھر جائز نہیں ہوتا۔ اسکی مزید تفصیل انشاء اللہ احادیث میں آرہی ہے۔ بہرحال سورۃ الانعام اور سورۃ الحج کی یہ آیات سورۃ المائدہ کی آیت تین کے جملہ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کی تفسیر ہیں مگر تاہم اس میں اجمال اب بھی باقی ہے۔ احادیث میں سے وضاحت ہوگی۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والا ملعون ہے

وَعَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ سُئِلَ عَلِيٌّ هَلْ خَصَّكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ

ابی طفیل نے کہا حضرت علی سے پوچھا گیا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کے ساتھ خاص کیا ہے تو آپ نے

فَقَالَ مَا خَصَّنَا بِشَيْءٍ لَمْ يَعُمَّ بِهِ النَّاسَ إِلَّا مَا فِي سَيْفِي هٰذَا فَأَخْرَجَ صَحِيفَةً فِيهَا لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ (مسلم)	فرمایا کہ آپ نے ہمیں عام لوگوں کے سوا کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں کیا مگر وہ چیز جو میری اس تلوار کے غلاف میں ہے پھر آپ نے صحیفہ نکالا اس میں یہ بات تھی اللہ لعنت کرے اس پر جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے۔

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندہ جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کرنا ضروری ہے اور جو آدمی غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور لعنت کے معنی بعید من الرحمت کے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جو غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے خواہ وہ کسی نبی، ولی، جن، فرشتہ کے نام پر ذبح کرے یا کسی بت وغیرہ کے نام پر ذبح کرے وہ چیز حرام ہو جاتی ہے اور وہ آدمی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے غیر اللہ کا نام لینے سے وہ حلال چیز حرام ہو گی اور اس نے انسانوں کو اس نعمت سے محروم کیا۔

نومسلم کی ذبح جائز ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ	عائشہؓ نے فرمایا انہوں
قَالُوْا يَا رَسُوْلَ	نے کہا یا رسول اللہ یہاں
اللهِ اِنَّ هُنَا	کتنی ہی قومیں ہیں ان کا
اَقْوَامًا حَدِيْثٌ	زمانہ شرک سے قریب ہے
عَهْدُهُمْ بِشِرْكٍ	وہ ہمارے پاس گوشت
يَاْتُوْنَا بِلُحْمَانٍ	لاتے ہیں اور ہمیں پتہ
لَا نَدْرِيْ اَيَذْكُرُوْنَ	نہیں ہوتا کہ انہوں نے
اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا	اس جانور پر بوقت ذبح
اَمْ لَا قَالَ اُذْكُرُوْا	اللہ کا نام لیا ہے یا نہ تو
اَنْتُمْ اسْمَ اللهِ وَكُلُوْا	آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کا
(بخاری)	نام لو اور اسے کھاؤ۔

تشریح

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ نومسلم جو ابھی تک اسلامی ذبح کا طریقہ نہیں جانتا اس کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا حلال ہے کیونکہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نام موجود ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کوئی بھی چیز کھاتے وقت اس پر اللہ کا نام لینا چاہیئے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اس میں اللہ تعالیٰ برکت ڈالتے ہیں اور جس چیز پر اس کا نام نہ ہو اس میں برکت نہیں ڈالتے اور اسی

کو یہاں لعنت سے تعبیر فرمایا ہے اور خصوصاً جانور پر بوقت ذبح اللہ کا نام لینے میں بھی یہی حکمت ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس جانور میں کئی طرح کی بیماریاں ہوں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے وہ بیماریاں ختم ہو جائیں اور نیز اس جانور پر اللہ کا نام لینے سے مسلم اور کافر میں فرق بھی ہو جائیگا کیونکہ کافر بوقت ذبح جانور پر غیر اللہ کا نام لیتا ہے اور غیر کے نام پر ذبح کی ہوئی چیز نہ اللہ قبول کرتا ہے اور نہ اپنے بندوں کو اس کے کھانے کی اجازت دیتا ہے۔

تیز چیز سے جانور کو ذبح کرنا چاہیئے

عَنْ شَدَّادِ ابْنِ اَوْسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهٗ وَلْيُرِحْ

شداد بن اوس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان لازم کیا ہے پس جب کسی کو قتل کرو (قصاص میں) تو اچھی طرح قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو۔ تم میں سے ہر ایک کو چاہیئے اپنی چھری

ذَبِيحَتَهٗ
(مسلم)

تیز کرے اور اپنی ذبیحہ کو آرام دے۔

عَنْ كَعْبِ ابْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ كَانَ لَهٗ غَنَمٌ تَرْعٰى بِسَلْعٍ فَاَبْصَرَتْ جَارِيَةٌ لَنَا بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِنَا مَوْتًا فَكَسَرَتْ حَجَرًا فَذَبَحَتْهَا بِهٖ فَسَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهٗ بِاَكْلِهَا۔
(بخاری)

کعب بن مالک سے روایت ہے کہ انکی بکریاں جبل سلع میں چر رہی تھیں اور ہماری لونڈی تھی اس نے ہماری بکریوں میں سے ایک بکری کو دیکھا جو مر رہی تھی تو اس نے ایک پتھر کو توڑا اور اس سے وہ بکری ذبح کر دی تو اس کعب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، تو آپ نے وہ کھانے کا حکم دیا۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اَحَدُنَا اَصَابَ صَيْدًا وَلَيْسَ مَعَهٗ سِكِّيْنٌ

عدی بن حاتم نے کہا میں نے کہا یا رسول اللہ غور فرمائیں اگر ہمارے ایک آدمی کو شکار ملے اور اس کے پاس چھری نہ ہو کیا مردہ سے (ایک قسم کا

اَیَذْبَحُ بِالْمَرْوَۃِ	پتھر ہے) یا لاٹھی کے
اَوْ بِشِقَّۃِ الْعَصَا فَقَالَ	ٹکڑے سے ذبح کرلے
اَمْرِرِ الدَّمَ بِمَ	تو آپؐ نے فرمایا خون بہا
شِئْتَ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ	جس سے چاہے اور اللہ
(ابوداؤد ۔ نسائی)	کا نام لے ۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ تینوں سورۃ المائدہ کی آیت تین کے جملہ مَا ذَکَّیْتُمْ کی تفسیر ہیں کیوں کہ یہاں اتنا فرمایا ہے کہ جسے تم ذبح کرو وہ حلال ہے مگر ذبح کا طریقہ نہیں بتایا کہ کس چیز سے ذبح کرنا ہے ۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں وہ طریقہ بتایا ہے کہ تیز چیز سے ذبح کرنا ہے خواہ چھری چاقو ہو یا پتھر ہو یا لکڑی کا ٹکڑا ہو اصل مقصد جانور کا خون بہانا ہے ۔ جس بھی تیز چیز سے اس کا خون بہے اس سے ذبح کرنا جائز ہے ۔

عَنْ عَطَاءِ ابْنِ	عطا بن یسار نے بنی حارثہ
یَسَارٍ عَنْ رَجُلٍ	کے ایک آدمی سے روایت
مِنْ بَنِیْ حَارِثَۃَ	کی ہے کہ وہ احد کی پہاڑیوں
اَنَّہٗ کَانَ یَرْعٰی	میں سے ایک پہاڑی میں
لِقْحَۃً بِشِعْبٍ مِنْ	اونٹ چرا رہا تھا تو اس
شِعَابِ اُحُدٍ فَرَاٰی	نے اس میں مرنے کے
بِھَا الْمَوْتَ فَلَمْ	آثار پائے اور اسے اور

چاہتا ہو تو نہ کھائے۔ اور حدیث میں جو لفظ نحر آیا ہے اس سے مراد اونٹ کے سینہ میں نیزہ مارنا ہے اور یہ سنت ہے اور اگر اونٹ کو کوئی ذبح کرے تو بھی جائز ہے۔

کھانے کی غرض کے سوا کسی جانور کو قتل کرنا جائز نہیں ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ عَاصٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ عُصْفُوْرًا فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا سَاَلَهُ اللهُ عَنْ قَتْلِهٖ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا حَقُّهَا قَالَ اَنْ يَذْبَحَهَا فَيَاْكُلُهَا وَلَا يَقْطَعُ رَاْسَهَا فَيَرْمِيَ بِهَا۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی چڑیا کو یا اس سے چھوٹی یا بڑی چیز کو ناحق قتل کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے قتل کے بارے میں پوچھے گا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ اس کا حق کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے ذبح کرے اور پھر کھائے اور اسکا سر کاٹ کر پھینکے نہ

يُحِبُّوْنَ اَسْنِمَةَ الْاِبِلِ	تھے کوہان اونٹوں کی اور
وَ يَقْطَعُوْنَ اِلْيَاتَ	کاٹ لیا کرتے تھے چکتیاں
الْغَنَمِ فَقَالَ مَا يُقْطَعُ	دنبوں کی تو آپ نے فرمایا
مِنَ الْبَهِيْمَةِ وَ هِيَ	زندہ جانور کی جو بھی چیز
حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ	کاٹی جائے وہ مردار ہے
وَلَا تُؤْكَلُ۔	وہ نہ کھائی جائے۔

(ترمذی - ابوداؤد)

تشریح

یہ حدیث قرآن مجید کی آیت تین کے جملہ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کی تفسیر ہے کیونکہ اس جملہ میں یہ فرمایا ہے کہ جس چیز کو تم ذبح کر لو وہ حلال ہے پس اس سے معلوم ہوا جو جانور ذبح نہ کیا جائے وہ حلال نہیں حرام ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس کی وضاحت فرما دی کہ جانور کا جو حصہ کاٹا جائے وہ حرام ہے خواہ کوہان ہو یا چکتی یا کوئی اور حصہ ہو۔ البتہ سارا جانور اگر ذبح کیا جائے تو وہ حلال ہے اور اس مقطوعہ حصہ کے حرام ہونے کی علت آپ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ میتہ ہے یعنی اس مقطوعہ حصہ سے وہ خون جس کا بہانا مقصود ہو وہ خارج نہیں ہوگا اس لیے حرام ہے اور نیز اس اس جانور پر بھی ظلم ہوتا ہے جو گناہ کبیرہ ہے اس لیے اس سے منع فرمایا ہے۔

مقام ذبح سینے کے سر اور حلق کے درمیان ہے مگر بوقت ضرورت جیسے ممکن ہو

قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلذَّكَاةُ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَاللَّحْيَيْنِ (ہدایہ)

نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ذبح سینہ کے سر اور حلق کے درمیان ہے

عَنْ اَبِي الْعَشْرَاءِ عَنْ اَبِيهِ اَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَا تَكُوْنُ الذَّكَاةُ اِلَّا فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ فَقَالَ لَوْ طَعَنْتَ فِي فَخِذِهَا لَاَجْزَاَ عَنْكَ (ترمذی)

ابی عشراء نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اس نے کہا یا رسول اللہ ذبح تو صرف حلق اور لبّہ کے درمیان ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا اگر تو اس کی ران میں نیزہ مارتا تو تیرے لیے کافی تھا۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَاقُوا الْعَدُوِّ غَدًا وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى اَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ قَالَ

رافع بن خدیج نے کہا میں نے کہا یا رسول اللہ کل ہم دشمن سے ملیں گے اور ہمارے پاس چھری نہ ہو تو کیا ہم بانس کے ٹکڑے سے ذبح کر لیں۔

مَا اَنْهَرَ الدَّمَ وَ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ فَكُلْ ـ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ وَ سَاُحَدِّثُكَ عَنْهُ اَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَ اَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحُبُشِ وَ اَصَبْنَا نَهْبَ اِبِلٍ وَغَنَمٍ فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيْرٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِهٰذِهِ الْاِبِلِ اَوَابِدَ كَاَوَابِدِ الْوَحْشِ فَاِذَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا شَيْءٌ فَافْعَلُوْا بِهٖ هٰكَذَا (متفق علیہ)

تو آپ نے فرمایا جو چیز خون بہائے اور اللہ کا نام لیا جائے تو وہ کھاؤ سوائے دانت اور ناخن کے اور میں تجھے بتاؤنگا ان کے بارے میں بہرحال دانت ہڈی ہے اور ناخن یہ حبشیوں کی چھری ہے۔ اور پایا ہم نے مال غنیمت اونٹوں کا اور بکریوں کا پھر بھاگا ان میں سے ایک اونٹ پھر ایک آدمی نے اس کو تیر مارا اور اس نے اس کو روک لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اونٹ وحشیوں کی طرح بھاگتے ہیں پس جب ان میں سے تم پر کوئی غالب آئے تو اس کے ساتھ اسی طرح کرو۔

تشریح

یہاں تین احادیث جمع کی گئی ہیں اور یہ تینوں سورۃ المائدہ کی آیت تین کے جملہ اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ کی تفسیر ہیں کیونکہ اس جملہ میں اتنا تو فرمایا ہے کہ جس جانور کو تم ذبح کرلو وہ حلال ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ کہاں سے ذبح کرنا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں وہ جگہ بتا دی کہ کہاں سے ذبح کرنا ہے۔ آپ کے فرامین کا مقصد یہ ہے کہ ذبح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اختیاری اور دوسری اضطراری۔

اختیاری یہ ہے کہ جانور اگر کنٹرول میں ہو تو پھر اس کو حلق اور سینہ کے سر کے درمیان سے ذبح کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے ایک تو اسکی جان کنی میں آسانی ہوگی اور دم مسفوحہ بھی اچھی طرح بہہ جائے گا۔

اور ذبح کی دوسری قسم اضطراری ہے اور وہ یہ ہے کہ جانور اگر کنٹرول میں نہ ہو بلکہ وہ فرار ہو جائے تو پھر اس کو تیر یا نیزہ وغیرہ سے مار کر گرایا جا سکتا ہے۔ اگر وہ مرگیا تو پھر اسے کھانا جائز ہے یہ ذبح ہو چکا ہے اور اگر وہ زندہ پکڑا جائے تو پھر اس کو شرعی طریقہ کے موافق ذبح کرنا چاہیئے جیسا کہ شکار کا حکم ہے۔

ذبح میں چار رگیں کاٹنا چاہیے حلقوم، مرئ و دجان

لِقَوۡلِهٖ عَلَيۡهِ السَّلَامُ اَفۡرِ الۡاَوۡدَاجَ بِمَا شِئۡتَ (ہدایہ)

بوجہ فرمان نبی علیہ السلام کے کہ اوداج کاٹو جس سے چاہو۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ	ابن عباس اور ابی ہریرہ
وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ	سے روایت ہے کہ رسول
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	فرمایا شریطہ شیطان سے۔
نَهٰى عَنْ شَرِیْطَةِ	ابن عیسیٰ نے زیادہ کیا ہے
الشَّیْطَانِ زَادَ ابْنُ	کہ یہ ذبیحہ ہے جس کی جلد
عِیْسٰى هِیَ الذَّبِیْحَةُ	کاٹی جاتی ہے اور گردن
یُقْطَعُ مِنْهَا الْجِلْدُ	کی رگیں نہیں کاٹی جاتیں۔
وَلَا تُفْرَى الْاَوْدَاجُ	پھر اس حیوان کو چھوڑ دیا
ثُمَّ تُتْرَكُ حَتّٰى	جاتا ہے یہاں تک کہ وہ
تَمُوْتَ (ابوداؤد)	مر جائے۔

تشریح

یہاں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور یہ دونوں قرآن مجید کی سورۃ المائدہ کی آیت تین کے جملہ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کی تفسیر ہیں کیونکہ یہاں اتنا تو فرمایا ہے کہ تمہارے لیے وہ جانور حلال ہیں جنہیں تم ذبح کر لو مگر ذبح کرنے کا طریقہ نہیں بتایا۔ اور جناب نبی علیہ السّلام نے وہ طریقہ بتایا ہے کہ جانور کے گلے کی رگیں کاٹنا ہے۔ اور رگیں کاٹنے کے سوا صرف چمڑا کاٹنے کو آپ نے شیطانی شریطہ فرمایا ہے۔ شریطہ شرط سے ہے اس کے معنی نشتر کے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں بعض لوگ جانور کے گلے کے صرف چمڑے کو کاٹتے تھے اس سے جانور حلال بھی نہیں ہوتا اور اس

پر ظلم بھی ہے۔

مذبوحہ مادہ کے پیٹ میں بچہ بھی مذبوحہ ہی متصور ہو گا

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ	ابی سعید خدری نے کہا ہم
الْخُدْرِیْ قَالَ قُلْنَا	نے کہا یا رسول اللہ ہم اونٹ
یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نَنْحَرُ	کا نحر کرتے ہیں اور گائے
النَّاقَۃَ وَ نَذْبَحُ	اور بکری ذبح کرتے ہیں
الْبَقَرَۃَ وَالشَّاۃَ	پھر ان کے پیٹ میں بچہ
فَنَجِدُ فِیْ بَطْنِھَا	پاتے ہیں کیا ہم اسے
الْجَنِیْنَ اَنُلْقِیْہِ	پھینک دیں یا اسے کھا
اَمْ نَاْکُلُہٗ قَالَ کُلُوْا	لیں تو آپ نے فرمایا چاہتے
اِنْ شِئْتُمْ فَاِنَّ ذَکٰوتَہٗ	ہو تو کھا لو۔ اس کی ذبح
ذَکٰوۃُ اُمِّہٖ (ابوداؤد)	اس کی ماں کی ذبح ہے۔

تشریح

مادہ مذبوحہ کے پیٹ سے اگر زندہ بچہ نکل آئے تو اسے ذبح کرنا ضروری ہے اور اگر مرا ہوا نکلے تو اس کو کھانا جائز تو ہے، وہ حلال ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے کہ اس کی ماں کی ذبح اس کی ذبح ہے اور اگر کوئی نہ کھائے اسے پھینک دے تو حرج بھی نہیں ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا ہے اگر چاہتے ہو تو کھا لو۔ معلوم ہوتا ہے اگر کوئی نہیں کھانا

يَجِدُ مَا يَنْحَرُهَا بِهِ فَأَخَذَ وَتَدًا فَوَجَأَ بِهِ فِي لَبَّتِهَا حَتَّى أَهْرَاقَ دَمَهَا ثُمَّ أَخْبَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهَا۔ (ابوداؤد)

کوئی چیز نہ ملی جس سے اسے ذبح کرے تو اس نے ایک میخ لے کر اس کے سینے میں چبھو دی جس سے اس کا خون بہہ گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔

تشریح

اس حدیث سے پہلی روایات کی تائید ہوتی ہے کہ ہر اس چیز سے ذبح کرنا جائز ہے جس سے جانور کا خون نکلے خواہ وہ میخ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اصل مقصد خون بہانا ہے۔

بغیر ذبح کیے جانور کا کوئی حصہ کاٹ کر کھانا حرام ہے

عَنْ وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ

واقد لیثی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے اس حال میں کہ وہ لوگ کاٹ لیا کرتے

تشریح

یہ حدیث بھی قرآن مجید کی آیت میں کے جملہ اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ کی تفسیر ہے۔ کیونکہ اس جملہ میں فرمایا ہے کہ جسے تم ذبح کر لو وہ حلال ہے مگر مقصد ذبح بیان نہیں فرمایا لیکن اگر غور کیا جائے تو مقصد معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کھانا ہے۔ اسی کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ جانور کو کھانے کی غرض کے سوا ذبح نہیں کرنا چاہیئے اور آپ نے فرمایا ہے کہ اس کے دو حق ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اسکو ذبح کیا جائے اور دوسرا یہ ہے کہ اس کو کھایا جائے یہاں تک کہ اس کا سر بھی پھینکنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت ضائع ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی بے قدری ہوگی۔

جانور کو قتل کرنے کیلیے نشانہ بنانا جائز نہیں

عَنِ ابۡنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَنۡهٰى اَنۡ تُصۡبَرَ بَهِيۡمَةٌ اَوۡ غَيۡرُهَا لِلۡقَتۡلِ۔ (متفق علیہ)	ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ منع فرماتے تھے اس سے کہ چارپائے کو یا اس کے ماسوا کسی چیز کو قتل کرنے کیلئے کھڑا کر کے نشانہ ٹھہرایا جائے۔

وَ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيْهِ الرُّوْحُ غَرَضًا ۔ (متفق علیہ)	اور اسی ابن عمر سے ہی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس شخص پر پر جو اس چیز کو نشانہ ٹھہرائے جس میں روح ہو
عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ الْمُجَثَّمَةِ وَهِيَ الَّتِيْ تُصْبَرُ بِالنَّبْلِ ۔ (ترمذی)	ابی درداء نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجثمہ سے منع فرمایا ہے اور یہ وہ جانور ہے جس کو کھڑا کر کے تیر کے ساتھ نشانہ بنایا جائے

تشریح

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ بھی اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کی تشریح ہیں۔ کیونکہ اس جملہ میں یہ فرمایا ہے کہ جس کو ذبح کرو وہ جائز ہے۔ اور ذبح کی تشریح پہلے آچکی ہے کہ جانور کے گلے کی چار رگیں کاٹنا ہے۔ اور اگر کوئی یہ طریقہ اختیار نہ کرے بلکہ اس جانور کو کھڑا کر کے تیر مار دے تو اس کا دم مسفوح تو نکل جائے گا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ناجائز ہے اور ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں اور ایسے جانور کا کھانا حرام ہے کیونکہ پہلے یہ تفصیل آچکی ہے کہ ذبح دو قسم کی ہے ایک اختیاری اور دوسری اضطراری

اور ذبح اضطراری میں تو جانور کو تیر سے مارنا جائز ہے اور ذبح اختیاری میں اس کی گردن کی رگیں کاٹنا ہے اور جب کہ جانور بندھا ہوا ہو تو اس وقت ذبح اختیاری کا طریقہ ہی اپنانا ہوگا۔ ذبح اضطراری والا طریقہ اس کے ساتھ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

اہل کتاب کا کھانا اور ذبیحہ جائز ہے

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ	اور اہل کتاب کا کھانا تمہیں حلال ہے۔

(سورۃ المائدہ آیت ۵)

تفسیر

یہ سورۃ المائدہ کی آیت پانچ کا ایک جملہ ہے۔ اس میں یہ ارشاد ہے کہ اے مسلمانوں اہل کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے اور طعام ہر کھانے کی چیز کو کہتے ہیں مثلاً اناج، غلہ وغیرہ۔ اور گوشت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور اہل کتاب سے مراد وہ یہودی اور عیسائی ہیں جو توراۃ و انجیل پر ایمان رکھتے ہیں تو مقصد یہ ہے کہ ایسے یہودی اور عیسائیوں کا کھانا اور ذبیحہ مسلمانوں کے لیے کھانا جائز ہے کیونکہ وہ لوگ بھی جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ہی ذبح کرتے ہیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی جانور کو بجائے خدا کے حضرت عزیرؑ کے نام پر ذبح کرے یا حضرت عیسیٰؑ کے نام پر ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حرام ہے جسطرح مسلمانوں میں سے اگر کوئی اپنے جانور کو کسی بُت کے نام پر ذبح کرے یا پیر یا ولی یا نبی کے نام

پر ذبح کرے تو وہ چیز حرام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عیسائی یا یہودی غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے تو وہ جانور حرام ہے۔

تمت بالخیر

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ
وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ